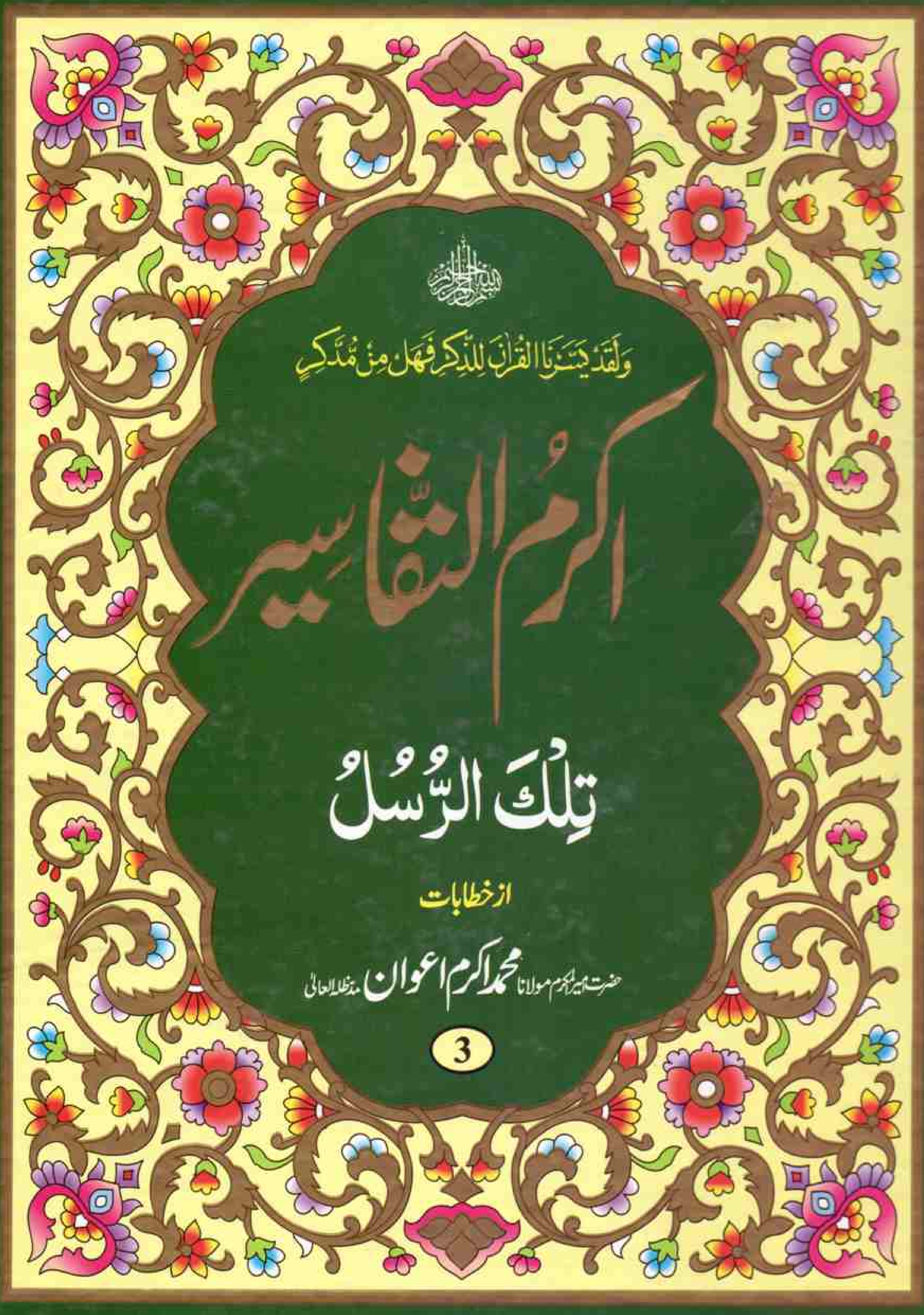

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

تِلْكَ الرُّسُلُ

از خطابات

حضرت امیر المکرم مولانا **محمد اکرم اعوان** مدظلہ العالی

3

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

تِلْكَ الرُّسُلُ

از خطابات

حضرت امیر المکرم مولانا **محمد اکرم اعوان** مدظلہ العالی

(3)

اکرم التفاسیر

از خطابات

حضرت امیر المکرم مولانا **محمد اکرم اعوان** مدظلہ العالی

پارہ.................. سوئم
بار اوّل............... جولائی 2008ء
تعداد................ دو ہزار
قیمت................ [redacted]/- روپے
ترتیب و تالیف.......... ابوالاحمدین
کمپوزنگ............. آصف الرحمن

عبدالقدیر اعوان
ناظم نشرواشاعت ادارہ نقشبندیہ اویسیہ نے
انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا
جملہ حقوق بنام ناظم نشرواشاعت محفوظ

اویسیہ کتب خانہ
اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وَٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کرسکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

از دل خیزد بر دل ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس بارے میں عرض کر دوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی‘ نہ اب ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسر قرآن کہے‘ نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں‘ یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرمؒ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقت نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب‘ جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں‘ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لئے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں‘ آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے۔ اس لئے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Valley اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے۔ اس لئے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی‘ ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر

کے منظر عام پر آنے کی۔ لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقام ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ فہم قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالات حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہل علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لئے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجات اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

امیر محمد

امیر المکرّم مولانا ملک محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرّم بحیثیت مفکرقرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات وواقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرین کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار ﷺ کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدنی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرّم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات وواقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدنی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی ﷺ کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکات نبوی ﷺ قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرّم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکرقرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنان اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں، لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت و دوزخ یا ثواب وعذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرّم اسی قرانی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرقرآنی کو اجاگر کیا ہے، جو

اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرّم کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لئے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کر لو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ' قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فرد جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہل حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرّم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصر حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالم اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکر قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرّم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لئے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرّم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

> ''کفار کے لئے یہ آیہ کریمہ قیامت تک کے لئے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں' پورے یقین' پورے ایمان سے منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور انشاءاللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے' تو امیر المکرّم کے زوردار انداز بیان میں فکر قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے' یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرّم نے فکر قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لئے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطابات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ

امت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرّم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے' جو ہر دور میں خون مسلم کو گرم اور امت مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرّم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسر قرآن سے آگے مفکر قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرّم کی پہچان بطور مفسر قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے' آپ کا تعارف بطور ''مفکر قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکر قرآن امیر المکرّم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

حسب سابق احباب سلسلہ عالیہ جناب ذکاء اللہ جان' سید انور علی شاہ اور عاصم نذیر نے تدوین و تالیف میں معاونت کی' اللہ تعالیٰ سب کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین
جون 2008ء

فہرست مندرجات

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	**سورة البقرة آیت 253**	14
2	انبیاء علیہم السلام صحیح فیصلہ کرنے میں رہنمائی کرتے ہیں	15
3	حضور ﷺ سراپا نور اور منبع نور ہیں	17
4	حاضر وناظر کا اشکال	19
5	آؤ کسی یکتائی سے عہد غلامی کر لو	21
6	شیطان کا راستہ	22
7	برکات نبوت کے اثرات	23
8	**تلاش حق**	25
9	تلاش حق ہی تصوف ہے	26
10	وجود انسانی پہ دل کی حکومت ہے	27
11	ہر انسان کے پاس دیا ہے جسے روشنی چاہیے	27
12	برکات نبوت سے وجود روشن ہو جاتے ہیں	28
13	تصوف اور منازل سلوک	28
14	حصول حق کا ذریعہ انبیاء علیہم السلام ہیں	29
15	انسان کو اطاعت ونافرمانی کا اختیار بخشا گیا ہے	30
16	**سورة البقرة آیات 254 تا 255**	32
17	قرآن حکیم میں تین طرح کے خطابات	33
18	ایمان قلب کی ایک کیفیت ہے	33
19	غیر اللہ کی عبادت	34
20	انسان کی تمام مصیبتوں کا واحد علاج	35
21	انفاق	36
22	روز محشر کون سا تعلق کام آئے گا	36
23	آیت الکرسی	38
24	کرسی سے مراد معنی بعید ہیں	40
25	دعا میں ہاتھ اٹھانا	41
26	آیت الکرسی شیطان سے حفاظت کا ذریعہ	43
27	**سورة البقرة آیات 256 تا 257**	44
28	مومن اللہ کے دوست	45
29	دین میں زبردستی نہیں	45
30	اللہ کا دین قبول کرنے کے بعد ذاتی معاملہ نہیں رہتا	47
31	ولایت کی سند	48
32	ولایت کی کوئی انتہا نہیں	49
33	شیطان کی دوستی	50
34	**سورة البقرة آیات 258 تا 260**	52
35	زندہ اور مردہ دل میں فرق	53
36	الوہیت پر ایک تاریخی مناظرہ	54
37	حیات بعد الموت کا ایک عملی ثبوت	56
38	ذکر الٰہی دلوں کی پالش ہے	59
39	اکتساب فیض کے لئے انس ضروری ہے	63
40	**سورة البقرة آیات 261 تا 266**	64
41	حب مال اور انفاق فی سبیل اللہ	66
42	رزق کی تنگی وفراوانی امتحان ہے	68
43	انفاق کے ساتھ دل آزاری نہ کی جائے	68
44	انفاق فی سبیل اللہ سے قلبی سکون ملتا ہے	69
45	احسان جتانے یا ایذا پہنچانے سے صدقات ضائع ہو جاتے ہیں	70
46	**فهم القرآن**	74
47	خود کو قرآن حکیم کا مخاطب سمجھو	74
48	حضور ﷺ ہی شارح قرآن ہیں	75
49	قرآن کے متعلق ایک منفی طرز فکر	76
50	خبر اور احکام	77
51	**سورة البقرة آیات 267 تا 272**	78

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
52	اللہ کی راہ میں بہتر مال دو	79
53	انفاق فی سبیل اللہ محبوب کی خدمت میں تحفہ ہے	80
54	زندگی اور زندگی کی ہر چیز اللہ کی عطا ہے	81
55	انفاق کے خلاف شیطان کے ہتھیار' افلاس کا ڈر اور بے حیائی	82
56	دانش مندی کی تعریف	83
57	حکمت و دانش	83
58	حکمت و دانش اپنے خاص بندوں پر اللہ کا خصوصی کرم ہے	81
59	ذکر دوام حکمت و دانائی عطا کرتا ہے	85
60	نذر ماننے کے احکام	85
61	اعلانیہ اور پوشیدہ انفاق	87
62	صدقات گناہوں کا کفارہ ہیں	88
63	**سورۃ البقرۃ آیات 273 تا 274**	90
64	انفاق فی سبیل اللہ کا بہترین مصرف	91
65	اللہ کے روبرو موجودگی کا احساس حاصل عبادت ہے	93
66	اجر میں مسلسل اضافہ ربوبیت کی شان ہے	95
67	**سورۃ البقرۃ آیات 275 تا 279**	97
68	جوا' سود اور تجارت	98
69	حرمت سود کا قرآنی استدلال	99
70	سود پر عذاب کی مختلف صورتیں	100
71	سود کے متعلق اللہ کا دوٹوک فیصلہ	101
72	سود خور کا ٹھکانہ جہنم ہے	102
73	ایمان اور عمل صالح لازم و ملزوم ہیں	104
74	صلوٰۃ سے مراد اطاعت الٰہی ہے	104
75	دین اور دنیا میں اصولی فرق	105
76	ایمان اور سود ساتھ نہیں۔ سود رہے گا یا ایمان	105
77	سود خور کیلئے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے	106

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
78	**سورۃ البقرۃ آیات 280 تا 283**	107
79	اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے	110
80	اسلام کے معاشی اصول لازوال ہیں	111
81	ادھار لین دین کو ضبط تحریر میں لاؤ	112
82	لین دین کے معاملات پر عورت اور مرد کی گواہی	113
83	اسلامی مساوات	114
84	رہن کی صورت استفادہ جائز نہیں	116
85	صفت ربوبیت اعمال کو ان کے انجام تک پہنچاتی ہے	117
86	وساوس اور ان کا علاج	118
87	**چہار گانہ فرائض نبوت**	119
88	منصب صحابیت	120
89	**سورۃ البقرۃ آیات 283 تا 286**	121
90	قناعت کیسے حاصل ہو	122
91	ہمارے ظاہر و باطن کو اللہ خوب جانتا ہے	123
92	اللہ کے رسول ﷺ نے ایمان کا حق ادا کر دیا	124
93	صحابہ کا ایمان مثالی ہے	125
94	انسان اپنی استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں	126
95	اللہ سے کیا مانگو اور کس طرح مانگو	127
96	**سورۃ آل عمران آیات 1 تا 4**	128
97	حروف مقطعات	129
98	حق متضاد نہیں ہو سکتا	130
99	**اجتہاد**	132
100	**سورۃ آل عمران آیات 5 تا 9**	134
101	کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں	136
102	متشابہات سے وابستہ حکمت الٰہی	137
103	گمراہی کا سبب دلوں کی کجی ہے	139
104	اہل دانش کی سوچ	140
105	دلوں کے ٹیڑھے پن کا علاج	142

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
106	**سورۃ آل عمران آیات** 10 **تا** 11	145
107	تاریخ سے عبرت حاصل کرو	147
108	**تقسیم وسائل**	148
109	فراوانی رزق اور تنگی دونوں میں آزمائش ہے	148
110	منفی طرزِ عمل	148
111	ایمان کس طرزِ عمل کا متقاضی ہے	149
112	جدید ٹیکنالوجی میں مسلمان آج بھی سب سے آگے ہیں	151
113	**سورۃ آل عمران آیات** 12 **تا** 13	152
114	حقیقی انقلاب	152
115	کفار کے لئے دائمی اعلان شکست اور غزوۃ الہند	154
116	غزوۂ بدر	155
117	غزوۂ بدر اللہ کی نصرت کا بیّن ثبوت ہے	156
118	غزوۂ بدر نشان عبرت بھی ہے	156
119	دنیوی محبتوں کے جذبے بھی اللہ کی عطا ہیں	158
120	ہر جذبے کے لئے ایک حد ہے	160
121	شعوری محبت کا محور صرف اللہ کی ذات ہو سکتی ہے	161
122	دنیا کی محبت بری نہیں لیکن اللہ کی محبت کے تابع ہو	162
123	**فطرت انسانی میں توحید اور محبت الٰہی ہے**	164
124	عہد فترۃ	164
125	حضور ﷺ کے جد امجد سارے مؤحد تھے	166
126	اللہ سے شعوری محبت دنیوی محبتوں پہ غالب ہو	167
127	ہر انسان خود اپنا منصف ہے	168
128	**سورۃ آل عمران آیات** 15 **تا** 18	168
129	جنت کی نعمتیں	170
130	رضائے الٰہی جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے	171
131	اللہ ہر بندے کو خود ملاحظہ فرما رہا ہے	171

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
132	صبر	172
133	صادقین	172
134	قانتین	172
135	اللہ کی راہ میں خرچ کی توفیق	172
136	آہ سحرگاہی	173
137	طریق صوفیا	173
138	اپنی واحدانیت پہ اللہ خود گواہ ہے	173
139	**سورۃ آل عمران آیات** 19 **تا** 20	174
140	دین واحد	175
141	ختم نبوت	176
142	اللہ کے حساب لینے میں تاخیر نہیں	178
143	جو مر گیا اس کے لئے قیامت آگئی	179
144	اپنی رائے دوسروں پر مسلط کرنا اسلام کے منافی ہے	180
145	**سورۃ آل عمران آیات** 21 **تا** 25	181
146	اقسام کفر	183
147	عملاً کفر کا نتیجہ	183
148	کوئی گناہ بھی چھوٹا نہیں	184
149	ادب تمام اعمال پر حاوی ہے	185
150	اطاعت کی توفیق بھی اللہ ہی سے مانگو	186
151	کتاب اللہ سے اعراض کا طرزِ عمل	187
152	اہل کتاب کی ایک غلط فہمی	188
153	مسلمان بھی زعم باطل کا شکار ہے	189
154	**سورۃ آل عمران آیات** 26 **تا** 29	190
155	جاہ واقتدار کی حقیقت	191
156	عزت وذلت اللہ ہی کی طرف سے ہے	193
157	ہر چیز اللہ کے دست قدرت میں ہے	194
158	قرآن کا تصور موت وحیات	195
159	تقسیم رزق اور وسائل	198

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
160	کفار سے معاملات کی نوعیت	199
161	دنیوی مصلحت کی بجائے اخروی انجام مدنظر رہے	202
162	**سورۃ آل عمران آیات 30 تا 34**	205
163	مقصد حیات	206
164	ایمان کے بغیر جسم روح کی قبر ہے	207
165	ایمان دعویٰ اور اعمال گواہ ہیں	208
166	شرف انسانیت اللہ سے محبت کا متقاضی ہے	209
167	اللہ سے محبت کا تقاضا	210
168	حیات طیبہ ﷺ زندگی کے ہر شعبہ میں رہنما ہے	211
169	گناہ کا مسلسل ارتکاب کفر تک لے جاتا ہے	216
170	ایمان کے بغیر بندہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہے	217
171	**سورۃ آل عمران آیات 35 تا 41**	219
172	روضہ اطہر میں تدفین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتیاز ہے	222
173	شیطان کی طوالت عمری	223
174	روحوں کو حاضر کرنے کے دعووں کی حقیقت	223
175	نذر ماننے کی شرائط	224
176	دین مکمل ہو چکا' خود ساختہ عبادات کی گنجائش نہیں	225
177	معجزہ اور کرامت	228
178	سید کا مفہوم	230
179	نسب کی عظمت اطاعت سے مشروط ہے	230
180	دعا ہر مشکل کا بہترین حل ہے	232
181	دعا کا سلیقہ	232
182	کم بولنا تعلق باللہ کے لئے معاون ہے	233
183	ذکر کثیر	234
184	ذکر دوام	234
185	ذکر کی اقسام	235
186	ذکر خفی قلبی	236
187	**سورۃ آل عمران آیات 42 تا 46**	237

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
188	اولیاء اللہ پر الہام والقا	238
189	نماز جماعت میں برکات کا نزول	241
190	عبادت کا جامع تصور	242
191	علم غیب اور اطلاع عن الغیب	243
192	**سورۃ آل عمران آیات 47 تا 51**	245
193	مرزا قادیانی کی تحریف قرآن کی جسارت	246
194	کن فیکون کے رموز	247
195	انبیاء علیہم السلام کے علوم وہبی اور بوساطت حضور ﷺ ہیں	249
196	علم و حکمت وراثت انبیاء ہے	250
197	ولی کا کشف علم نبوت کے تابع ہے	252
198	معجزات عہد کے کمالات کے مطابق ہوتے ہیں	253
199	معجزہ' کرامت اور استدراج	258
200	ربوبیت	259
201	دین اور مذہب	260
202	نبی الفاظ کے ساتھ جذبے بھی عطا کرتا ہے	261
203	اللہ کی نعمتوں پر ادائیگی شکر ممکن ہی نہیں	262
204	اللہ کی بے نیازی کا حقیقی مفہوم	263
205	**سورۃ آل عمران آیات 52 تا 58**	264
206	حوارین اور اناجیل	265
207	روز محشر شہادت رسول اللہ ﷺ ہی کام آئے گی	266
208	علمائے حق اور سوء	267
209	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح مع الجسد اٹھایا گیا	269
210	اہل اللہ کا باطنی نظام	271
211	نزول عیسیٰ علیہ السلام میں ایک حکمت	273
212	**اتباع رسالت پناہ کے لئے دائمی غلبہ کا وعدہ**	274
213	مسلمان کبھی رسوا نہیں ہوتا	274
214	خون شہداء طلوع فجر کی نوید ہے	275

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
215	**سورۃ آل عمران آیات 59 تا 63**	276
216	وفد نجران	277
217	قرآن کی تحریف معنوی کی ایک اور کوشش	278
218	حقیقی سچائی	278
219	مناظرہ اور مباہلہ	279
220	مباہلہ	279
221	مباہلہ کے متعلق ایک تاریخی غلط فہمی	280
222	قرآن وحی متلو اور حدیث وحی غیر متلو ہے	282
223	**سورۃ آل عمران آیت 64**	283
224	مسلمانوں اور اہل کتاب میں توحید قدر مشترک ہے	284
225	صدقات واجبہ کا مصرف	285
226	صدقات نافلہ کا مصرف عمومی ہے	286
227	غیر مسلم کے تعلقات سے عقائد متاثر نہ ہوں	286
228	توحید کا اعتراف عقل انسانی کی مجبوری ہے	287
229	اللہ پر ایمان کا حقیقی مفہوم	288
230	ثواب کیا ہے	289
231	اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کو رب بنانا	289
232	اسباب اختیار کریں لیکن امید اللہ سے ہو	290
233	مومن کی کوئی دعا رائیگاں نہیں جاتی	291
234	اتحاد بین المذاہب کی بنیادی شرط	292
235	**سورۃ آل عمران آیات 65 تا 71**	283
236	سنن ابراہیمی کا اتباع	297
237	اتباع سنن میں خصوصی برکات	297
238	ولایت کیا ہے؟	298
239	صحابہ کرام کا اتباع ولایت کا راستہ ہے	299
240	ولایت کا غلط تصور	300
241	**سورۃ آل عمران آیات 72 تا 74**	303
242	مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہود کا طریقہ واردات	304

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
243	عظمت صرف نبوت کے واسطے سے ملتی ہے	310
244	**سورۃ آل عمران آیات 75 تا 77**	311
245	دیانت وامانت ایمان کا خاصہ ہے	311
246	امانت ودیانت ایمان کا خاصہ ہے	312
247	عذر گناہ بدتر از گناہ	312
248	اللہ سے بندے کا معاہدہ	313
249	تقویٰ اللہ سے کئے ہوئے عہد کے مطابق زندگی گزارنا ہے	314
250	تقویٰ اور تزکیہ	314
251	محبت کے رشتے	316
252	اللہ کے تعلق کو بیچ کھانا ناقابل معافی جرم ہے	316
253	**سورۃ آل عمران آیات 78 تا 80**	317
254	یہود ونصاریٰ کے علماء کی عمومی روش	318
255	فتویٰ فروشی	319
256	کسی نبی نے اپنی بندگی کی دعوت نہیں دی	320
257	انبیاء کے معجزات دعوت توحید ہیں	321
258	علمائے ربانی کون ہوتے ہیں	323
259	**سورۃ آل عمران آیات 81 تا 82**	324
260	تمام انبیاء علیہم السلام سے حضور ﷺ کی نصرت کا عہد	325
261	سابقہ امم سے بھی قبر میں حضور ﷺ کی بابت سوال ہوگا	327
262	مسجد اقصیٰ	328
263	حصول رحمت کا واحد دروازہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے	329
65	امت میں فروعی اختلاف اللہ کی رحمت ہے	332
266	**سورۃ آل عمران آیات 83 تا 91**	335
267	کفار عبادات کے نہیں طرز حیات کے مخالف ہیں	337
268	کائنات میں ہر چیز اللہ کی اطاعت کرتی ہے	338
269	معیت رسول ﷺ کی سعادت ہر بندے کو نصیب ہے	339
270	**اسلام میں ارتداد کی سزا**	346

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝٣٢

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

وقف النبی

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۟ؑ ع ۳۳ ۵ ۱

یہ رسول ہیں، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ان میں (بعض سے اللہ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجے بلند کئے، اور ہم نے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو کھلی نشانیاں دیں، اور ہم نے روح القدسؑ سے اس کی تائید کی، اور اگر اللہ چاہتا تو جو ان کے بعد ہوئے وہ باہم نہ لڑتے، اس کے بعد جب کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ گئیں لیکن انہوں نے اختلاف کیا، پھر ان میں سے کوئی ایمان لایا اور ان میں سے کسی نے کفر کیا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم نہ لڑتے، لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ یہ حضرات مرسلین علیہم السلام کی مقدس جماعت ہے اور بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت اور فوقیت عطا فرمائی۔ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ اس مقدس جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن سے اللہ کریم نے براہ راست کلام فرمایا۔ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن کو درجوں میں دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی۔ یہاں قرآن حکیم کا اندازِ خطاب انبیاء و مرسلین کی فضیلت کے باب میں ہے۔ یہ انبیاء اور رسل مخلوق کے لئے اللہ کی رحمت کا واحد سبب ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام صحیح فیصلہ کرنے میں رہنمائی کرتے ہیں

ہدایت کا فیصلہ کرنے میں اللہ کے نبی اور رسول انسان کی مدد فرماتے ہیں، رہنمائی فرماتے ہیں۔ فیصلے کو آسان کر دیتے ہیں اور یہی نبیوں اور رسولوں کا منصب جلیلہ ہوتا ہے کہ انسان دنیا کی رنگینی دیکھ کر، دنیاوی لذتیں دیکھ کر اس میں کھو نہ جائے۔ وہ اسے بتاتے ہیں کہ تیرا منصب اس سے بلند ہے۔ دنیا تجھے استعمال نہ کرے بلکہ دنیا تیرے استعمال کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہ نہ ہو کہ دنیا تجھ پر سوار ہو جائے۔ تو اللہ کے لئے ہے اور دنیا تیری خاطر ہے۔ جو لوگ دنیا چھوڑ کر اللہ کے قرب کا فیصلہ کرتے ہیں، دنیا ان کے پیچھے بھاگتی ہے۔ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دنیا کو چنتے ہیں، دنیا ان کے آگے بھاگتی ہے اور وہ ساری عمر پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کے پاس دنیا غلام بن کر آتی ہے اور دنیا داروں کی حکمران بن کر رہتی ہے۔ وہ ان سے خدمت لیتی ہے اور اللہ والوں کی خدمت کرتی ہے۔ دنیا کو برا یا فضول کہنا غلط بات ہے۔ دنیا اللہ کی مخلوق ہے اور اس نے اتنی خوبصورت بنائی ہے کہ دنیا کو اپنے مقابلے میں رکھ کر فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا ہے۔

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

میرا محبوب اتنا حسین ہے کہ اس نے اپنے رخ روشن کے آگے شمع جلا کر رکھ دی اور پروانے کا امتحان لے رہا ہے کہ وہ شمع پہ نثار ہوتا ہے یا اس کے رخ روشن پہ نثار ہوتا ہے۔ قدرت کا نظام بھی ایسا ہے کہ یہ دنیا ایک شمع ہے اور دوسری طرف جمال الٰہی ہے۔ اب یہ فیصلہ انسان نے کرنا ہے اور اسی پر اس کی جزا سزا کا مدار ہے۔ وہ اس فیصلے میں مجبور نہیں ہے۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۝ ہم نے انسان کو راستہ کھول کر بتا دیا ہے، وہ شکر کی راہ اختیار کرتا ہے یا ناشکری کی، اب یہ اس کی پسند ہے۔ شکر کا راستہ، وصول الٰہی کا راستہ ہے حضور حق کی بات ہے جو ہر نبی نے بتائی ہے۔ ہر نبی جس قوم کی طرف مبعوث ہوا، جتنے علاقے کی طرف مبعوث ہوا اور جتنے عرصے کے لئے مبعوث ہوا، اس عرصے میں اس علاقے اور ان لوگوں کے لئے رحمت حق کا دروازہ صرف اللہ کا نبی اور رسول تھا۔ فرمایا: رسولوں کو عام نہ سمجھو۔ یہ اللہ کے خاص بندے ہیں۔ اللہ کی بات بندوں کو بتاتے ہیں۔ اللہ کا راستہ بندوں کو بتاتے ہیں۔ بندوں کو اللہ تک پہنچنے کی ہمت دلاتے ہیں اور اس کا سبب بنتے ہیں۔

فضیلت انبیاء علیہم السلام بیان کرنے کا قرآنی انداز

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ بات کرنے کا ایک انداز ہوتا ہے۔

کسی بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ اس کے سارے دانت گر گئے۔ تعبیر کرنے والے نے کہا کہ آپ کے سارے عزیز و اقارب آپ کے سامنے مر جائیں گے۔ بادشاہ اس پر ناراض ہوا اور اسے سزا دے دی۔ کسی اور نے خواب کی تعبیر یہ کی کہ جہاں پناہ کی عمر سب سے طویل ہو گی۔ اس پر بادشاہ خوش ہوا اور اسے انعام دیا۔ بات تو ایک ہی تھی لیکن اسلوب مختلف تھا۔ قرآن حکیم کا انبیاء و رسل کی فضیلت بیان کرنے کا اسلوب یہ نہیں ہے کہ کوئی نبی کسی نبی سے درجے میں کم ہے‘ **فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** ۘ بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی۔ سارے فضیلت والے ہیں اور بعض زیادہ فضیلت والے ہیں۔ اب اگر کوئی زیادہ ہے تو دوسرا کم ہو گا لیکن انبیاء کے معاملے میں یہ لفظ استعمال کرنا گستاخی ہے اور قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ سب اچھے ہیں‘ اچھوں میں کچھ بہت اچھے ہیں۔

اس سے علماء نے اخذ فرمایا ہے کہ اللہ کے بندوں کا‘ اولیاء اللہ کا ذکر خیر ہو تو کبھی یہ مت کہو کہ فلاں ولی اللہ درجے میں فلاں سے کم تھا۔ یہ قرآنی اسلوب نہیں ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ سارے اچھے تھے‘ فلاں ان میں بھی بہت اچھا تھا۔ سب سے اللہ کی رحمتیں تقسیم ہوئیں‘ سب نے اللہ کے بندوں کو ہدایت کا درس دیا لیکن فلاں بزرگ نے بہت اچھا دیا۔ یعنی سب اچھے تھے‘ بعض اچھوں میں اور بھی اچھے تھے لیکن آپ کسی کو کم نہیں کہہ سکتے کہ رب العلمین نے اس قانون کا لحاظ رکھا اور اپنے کسی نبی کو کم نہیں کہا۔

ہر نبی اللہ کی رحمت کا امین تھا‘ ہر نبی ہدایت کا سبب اور ہادی تھا۔ ہر نبی نے اللہ کی مخلوق کو اللہ سے ملانے کی کوشش کی لیکن ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن سے اللہ نے براہ راست کلام فرمایا۔ **مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ** کلام متکلم کے مزاج اور اس کی ذات کا آئینہ ہوتا ہے۔ آپ کسی شخص کی بات روز سنتے رہیں‘ اس کی عادات آپ میں آ جائیں گی۔ آپ کسی بندے کو جواریوں کے ساتھ بٹھا دیں۔ وہ جوا نہ بھی کھیلے لیکن ان کی باتیں سنتا رہے تو آخر اسے جوئے میں دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔ آپ نیکوں کی محفل میں بیٹھیں‘ بھلی باتیں سنتے رہیں‘ آپ کا بھی نیکی کرنے کو دل چاہے گا۔ آپ کسی بری مجلس میں بیٹھیں‘ آپ پر بھی برائی غالب آنے لگ جائے گی۔ متکلم کا سننے والے کی ذات پر ایک اثر پڑتا ہے۔ پھر ان ہستیوں کو دیکھو جو اللہ کے رسول تھے اور پھر اللہ نے ان سے ذاتی طور پر کلام بھی فرمایا۔ پہلے ہی اللہ کے رسول تھے‘ منتخب بندے تھے پھر اللہ نے ذاتی طور پر انہیں اپنے کلام سے مستفید فرمایا تو ان پر کیا کیفیات وارد ہوتی ہوں گی۔ ان پر کتنی روشنیاں‘ کتنا جمال اور اللہ کی کتنی برکات ہوں گی۔ ان کے وجود کتنے بابرکت ہوں گے! تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ میں نے اپنے رسولوں میں اس سے بھی بہت بلند درجات تقسیم فرمائے۔

ہر ریڈیو سٹیشن یا ٹیلی ویژن سٹیشن میں ایک طاقت ہوتی ہے جسے Frequency کہتے ہیں اور صرف وہ سیٹ اسے وصول کرے گا جس میں اتنی Frequency کی طاقت موجود ہو۔ دوسرا ٹی وی یا ریڈیو جس کی وہ Frequency نہیں ہے، وہ نہیں سنے گا۔ اب اس ٹی وی کو اس Frequency سے ہٹا کر دوسری پر کر دیں تو وہ یہ تصویر نہیں دیکھے گا۔ ایک خاص قوت، ایک خاص طاقت، ایک Frequency چاہیے جو بات کو سنے۔ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ میں نے نبیوں میں وہ قوت رکھی کہ انہوں نے میری ذاتی باتیں سنیں۔ اب اس کو آپ کس پیمانے سے ناپیں گے کہ وہ فریکونسی کیا ہے جو اللہ کا کلام سنتی ہے۔ کوئی پیمانہ، کوئی اندازہ ہوسکتا ہے! عقل کچھ سوچ سکتی ہے، سائنس کچھ بتا سکتی ہے کہ اللہ کی ذات کس فریکونسی پہ آتی ہے اور سننے والے میں کیا Frequency موجود ہے! یہ عقل سے بالاتر ہے۔ ہاں، عظمت رسالت پہ دلیل ہے کہ نبی اتنا امین ہوتا ہے، نبی میں اتنی استعداد ہوتی ہے کہ وہ اللہ کا کلام بھی سن لیتا ہے۔ اللہ سب کی سنتا ہے لیکن اللہ کی سننا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

ہماری یہ سعادت ہے کہ ہمارے پاس اتنی بڑی کتاب ہے۔ یہ ساری اللہ کی باتیں ہیں اور اس کی ذاتی باتیں ہیں۔ کس نے براہ راست سنیں؟ سوائے ایک ہستی، اصدق الصادقین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے 'وحی الٰہی کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ ابوبکر صدیقؓ جو افضل البشر بعد از انبیاء ہیں، وحی الٰہی سننے کے گواہ نہیں۔ وحی صرف محمد رسول اللہ ﷺ نے سنی۔ یہ صرف ایک ہستی کا مقام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے تو قیامت تک آنے والا ہر انسان اسے اللہ کا کلام ماننے کا مکلّف ہے۔ نہیں مانے گا تو کافر ہو جائے گا۔ اب لے آؤ کوئی پیمانہ اور ماپ کر دکھاؤ عظمت نبوت کو!

حضور ﷺ سراپا نور اور منبع نور ہیں

موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے لیکن بنی اسرائیل کی طرف نبی تھے، ایک خاص وقت تک کے لئے تھے، ایک خاص علاقے اور ایک خاص قوم کے لئے تھے۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اللہ کے سوا ساری کائنات کے لئے باعث رحمت بنا دیا لیکن یہ یاد رہے! فرمایا: یہ رسولوں کی مقدس جماعت ہے جن میں بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں براہ راست اللہ رب العزت سے کلام کا شرف حاصل ہوا۔ اور کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں جن کے درجات اس سے بھی بلند کر دیئے گئے۔ بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

انبیاء علیہم السلام کے مبارک وجود کا ہر سیل تجلیات باری کا امین ہوتا ہے، ہر سیل نورِ الٰہی اور نورِ نبوت

سے منور ہوتا ہے اور ہر سیل میں اتنی قوت دی جاتی ہے کہ جس قوم کی طرف وہ نبی مبعوث ہوتا ہے، ان سارے لوگوں کو اگر ایمان نصیب ہو جائے تو ان ساروں کے باڈی سیلز روشن کر دے۔ جس قوم کو، جس ملک کو، جن لوگوں کو اللہ کا نبی، اللہ کا رسول دعوت دیتا ہے، اللہ کے رسول میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ اگر وہ سارے لوگ اس کی دعوت قبول کرلیں تو وہ ان ساروں کے وجود کو منور کر دے۔

جس ہستی ﷺ کو ساری کائنات کے لئے رحمت بنایا، یہ صرف سوچا جا سکتا ہے کہ اس ہستی کے وجود مسعود میں اللہ نے اپنے جمال اور اپنی تجلیات کی کس قدر قوت رکھی ہو گی! ساری کائنات ان کے قدموں میں ڈھیر ہو جائے تو ساری کائنات کو منور کر دے۔ عرش، فرش، فرشتے، جن، انسان، تحت الثریٰ سے لے کر ثریا تک، جہاں تک اللہ کی مخلوق ہے، اللہ کی ایک ذات کو چھوڑ کر، اللہ کی ساری مخلوق اگر رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﷺ کے قدموں میں ڈھیر ہو جائے تو سب کو تجلیات باری سے منور کر دیں۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس ساری کائنات کے لئے وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا، روشنیاں بکھیرنے والا سورج ہے اور یہ کسی ایک وقت یا کسی ایک زمانے کے لئے نہیں ہے۔ ساری کائنات چونکہ حضور ﷺ کی امت ہے، جب تک کائنات باقی ہے، فیضان رسالت و نبوت باقی ہے۔ آج بھی کلمہ محمد رسول اللہ ﷺ کا پڑھا جا رہا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ كَانَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کوئی نہیں پڑھتا۔ رسول تھے نہیں، آج بھی اللہ کے رسول ہیں، کل بھی اللہ کے رسول ہیں، جب تک سورج طلوع و غروب ہوتا ہے اللہ کے رسول ہیں۔ وہ نور آج بھی ہے، تا ابد رہے گا۔

یہ جو ارشاد ہوا کہ: وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ بعض کے درجات ہم نے بہت بلند کر دیئے۔ تو مفسرین کرام نے اس سے نبی اکرم ﷺ کو مراد لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو ساری کائنات کے لئے مبعوث فرمایا۔ اللہ کی ذات کے علاوہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ عالمین میں آ جاتا ہے۔ انسانوں کی طرف تو آپ ﷺ مبعوث ہوئے۔ انسان خود مکلّف ہے ساری کائنات رحمت الٰہی کی محتاج ہے اور جہاں سے رحمت الٰہی کا دامن سرک جاتا ہے، وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔ اب ساری کائنات کی بقا رحمت الٰہی کی محتاج ہے اور آپ ﷺ کے لئے ارشاد ہوا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ تمام کائنات کے لئے آپ ﷺ رحمت الٰہی ہیں یعنی رحمت الٰہی مجسم ہو کر وجود اطہر میں آ گئی۔ اب یہ فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا کہ تجھے میں نے عقل دی، شعور دیا، ایک رائے دینے کی قوت دی، کیا تو میرے اس نبی ﷺ سے مستفید ہونا چاہتا ہے، اپنے وجود کے ہر سیل کو آپ ﷺ کے نور سے منور کرنا چاہتا ہے؟

حاضروناظر کا اشکال

آج بھی حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آج کے مولویوں کو حاضر ناظر کا اشکال پڑ گیا ہے۔ کچھ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں، کچھ کہتے ہیں، یہ شرک ہے۔ دراصل یہ ناسمجھی کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر میں اتنی وسعت ہے کہ سارے جہان حصول رحمت کے لئے ایک قلب اطہر ﷺ سے متعلق ہیں۔ ایک آسان سی بات ہے کہ ایک چشمہ یا ایک جھیل ہے جس سے دس گاؤں پانی پیتے ہیں، انسان حیوان سارے پیتے ہیں تو کیا دس گاؤں کی وسعت زیادہ ہے یا اس پانی کے ذخیرے کی وسعت زیادہ ہے؟ اگر اس کی وسعت کم ہوگی تو ختم ہو جائے گا۔ جب سارے پیتے چلے جارہے ہیں اور ختم نہیں ہوتا تو اس کا مطلب ہے کہ آبادی کی وسعت کم ہے اور چشمے کی وسعت زیادہ ہے۔ ساری کائنات حصول رحمت میں رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﷺ کی محتاج ہے۔ لے رہی ہے اور لیتی چلی جائے گی۔ صرف قیامت تک نہیں، جنت بھی رحمت ہی کا حصہ ہے اور آپ ﷺ کی محتاج ہے۔ ابدالآباد رحمتیں تقسیم ہوتی رہیں گی۔ کائنات میں اتنی وسعت نہیں ہے جتنی وسعت قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ میں ہے۔ اس میں کوئی حاضر ناظر غائب کی بات نہیں ہے۔ یہ سوچنا اور یہ سمجھنا جہالت ہے۔

ہمارے علم اور ہماری عقل کی وسعت سے جس طرح ذات باری وریٰ الوریٰ ہے، اسی طرح عظمت محمد رسول اللہ ﷺ وریٰ الوریٰ ہے۔ اس پہ بات کرنا جرم ہے۔ اس کی حدود متعین کرنا جرم ہے۔ اس پر بحث کرنا جرم ہے اور یہ کہنا کہ حضور ﷺ میں یہ کمال ہے اور یہ نہیں ہے یہ بجائے خود اتنی گستاخی ہے کہ ایمان کے سلب ہونے کا ڈر ہے۔ لہٰذا یہ ایک بارگاہ ایسی ہے جس میں صرف سر تسلیم خم کیا جا سکتا ہے لیکن جس پر بات نہیں ہو سکتی۔

عدلیہ میں جاؤ تو کوئی بھی سزا دینے سے پہلے موقع دیتے ہیں کہ اپنی صفائی کے گواہ پیش کرو۔ ملازم ہو تو اسے شوکاز نوٹس دیتے ہیں۔ اللہ کا نظام ایسا ہے کہ وہ بھی شوکاز نوٹس عطا فرماتا ہے۔ روز قیامت سب کو کھڑا کرے گا۔ ان کو اعمال نامے پکڑائے گا اور پھر ان پر سوال کرے گا کہ تو نے ایسا کیوں کیا، تیرے پاس کوئی صفائی ہے تو بتا، وہ صفائی پیش نہیں کر سکے گا تو سزا پائے گا۔

ایک جرم ایسا بھی ہے کہ اس پر نہ کوئی شوکاز نوٹس ہے، نہ کوئی صفائی کا موقع دیا جاتا ہے اور وہ ہے بارگاہِ رسالت ﷺ کی گستاخی۔ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ۔ خبردار کبھی اپنی آواز بھی حضور ﷺ کی آواز مبارک سے بلند نہ کرنا۔ چھوٹی سی بات ہے کہ محفل میں بیٹھے ہو، حضور ﷺ جلوہ افروز ہیں تو تمہاری

آواز حضور ﷺ کی آواز سے پست رہے' بلند نہیں ہونی چاہیے اور اگر ہو گئی تو اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○ نیکیاں برباد کر دی جائیں گی۔ کوئی شوکاز نہیں' کوئی صفائی کا موقع نہیں' آواز جیسے ہی بلند ہوئی' اسی وقت ساری نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی۔ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی ہو گئی تو کوئی نہیں پوچھے گا کہ تیرے پاس دلیل کیا ہے؟ تو نے کیوں کیا یا تجھ سے کیسے غلطی ہو گئی؟ ایک دم فیصلہ صادر ہو گیا اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ تمہارے اعمال ضائع ہو گئے۔

یہ فتوے جو ہم دیتے ہیں' جہالت ہے۔ جو ہم لڑائیاں کرتے ہیں یہ ظلم ہے' نادانی ہے۔ ہماری سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ ہمارے ذمے صرف اتنا ہے کہ جو حضور ﷺ نے سکھایا اس پر عمل کریں۔ جو حکم ہے اس کی تعمیل کریں جہاں سے روک دیا وہاں رک جائیں اور عاجزی اور نیازمندی سے یہ توقع رکھیں کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم پر خفا مت ہونا' نالائق ہیں' کمزور ہیں' خطا کار ہیں' کوشش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی غلامی کا حق ادا کریں لیکن ہم سے ہو نہیں پاتا' لہٰذا امیدوارِ کرم ہیں۔ حضور ﷺ کی ذات اور ہر نبی کی ذات بحث سے بالاتر ہے۔ یہ جو ہم روز مناظرے کرتے ہیں' فتوے دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں' یہ سوائے جہالت کے اور کچھ بھی نہیں۔ عظمت پیامبر ﷺ کو ہم جانتے ہی نہیں۔ ہم انبیاء علیہم السلام کی عظمت سے ناآشنا ہیں اس لئے یہ باتیں کرتے ہیں لیکن اللہ کے جو بندے جانتے ہیں' وہ لب کشائی نہیں کرتے۔ اب سورج اپنی جگہ پر موجود ہے لیکن سورج کی کرن ہر جگہ روشن کئے ہوئے ہے۔ اس میں اتنا نور ہے کہ ہر جگہ اس کا نور موجود ہے۔ سورج کو حاضر کہیں گے' غائب کہیں گے' کیا فیصلہ کریں گے۔ اس پہ بحث کرنا کوئی دانش مندی ہے! سورج تو ایک حقیر مخلوق ہے' خود محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر سے رحمت حاصل کرنے کا محتاج ہے۔

تمام مخلوق رحمت الٰہی کی محتاج ہے اور رحمت الٰہی آقائے نامدار ﷺ میں مجسم ہے۔ جو مخلوق حصول رحمت میں حضور ﷺ کی محتاج ہے' آپ اسے قید نہیں کر سکتے۔ آپ چلے ہیں عظمت رسالت ﷺ کو طے کرنے! میرے بھائی یہ نادانی ہے' جہالت ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی باتیں ہیں جو ان حقیقتوں کو نہیں جانتے۔ یہ وہ لوگ باتیں کرتے ہیں جنہوں نے اسلام کو زبانی پڑھا ہے۔ اسلام کیفیات کا نام ہے' الفاظ میں کچھ نہیں ہوتا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

وہ کیفیت دل میں لاؤ۔ صرف زبانی کہہ دینے سے اس پر ساری عمر شریعت کے احکام مسلمان ہی کے لاگو ہوں گے لیکن جب موت آئے گی تو شمار کافروں میں ہوگا۔ اگر دل خالی ہوگا' دل کافر ہوگا تو بندہ کافر

شمار ہوگا۔ یہاں صرف ایک ہی بات ہے:

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ کسی کی مجال دم زدن نہیں ہے، آنکھ اٹھانا بھی گستاخی ہے۔ آواز مبارک سے آواز بلند ہو جائے تو ساری نیکیاں سلب ہو جاتی ہیں۔

آؤ کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو

آج ہم کہتے ہیں کہ ہم زبوں حال ہیں۔ مسلمان دنیا میں مظلوم ہے، اس پر کافر غالب ہے۔ اگر کوئی حضور ﷺ کی آواز مبارک پر تھوڑی سی آواز بلند کر دے، اونچا بولے تو ساری نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اگر حضور ﷺ کے احکام کو چھوڑ کر غیروں کی پیروی کرے تو اس کا کیا حشر ہونا چاہیے؟ صرف آواز بلند کرتا ہے تو ساری نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں اور قرآن کے مخاطب اول صحابہ کرام ہیں۔ جس مجلس میں یہ حکم نافذ ہو رہا ہے، وہاں تو ابوبکر صدیقؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جیسے خلفائے راشدین بھی جلوہ افروز ہیں۔ وہاں تو بدر والے، احد والے بھی شامل ہیں۔ جنہوں نے تیرہ برس مکہ میں تکالیف برداشت کیں، وہ بھی وہاں موجود ہیں اور سب کو ایک ہی فیصلہ سنایا جا رہا ہے کہ جس کی بھی آواز ذرہ بھر حضور ﷺ کی آواز پر بلند ہوگی، اس کی ساری نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی۔

میرے اور آپ کے پاس ہے کیا! ہم تہی دامن بھی ہوں اور حضور ﷺ کی گستاخی بھی کریں، قدم قدم پر کریں، ہر بات میں کریں، لباس میں، حلیے میں، بات کرنے میں، شادی بیاہ میں حتیٰ کہ موت کی رسومات میں بھی حضور ﷺ کی سنت چھوڑ کر رواج کو اپنائیں تو ہمارا حشر کیا ہونا چاہیے! یہ تو پھر اس کا کرم ہے کہ اس نے ہم سے کلمہ نہیں چھینا۔ عام آدمی کے سامنے آپ یہ جرم، یہ فیصلہ اور یہ حالات رکھیں تو وہ کہے گا کہ تمہیں تو مسلمان ہونے کا حق بھی حاصل نہیں، تمہارا تو ایمان سلب ہو جانا چاہیے، ایمان بھی تو ایک نیکی ہے۔ یہ تو پھر اس کا شکر ہے کہ ہم سے کلمہ نہیں چھینا، ٹوٹی پھوٹی نمازیں پڑھنے کی توفیق دے رکھی ہے ورنہ ہم تو اس سے بھی زیادہ ذلت کے حقدار ہیں۔ جب تک اس بارگاہِ رسالت ﷺ کا ادب و احترام قائم نہیں کرتے ہمارا کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ جتنی حکومتیں اور دانشور ہمیں مشورے دیتے ہیں اور حالات کی بہتری کا علاج بتاتے ہیں، یہ سب جھوٹ بولتے ہیں، سب غلط کہتے ہیں۔ ہمارا ایک ہی علاج ہے کہ آج ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عہد غلامی کر لیں اور اس پر ڈٹ جائیں۔

یہ فرقے بھی ختم ہو جائیں۔ فرقے کیوں بنتے ہیں؟ باپ مسلمان ہے، دادا مسلمان ہے لیکن صبح بیٹا

کافر ہو جاتا ہے' کیوں؟ بارگاہِ رسالت ﷺ کی یہی گستاخیاں رنگ لاتی ہیں۔ اعمال سلب ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے۔ پتنگ کی ڈور جب کٹ جاتی ہے تو وہ کسی درخت' جھاڑی' کسی بجلی کی تار سے الجھ جاتی ہے۔ یہی حال نئے نئے فرقوں کا ہے کہ اصل سے کٹ گئے۔ جس جھاڑی سے اٹک گئے وہیں ایک فرقہ بن گیا۔ ملت تو ایک ہی تھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اور ایک ہی ہے۔ باقی سب کٹی ہوئی پتنگیں ہیں' کوئی فرقے نہیں ہیں۔ آج بھی ہمارے دکھوں کی دوا' آج بھی ہماری عزت کا سبب' آج بھی ہماری سلامتی کا سبب محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ واپس آ جائیں۔

شیطان کا راستہ

ایک دوسرا راستہ بھی ہے۔ جو خواہ لاکھوں میں بٹ جائے لیکن اصل میں ایک ہے اور وہ ہے شیطان کی پیروی۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ کبھی شیطان کے نقش قدم پر چلنے کی حماقت نہ کرنا۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ شیطان تمہارا سب سے بڑا اور کھلا دشمن ہے۔ دو ہی راستے ہیں ایک ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنا اور دوسرا راستہ شیطان کے نقش قدم پہ چلنا۔ اب فیصلہ انسان پر ہے۔ اگر شیطان کے پیچھے چلتا ہے' اگر ایمان قبول نہیں کرتا تو کافر کا ہر باڈی سیل نور سے محروم رہتا ہے۔

جب دل روشن نہیں ہوتے' طلب نہیں آتی تو کیا ہوتا ہے؟ فرمایا دیکھو' عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے ایسی دلیلیں دیں کہ مٹی کا پرندہ بناتے تھے اور اسے پھونک مارتے تھے تو وہ زندہ ہو کر اڑ جاتا۔ بیمار' مادرزاد اندھے' مادرزاد کوڑھی آتے۔ آپ علیہ السلام اسے دم فرما دیتے' ہاتھ پھیرتے اور وہ صحت مند ہو جاتا' اندھا بینا ہو جاتا۔ مردے کی قبر پر جا کر حکم دیتے اور مردہ زندہ ہو کر باہر نکل آتا۔ اب اس سے بڑی کیا بات ہے۔ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ روح القدس سے ان کی مدد فرمائی اور اتنی دلیلیں دیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۘ اللہ چاہتا تو ان پچھلوں کو قتل و غارت سے بچا لیتا۔ اب یہاں سے لوگ یہ مفہوم لیتے ہیں کہ اللہ ہی چاہتا تھا کہ یہ لڑیں۔ اللہ کیوں چاہتا ہے کہ یہ تباہ ہوں' اس لئے کہ انسان کو جو اس نے اپنی ذات پر ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار دیا ہے' جب وہ نہیں لاتا تو اللہ بھی اس کی بربادی ہی چاہتا ہے۔ اللہ کے اس چاہنے کے پیچھے بندے کا فیصلہ ہوتا ہے۔ جب اس نے تباہی کا راستہ چنا تو وہ محتاج نہیں کہ اسے پکڑ کر کھڑا کر دے۔ زبردستی وہ نہیں کرتا۔ فرمایا' اگر انہوں نے اللہ کا راستہ چنا ہوتا' انہوں نے دامن رحمت کو تھاما ہوتا تو یہ ایک دوسرے کے گلے نہ کاٹتے۔

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا لیکن یہ تو ایسے جاہل تھے کہ انہوں نے اختلاف کیا۔ اپنے نبی علیہ السلام کی بات نہیں

مانی، برکات نبوت سینے میں نہیں اتاریں، اس لئے ان میں خانہ جنگیاں ہوئیں، **فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ** ایسے بھی لوگ تھے جو ایمان لائے۔ **وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ** ؕ ایسے بھی تھے جنہوں نے کفر کیا، اختلاف کیا۔ جہاں اللہ کے نبی علیہ السلام کے ساتھ اختلاف آیا، برکات الٰہی اور وہ کیفیات دل میں نہ آئیں، ادھر روشنی اور ادھر اندھیرا تو لڑائی ہوگئی۔ سو یہ تباہ ہوئے۔ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ**۝ اللہ تو جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

آج پھر ہم دو مصیبتوں کا شکار ہیں ایک کفر کی یلغار ہے اور ایک خانہ جنگی ہے، اب خانہ جنگی ایک خطرناک لفظ ہے۔ اس سے بچنے کے لئے دہشت گردی کہہ دیا جاتا ہے، کیوں؟ **وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا** ہم میں بھی اختلاف آ گیا ہے۔ سینے اور دل برکات نبوت ﷺ سے خالی ہوگئے ہیں۔ وہ لذت آشنائی جاتی رہی ہے۔ وہ درد عشق پیدا ہی نہیں ہوا۔ لذت سے آشنا ہی نہ ہوئے۔ محبت اور نفرت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جس دل میں محبت نہیں ہوگی وہاں نفرت ہوگی۔ ایک چیز تو ہوگی۔ جب دلوں میں نفرتیں آ گئیں، برکات نبوت ﷺ نہ آئیں، یاد الٰہی نہ آئی تو قتال ہی ہوگا۔

برکات نبوت کے اثرات

ہر صحابی کو تو ایک لمحے میں برکات مل گئیں۔ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھے اور آپ ﷺ کے تابع فرمان تھے۔ انہوں نے حق اطاعت ادا کر دیا حتیٰ کہ اللہ نے انہیں مثالی انسان اور مثالی مسلمان قرار دے دیا۔ ان کی آخرت کا فیصلہ دنیا میں سنا دیا۔ **رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ** ؕ اللہ ان پر راضی ہوا، وہ رب پر راضی ہوئے۔ میرا تیرا فیصلہ حشر میں ہوگا، ان کا اعلان اس نے قرآن میں کر دیا۔

حضور ﷺ کو کدو کی سبزی پسند تھی۔ وصال نبوی ﷺ کے بعد ایک صحابی کھانا کھا رہے تھے اور ساتھ نوجوان بچہ بیٹھا تھا۔ اب انسانی مزاج ہوتا ہے، اسے کدو اچھا نہیں لگا۔ تو اس نے کھانا چھوڑ دیا۔ کہنے لگے: کہیں اللہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے ورنہ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تلوار کھینچ کر تیرا سر تن سے جدا کر دوں، حضور ﷺ کو کدو پسند تھے اور تو کہتا ہے کدو اچھے نہیں ہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں تو میرے ساتھ دستر خوان پر نہیں بیٹھے گا، یہ تیری کم سے کم سزا ہے۔

ایک صحابی نماز عشاء سے فارغ ہوتے تو بچہ ہاتھ پکڑ کر گھر لے جاتا۔ سحری کو مسجد آتے تو اس نے ہاتھ پکڑا ہوا ہوتا اور مسجد نبوی ﷺ میں چھوڑ جاتا۔ سارا دن کام کاج کرتے۔ ایک دن کسی نے پوچھ لیا کہ حضرت آپ کو رات میں نظر نہیں آتا۔ فرمایا، جب حضور ﷺ عشاء سے فارغ ہوتے ہیں، حجرۂ اقدس میں تشریف لے جاتے ہیں تو میں آنکھ بند کر لیتا ہوں کہ میں نے آخری بار رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ اب

اس کے بعد کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔ صبح مجھے بچہ پکڑ کر چھوڑ جاتا ہے، کھڑکی کھلنے کی آواز آتی ہے، حضور ﷺ قدم رنجہ فرماتے ہیں تو آنکھیں کھول دیتا ہوں۔ میری پہلی نظر محمد رسول اللہ ﷺ پہ ہوتی ہے، میری آخری نظر محمد رسول اللہ ﷺ پہ ہوتی ہے۔

ان سے کون مقابلہ کرسکتا ہے، کون سوچ سکتا ہے۔ اس لئے انہیں تو کوئی دقت ہی نہیں ہوئی۔ اک نگاہ میں عالم امر میں پتہ نہیں کہاں تک چلے گئے۔ اس عالم امر کی وسعتیں کہاں تک ہیں، کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ تابعین کے ساتھ بھی یہی ہوا، تبع تابعین کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اس کے بعد مشکلات بڑھ گئیں۔ خیرالقرون گزر گئے۔ اب وہ فدائیت، جاں نثاری، عشق، محبت، تعلق، اور درد دل میں آئے، وہ طلب دل میں آئے تو وہ مزا آئے۔

کسی کو رہبر یا پیر بنانے کی یہی شناخت ہے کہ اگر اس کے پاس بیٹھنے سے دل اور وجود ذاکر ہو جاتا ہے تو وہ واقعی رہبر ہے۔ اگر پیر کی دعا سے کوئی دنیوی مشکل ہوگئی تو اس میں پیر کا کوئی کمال نہیں۔ یہ اللہ کا اپنا نظام ہے اور اس کے حکم سے چلتا ہے۔ جن کے پیر نہیں ہیں، ان کے کام بھی ہو رہے ہیں۔ جو سرے سے اللہ کو نہیں مانتے وہ ان کی بھی روزی بند نہیں کرتا۔ دادا جان، اللہ پاک ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائے، ایک پنجابی شعر پڑھا کرتے تھے:

پالن والا سر تے حاضر کل جیسیاں نوں پالے
عیبی ویکھ نہ دھکے درتوں رنج ہو برأت نہ ٹالے

یہ برکات نبوت ہیں کہ نبی رحمت ﷺ نے ہر کلمہ گو کو اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا۔ مسجد میں کتنے لوگ ہوتے ہیں۔ کوئی پڑھا لکھا ہے کوئی ان پڑھ ہے۔ کوئی عابد و زاہد ہوگا کوئی ہم سا بدکار ہوگا لیکن جب صلوٰۃ شروع ہوتی ہے تو ہر کوئی اپنی بات اپنے پروردگار سے کر رہا ہوتا ہے۔ ہر بندے کو یہ عزت محمد رسول اللہ ﷺ نے دے دی۔ گلی محلے میں اس کی کوئی سنتا ہے یا نہیں، گھر میں یا برادری میں کوئی سنتا ہے یا نہیں لیکن اللہ اس کی بات سنتا ہے۔ فرمایا تم یہاں اپنے اللہ کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔

ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

اب بھی اگر کوئی آپ ﷺ کی برکات سے محروم رہے تو اس سے بڑی محرومی کیا ہوگی۔ یہ اس کا احسان ہے کہ ایک وقت تک مہلت دے رکھی ہے، پھر ان سے بات کرے گا۔ روبرو بلائے گا، ثبوت مانگے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ ان کے پاس جب کوئی عذر نہیں رہے گا تو سزا پائیں گے لیکن ہر سزا دینے سے پہلے موقع دیا جائے گا۔

تلاش حق

ہر انسان کا وجود کھربوں چھوٹے چھوٹے ذرات سے مل کر بنتا ہے اور سب سے چھوٹا ذرہ جسے پھر آگے توڑا نہ جا سکے، اسے ایٹم کہتے ہیں۔ انسانی وجود میں کھربوں ایٹمز سے ایک سیل بنتا ہے۔ اور کھربوں سیلز سے ایک وجود بنتا ہے۔ ہر ایٹم میں الگ الگ جہان موجود ہے۔ اس میں منفی مثبت الیکٹران ہیں۔ اس میں بھی منفی مثبت کا ایک سائیکل چل رہا ہے۔ اس کا بھی اپنا ایک پروگرام ہے، اس کی ایک ذمہ داری ہے۔ خالق کائنات نے، جس نے اسے پیدا فرمایا، اسے اس کا پروگرام بھی دے دیا ہے کہ اس نے کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا۔ اس طرح جب وہ سارے ایٹم مل کر سیل بنتا ہے تو یہ آج سائنس سے بھی ثابت ہے کہ ہر سیل کا ایک پروگرام ہے کہ اس سے یہ یہ کام ہو سکتا ہے۔ پھر وہ کھربوں سیل مل کر انسانی وجود بنتا ہے۔ ساری مخلوق میں صرف انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کے وجود میں جو روح ہے اس کا تعلق عالم خلق سے نہیں ہے۔ یہ سیلز ہیں یا نیوٹران ہیں یا الیکٹران ہیں یا پروٹان ہیں یا ایٹم ہے، کوئی بھی چیز چھوٹی ہے یا بڑی، یہ ساری مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور تخلیق کا جہان بہت وسیع ہے۔ اسے آج تک نہ کوئی ناپ سکا اور نہ آئندہ انسانی بس میں ہے کہ اس کا اندازہ کر سکے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اللہ کی بنائی ہوئی نعمتوں کو تم گن نہیں سکتے۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ اس کی مخلوق کے لشکروں کو شمار کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ کائنات میں کتنے سیارے، ستارے، سورج، چاند، موجود ہیں، یہ کوئی نہیں جانتا۔ کہاں کہاں کتنی مخلوق ہے، کوئی نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں جس مسجد کے ہال میں ہم بیٹھے ہیں اس فضا میں ہزاروں قسم کی اور مخلوق بھی موجود ہو اور وہ یہیں بس رہی ہو۔ آپ صرف اندازہ لگا لیجئے کہ جس ہوا میں ہم سانس لیتے ہیں یہ بھی مختلف گیسوں کا مجموعہ ہے۔ ہر وجود کا اپنا ایک نظام ہے۔ اس کے ایک سیل میں جو کھربوں ایٹم ہیں ان میں ہر ایٹم کا ایک الگ کام ہے۔ کوئی ایٹم بھی اپنی جگہ غلط حرکت نہیں کرتا، کوئی سیل اپنی جگہ غلط حرکت نہیں کرتا۔ ان کی حرکات کو کون کنٹرول کرتا ہے؟ وہ جو کائنات کا مالک ہے۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اللہ تو تمہارے وجود کے اندر موجود ہے، کیا تم نہیں دیکھ سکتے؟ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝ یعنی اس کی رگِ حیات سے بھی ہم اس کے قریب تر ہیں۔ یہ رگِ حیات اور اس میں بہنے والا خون بھی انہی سیل کا مجموعہ ہے۔ رگِ حیات تو ایک رگ ہے، خون ایک مادہ ہے جس میں کھربوں سیل ہیں۔ قدرت باری کا کنٹرول ہر ایک سیل پر بھی موجود ہے اور ہر سیل کا پروگرام اس

کے اوپر لکھا ہوا ہے کہ اس نے یہ کرنا ہے، یہ اس کام آئے گا اور اتنا وقت یہ کام کرے گا۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْؕ اللہ تو تمہارے اندر موجود ہے۔ تمہاری جانوں، تمہارے وجودوں کے اندر موجود ہے اور تمہاری جان سے تمہارے قریب تر ہے۔ تمہارے وجود میں ایک ایک ایٹم کو بھی وہی کنٹرول کر رہا ہے۔ اس کا دست قدرت ہے، اس کے دیئے ہوئے پروگرام ہیں سب اس کے حکم کے مطابق حرکت کر رہے ہیں لیکن روح انسانی اس سارے کارگہہ تخلیق سے اوپر ہے۔ صوفیاء کے نزدیک جہاں خلق کی حد ختم ہو جاتی ہے وہاں سے عالم امر کی ابتدا ہے۔

تلاش حق ہی تصوف ہے

تصوف کیا ہے؟ انسانی وجود میں جتنے باڈی سیلز ہیں ان میں اللہ کریم نے یہ استعداد رکھ دی ہے کہ جہاں اس میں اور طلب ہے وہاں ان میں ایک جستجو اپنے لئے رکھ دی۔ ہر سیل یہ چاہتا ہے کہ وہ طاقت جس کا مجھ پر کنٹرول ہے، وہ کون ہے، وہ کیسی ہے، میرا اس سے رابطہ رہے۔ یہ سوال کہ وہ کون ہے، اسے آپ انسانی تاریخ میں دیکھیں۔ جو لوگ جہالت کی نذر ہو گئے، جنگلوں میں نکل گئے، انسانی تہذیب سے آشنا نہ رہے، بے لباس رہتے ہیں، جو جی میں آتا ہے کھاتے ہیں، انسانوں کو بھی مار کر کھا جاتے ہیں، ان میں کوئی قاعدہ ضابطہ ہو نہ ہو لیکن مذہب کے نام پر کچھ رسومات ضرور ہوں گی۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ لباس سے بے نیاز ہیں، آداب واخلاق سے بے نیاز ہیں، قانون و ضابطے سے بے نیاز ہیں لیکن مذہب سے بے نیاز نہیں ہیں۔ اس لئے کہ خالق کائنات نے ہر سیل میں وہ سوال رکھ دیا ہے کہ کون ہے جو مجھے چلا رہا ہے؟ ہر سیل کا یہ سوال جمع کریں تو انسان کا جتنا بڑا وجود ہے، اتنا ہی بڑا اس کے سامنے یہ سوالیہ نشان Question Mark کھڑا ہے کہ وہ کون ہے جو مجھے کنٹرول کر رہا ہے۔

اب اگر وہ اپنی استعداد، اپنے دماغ، اپنی عقل، اپنے شعور پہ جاتا ہے تو کسی نے بہت بڑے درخت کو دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ بہت بڑی طاقت ہے جو مجھے کنٹرول کرتی ہوگی۔ کسی نے سورج، کسی نے ستاروں، کسی نے کسی ان دیکھی مخلوق کے تصور، جن یا فرشتوں کے متعلق یہ کہہ دیا، کسی نے مجسمے بنا لئے، بت تراش لئے کہ وہ ان دیکھی طاقت جو ان بتوں میں رہتی ہے، وہ مجھے کنٹرول کر رہی ہے۔ اس سوال کا جواب دینے کی یہ ساری انسانی دماغ کی ناکام کاوشیں ہیں لیکن اس کا حقیقی جواب انسان کو اس وقت ملتا ہے جب اس کا تعلق اللہ کے نبی سے ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مبعوث فرمائے۔

وجودِ انسانی پہ دل کی حکومت ہے

وجودِ انسانی میں جو سیلوں کا نظام ہے' اسے جوڑ کر رگیں بنیں' پٹھے بنے' پھر اعصابی نظام' دماغ بنا' پھر اس دماغ سے تمام وجود کا تعلق جوڑ کر اللہ نے اس سے اعصابی نظام مربوط کر دیا۔ دماغ میں خیال آتا ہے کہ مجھے قلم اٹھانا چاہیے۔ دماغ سے حکم ہاتھ کو آتا ہے' اس کے پٹھے حرکت کرتے ہیں اور انگلیاں قلم پکڑتی ہیں اور تعمیل ہو جاتی ہے۔ ایک نظام ہے' دماغ کے حکم پر سارے وجود کے رگ و ریشے کام کرتے ہیں لیکن دماغ پر اس نے دل کو حکمران کر دیا۔ اب دماغ جتنے احکام آگے دیتا ہے' دراصل وہ دل کے تابع ہوتے ہیں۔ دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے' وہ دماغ کو حکم دیتا ہے' دماغ اعصاب کو حکم دیتا ہے اور اعضاء و جوارح حرکت میں آجاتے ہیں۔ دل میں غصہ آتا ہے۔ وہ کہتا ہے اس آدمی کو گولی مار دو' دماغ یہ حکم ہاتھ پاؤں کو دیتا ہے اور ہاتھ گولی مار دیتے ہیں۔ دل ہمدردی کرنا چاہتا ہے۔ دل کی بات دماغ تک آتی ہے' دماغ اعضاء و جوارح کو حکم دیتا ہے اور آگے تعمیل ارشاد ہوتی ہے یعنی ہر وجود میں ایک نظام سلطنت موجود ہے۔ اس نظام میں حکمران دل ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی ذمہ داری دماغ پر ہے۔ باقی سارا وجود اس کے تابع ہے۔

ہر انسان کے پاس دیا ہے جسے روشنی چاہیے

ہر انسان کے پاس دیا بھی ہے' اس میں تیل بھی ہے' اس میں بتی بھی ہے لیکن اس بتی کو روشنی چاہیے۔ وہ روشنی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان ہے۔ جس وقت کہہ دے گا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ تو ہر باڈی سیل میں کھربوں روشنیاں پھیل جائیں گی اور اس سے پہلے جتنے گناہ کر چکا ہے' کفر کی تاریکی کے ساتھ سارے گناہ بھی کافور ہو جائیں گے۔ اگر ستر یا اسی سال کفر و شرک اور شیطان کی پیروی میں بسر ہوئے لیکن اللہ اس سے مرتے دم تک وہ چراغ چھینتا نہیں تو اسے آخری وقت بھی روشنی نصیب ہو سکتی ہے۔ جب موت آجاتی ہے تو وہ استعداد سلب ہو جاتی ہے۔ مرنے کے بعد یا موت کے آثار واضح ہونے کے بعد کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی' پھر اس سے وہ چراغ چھین لیا جاتا ہے۔ جب تک اس کی سانس چل رہی ہے' وہ چراغ اس کے پاس ہے۔ جب بھی وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ پڑھ لے گا وہ روشن ہو جائے گا اور اتنا روشن ہوگا کہ جتنی زندگی گزار چکا ہے' ساری زندگی کا کفر شرک اور سارے گناہ کافور ہو جائیں گے۔ وہ بالکل اول و آخر ایک مکمل نوری مجسمہ بن جائے گا جس پر اللہ کی رحمت ہوگی۔ اگر اتنا کمال کسی کافر کو کلمہ پڑھنے پہ ملتا ہے تو کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو مسلمان ماؤں کی گود میں پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے ہی جن کے کان میں پہلی آواز یہ پڑی اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔

برکات نبوت سے وجود روشن ہو جاتے ہیں

قرآن نے صحابہ کرام کی فضیلت اس طرح بیان فرمائی: ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ نورِ نبوت کی روشنیاں ان کے ہر باڈی سیل میں پہنچیں اور عرفاً کہہ دیا کہ کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر سیل خود ذاکر ہو گیا' ہر سیل اللہ اللہ کرنے لگ گیا۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک وجود کا ہر ذرہ اللہ اللہ پکارنے لگ گیا اور یہی برکات نبوت آج بھی اس کی ضرورت ہیں۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں کہ جن کے پاس بیٹھو تو وجود کا ذرہ ذرہ اللہ اللہ کرنے لگ جائے اور یہ برکات نبوت ہیں۔ نبوت قائم ہے' آپ ﷺ کی برکات بھی قائم ہیں اور جب تک یہ برکات تقسیم ہوتی رہیں گی' دنیا قائم رہے گی۔

تصوف اور منازل سلوک

یہی تصوف ہے کہ برکات نبوت کسی کے دل میں موجود ہوں اور وہ ان برکات کو ہمارے دل میں انڈیل دے۔ ہم دل کا برتن سیدھا رکھیں' وہ ہمارے دل میں انڈیلے اور ہمارا بھی ہر باڈی سیل اس سے آشنا ہو جائے' اس کی یاد کی لذت سے آشنا ہو جائے اور پکار اٹھے' اللہ اللہ اللہ!

ایک کتاب میں کسی ولی اللہ کا تذکرہ تھا کہ زبان ایک دفعہ اللہ کہتی تو دل پانچ سو بار اللہ کہتا تھا۔ میری رائے میں ولی کا تو ہر باڈی سیل ذاکر ہو جاتا ہے۔ زبان بھی کھربوں سیلوں کا مجموعہ ہے۔ زبان ایک دفعہ اللہ کہے تو اس کے اندر جو سیل ہیں وہ الگ الگ اللہ اللہ کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ وجود کے لامتناہی سلسلے کو دیکھیں' جب ہر سیل اللہ اللہ کرنے لگ گیا تو گنتی کی حدود کہاں رہیں! جو کیفیات اور برکات نبوت بندے کو حاصل ہوتی ہیں' صوفیاء نے ان کے درجات مقرر کئے ہیں۔ احدیت' معیت' اقربیت' فنا فی اللہ' بقا باللہ۔ فنا فی اللہ سے مراد ہے کہ اس کا سارا کردار' سوچ' دل اللہ کی عظمت کے سامنے فنا ہو جائے۔ بقا باللہ یہ کہ باقی رہے تو اللہ کے ساتھ رہے۔ وہ کام کرے' وہ بات کرے' وہ چیز سوچے' اللہ جس کا حکم دے۔

بعض لوگوں نے لکھ دیا کہ فلاں نے فنا بقا کر لی اور منازل سلوک تمام کر لئے۔ یہ تمام نہیں یہ تو ابتدا ہے۔ فنا بقا ابجد ہے۔ اب کوئی اس سے ترقی کرتا جائے تو اسے منازل عرش نصیب ہو جائیں حالانکہ اس سے بالا بے شمار درجات ہیں۔ ہر عرش اپنے سے نیچے والی کائنات کو محیط ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ عرش سے نیچے جتنی تخلیق ہے وہ عرش کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے ایک انگوٹھی صحرا میں ڈال دی جائے۔ یہ زمین' ستارے' سورج' آسمان' ساری بے انتہا مخلوق جو تہہ عرش ہے' حضور ﷺ کے اس فرمان کے مطابق عرش کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے ایک انگوٹھی انگشت سے اتار کر صحرا میں پھینک دی

جائے۔ عرش میں ہر دوسرے عرش کی وسعت پہلے کی نسبت ایسے ہے جیسے پہلے کی نسبت کائنات سے ہے۔

آں کہ آمد نو فلک معراج او
انبیاء و اولیاء محتاج او

وہ ہستی ﷺ جس نے نو عرش طے کر کے معراج حاصل کیا، تمام نبی اور تمام ولی اسی سے برکات حاصل کرتے ہیں اور اسی کے محتاج ہیں۔ جہاں نو عرش ختم ہوتے ہیں، وہاں تخلیق کی حد ختم ہو جاتی ہے اور وہاں سے عالم امر شروع ہوتا ہے۔ کوئی سالک سلوک طے کرتا ہوا اگر عالم امر میں پہنچ گیا تو سمجھو کہ بمشکل گھر واپس پہنچا۔ اب اس سے آگے جائے گا تو پتہ چلے گا کہ ترقی کر رہا ہے۔ عالم امر تک پہنچنے کا یہ عالم ہے کہ مسلمان پہلی صدی میں ہندوستان میں وارد ہوئے۔ اس طرح برصغیر میں بھی اسلام کی عمر چودہ سو سال ہے۔ چودہ سو سال میں شاید چودہ بندے بمشکل ایسے ہوں گے جو عالم امر میں پہنچے ہوں۔ حقیقت تو اللہ جانتا ہے لیکن غالب گمان یہی ہے کہ چودہ بندے نہیں ہوں گے۔ جہاں تک انہیں تلاش کی کوشش کی گئی ہے، چودہ سے کم گنتی رہی ہے۔ برصغیر کی زمین کو دیکھو تو آسمان پر ستاروں کی روشنی کم ہے اور زمین پر روشنیاں زیادہ ہیں، اتنے ولی اللہ دفن ہیں۔ راہِ سلوک اتنا لمبا ہے کہ اثنائے سفر میں ہی بندہ گذر جاتا ہے اور رشتہ استوار کرنا ممکن نہیں ہوتا جب تک کوئی کرانے والا نہ ہو۔ جب کرانے والا استاد خود پرائمری پاس ہے تو شاگرد پرائمری تک ہی پڑھ سکے گا۔ پھر جن بزرگوں کے جہاں تک منازل تھے انہوں نے وہاں تک تو لوگوں کو کرائے لیکن جن کی ان کو خبر نہیں تھی وہ کہاں سے کرائیں۔ لہٰذا برصغیر میں گنتی کے خوش نصیب ہیں جو چودہ صدیوں میں عالم امر تک پہنچے۔ ایسا کیوں ہے؟

حصول حق کا ذریعہ صرف انبیاء علیہم السلام ہیں

نبی کے دل میں تجلیات باری اور برکات الٰہیہ موجود ہوتی ہیں۔ انسان اور سارے نظام کی ہدایت کے لئے جو کچھ بھی ضروری ہے، وہ ساری دولت نبی کے دل میں موجود ہوتی ہے۔ وہ جتنے لوگوں یا جتنے زمانوں کے لئے مبعوث ہوتا ہے، ان سب کی ضرورت پوری کرنے کی قوت اس کے قلب اطہر میں موجود ہوتی ہے۔

ہر نبی یہ استعداد لے کر آیا کہ جو دل بھی نبی کی دعوت قبول کرے، وہ اس دل میں اس سوال کا جواب سمو دے۔ اب لفظوں میں تو ذات باری آنے سے رہی۔ عقل کی گرفت میں تو آنے سے رہی لیکن اللہ کا نبی دل میں ایسی کیفیت ڈال دیتا ہے کہ بندہ پکار اٹھتا ہے، ہاں! اللہ ہے اور میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ اسے نظر نہیں آتا لیکن وہ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی باتیں سنتا ہے، اللہ سے باتیں کرتا ہے۔ یہ جو آپ عبادت

کرتے ہیں سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ ۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ کس سے بات کر رہا ہے؟ کہاں ہے اللہ' کون ہے اللہ؟ دکھا سکتے ہو' بتا سکتے ہو' کوئی حد مقرر کر سکتے ہو؟ کچھ نہیں کر سکتے لیکن اللہ ہے' موجود بھی ہے اور سن بھی رہا ہے' میں اس سے باتیں کر رہا ہوں۔ اگر وہ میری بات کو نہ سنے تو پھر اس عبادت کرنے کی ضرورت کیا ہے! وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ. تو اللہ کو اتنا جانتا ہے کہ اس کی ایک ایک صفت بیان کر رہا ہے۔ اللہ! تو ایسا ہے' تو ایسا ہے' ساری تعریفیں صرف تیرے لئے ہیں' سارے کمالات صرف تیرے ہیں' ساری کارگہہ حیات صرف تیری ہے' ساری خوبیاں صرف تیری ہیں' کوئی تیرا ہمسر نہیں' کوئی تیرا ثانی نہیں' کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

یہ نبی کا کمال ہوتا ہے کہ بندہ اللہ کی صفات بیان کرنے لگتا ہے۔ آنکھ نہیں دیکھ سکتی کہ آنکھ میں وہ قوت نہیں۔ عقل نہیں سمجھ سکتی کہ عقل میں بھی وہ قوت نہیں ہے۔ عقل روح کو نہیں سمجھ سکتی تو اللہ کو کیسے سمجھے گی۔ نبی کا یہ کمال ہوتا ہے کہ جب انسان چاہتا ہے کہ میں اللہ کے نبی سے اپنے سوال کا جواب پاؤں تو وہ ایک ایسی کیفیت اس کے دل میں ڈال دیتا ہے جسے نورِ ایمان کہتے ہیں' جو بندے کو رب آشنا کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہر کلمہ گو جیسے ہی کلمہ پڑھتا ہے' اس کے دل کا تعلق قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ سے جڑ جاتا ہے۔ یہ کیفیت وہاں سے آتی ہے۔ کسی مولوی سے' کسی پیر سے' کسی سے نہیں بجز رسول اللہ ﷺ کسی سے نہیں۔ کلمے میں صرف یہی ماننا پڑتا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اور یہ کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔

انسان کو اطاعت و نافرمانی کا اختیار بخشا گیا ہے

اب ہر فرد میں یہ استعداد ہے کہ اس سوال کا جواب اللہ کے نبی سے حاصل کرے۔ جن لوگوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جواب حاصل کیا' اب اس پر یقین کرنے نہ کرنے کا بھی بندے کے پاس اختیار ہے۔ انسان اللہ کی ایک عجیب مخلوق ہے جسے پسند و ناپسند پر اختیار دیا گیا ہے۔ اس مخلوق کو اس نے ایک اختیار عطا فرما دیا اور یہی اس کا امتحان ہے۔ اس کی پسند سے ہوتا کچھ نہیں' ہوتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اس کے پاس صرف ایک اختیار ہے کہ اس نے اس کی عظمت کا اقرار کرنا ہے یا نہیں۔ فرشتہ اللہ کی نوری مخلوق ہے' اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا اس لئے کہ اس کے پاس نافرمانی کا اختیار ہی نہیں۔ اسے تو فرماں برداری ہی کرنا ہے۔ ساری کائنات میں انسانوں یا جنوں کے سوا ایسی کوئی مخلوق نہیں ہے جس کے پاس اختیار ہو کہ وہ چاہے تو اطاعت کرے' چاہے تو نافرمانی کرے۔ جنات ایک ایسی مخلوق ہے جو مکلّف ہے لیکن جنات میں وہ روح نہیں ہے جو انسانوں میں ہے۔ جنات کی روح الگ تخلیق ہے اور انسانی روح الگ تخلیق ہے جس کا تعلق عالم امر سے ہے۔ تخلیق کے بعد انسان پر چھوڑ دیا اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا o شکر کرنا چاہتا ہے یا

ناشکری۔ اپنے لئے جو راستہ بھی منتخب کرتا ہے اور جہاں تک اللہ کی مرضی ہوتی ہے' وہ اس کے لئے آسان کر دیتا ہے۔ جو اس کو پسند ہے' وہ کام کرتا رہتا ہے لیکن اس کا نتیجہ یوم حشر کو دیکھے گا۔

ہاتھوں میں قوت اس نے دی' بازوؤں میں قوت اس نے دی' آنکھوں کو بینائی اس نے دی۔ جب چاہے' جس چیز کو چاہے روک سکتا ہے لیکن انسان جو چاہے اسے کرنے دیتا ہے' وہ روکتا نہیں۔ ایک خاص وقت تک اسے چھٹی دے دیتا ہے۔ اگر وہ اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس میں اللہ اس کا معاون بن جاتا ہے' اس کی مدد فرماتا ہے' اسے شیطانی حملوں سے' برائی سے محفوظ فرماتا ہے اور اپنے تک پہنچنے کے لئے آسانیاں فرما دیتا ہے۔

وَيَهْدِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ○ جس کے دل کی گہرائی میں اللہ کی طلب پیدا ہو جائے' اسے اللہ اپنی طرف بلا لیتا ہے' اپنا راستہ دکھا دیتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ جو لوگ صرف مجھے راضی کرنے کے لئے' مجھے پانے کے لئے' میرے وصال کے لئے محنت کرتے ہیں' کوشش کرتے ہیں لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ ان کو میں اپنی طرف کئی راستے دکھا دیتا ہوں۔ ہر راستہ میری طرف آتا ہے۔ ہر فعل ایک راستہ ہے' ہر فعل ایک قدم ہے۔ ان کا ہر قدم میری طرف بڑھتا ہے۔

ساری تخلیق فنا ہو جاتی ہے لیکن انسانی روح عالم خلق سے بالا عالم امر سے ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ میرے حبیب ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ روح امرِ ربی سے ہے۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا○ اب امر صفت الٰہی ہے۔ جس طرح ذات باری قدیم و دائم و ابدی ہے' اسی طرح امر بھی ازلی و ابدی ہے۔ اللہ کی ذات جس طرح قدیم ہے ایسے ہی اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ کوئی صفت ایسی نہیں جو کبھی نہیں تھی اور اللہ نے حاصل کر لی۔ کوئی ایسی نہیں جو اللہ کریم کے پاس ہے اور کبھی نہیں رہے گی۔ جتنی صفات باری ہیں وہ ذات باری کی طرح ازلی و ابدی اور قدیمی ہیں۔ اسی طرح امر بھی صفت باری ہے۔ اب روح امر سے اس نے کیسے تخلیق فرمائی۔ کس طرح بنائی فرمایا: وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا○ اس کا جواب سمجھنے کی استعداد انسانی عقل کو نہیں دی۔ تمہارے لئے اتنا مان لینا کافی ہے کہ روح امر سے ہے' خلق سے نہیں۔ امر سے کیسے ہے' یہ تمہارا موضوع نہیں۔ مخلوق کی رسائی سے بالاتر بات ہے جسے خالق کائنات خود ہی جانتا ہے۔ روح کو جو بدن عطا کیا وہ مادے سے بنا ہے لیکن اس کا تعلق روح سے ایسا مضبوط ہے کہ ہر اس سیل کا جو کسی وجود کا حصہ ہے' روح کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ جب روح قائم رہے گی' یہ سارے اجزاء بھی اس کے ساتھ قائم رہیں گے۔ اب اگر وہ اللہ کی رضا پاتا ہے' واپس اپنے گھر پہنچتا ہے' جنت میں پہنچتا ہے جو بنی آدم کا گھر ہے تو ہمیشہ وہاں رہے گا۔ اگر گھر کا راستہ بھول

جاتا ہے، عظمت الٰہی کا انکار کرتا ہے اور جہنم میں جا گرتا ہے تو بھی اسے ہمیشہ رہنا ہو گا، ختم نہیں ہو گا۔ اب چونکہ عالم امر پہ فنا نہیں ہے، تو روح جو عالم امر سے ہے، اس کو بھی فنا نہیں ہے۔ لہٰذا روح ہمیشہ رہے گی اور جو ذرات، جو ایٹم سیل بن کر اس کے وجود کا حصہ بنے، ان میں بھی روح کی خصوصیت آ گئی، وہ بھی ہمیشہ رہیں گے۔

بندہ مر جاتا ہے، جل جاتا ہے، درندے کھا جاتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟ سیل الگ ہو جائیں گے، ٹوٹ جائیں گے، ایٹم بن جائیں گے تو کیا مشکل ہے! پہلے بھی تو ایٹم ہی تھے۔ اگر اس وجود میں ہیں تو بھی ایٹم ہی تھے۔ اس ایٹم سے اس نے سیل بنائے، انہی سیلوں سے اس نے وجود بنایا۔

یہ کارگہہ حیات میرے دست قدرت میں ہے۔ جس چیز کو جہاں روک دوں، رک جاتی ہے جس کو چلا دوں، چلتی رہتی ہے۔ تو یہ جو باڈی سیلز روح سے متعلق ہو گئے ہیں، یہ مر کر برزخ میں بکھر جائیں، قبر کھا جائے، مٹی کھا جائے لیکن جب روز حشر ہو گا، جب قبروں سے اٹھیں گے تو وجود سالم ہو گا۔ ہر سیل واپس آ جائے گا۔ روح اور وجود دونوں زندہ ہوں گے۔ حساب کے بعد اللہ جسے جنت بھیج دے گا وہ جنت میں ہمیشہ رہے گا۔ پھر اس کے بعد اسے موت نہیں آئے گی۔ کفر پر جس کی موت ہو گئی، اسے جہنم میں بھی ہمیشہ رہنا ہو گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ
فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ
وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ
الْعَظِيْمُ ۝

اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دیا اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی، نہ دوستی اور نہ سفارش، اور

کافر، وہی ظالم ہیں۔ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے، سب کو تھامنے والا ہے، نہ اسے اونگھ آتی ہے، اور نہ نیند، اسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے؟ وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سمائے ہوئے ہے، اس کو ان کی حفاظت نہیں تھکاتی، اور وہ بلند مرتبہ، عظمت والا ہے۔

خلاصۂ تفسیر ومعارف

قرآن حکیم میں تین طرح کے خطابات

قرآن حکیم کے خطابات تین طرح سے ہیں۔ کہیں ساری انسانیت کو خطاب فرمایا گیا ہے، یَاَیُّهَا النَّاسُ! کہیں کفار کو خطاب فرمایا گیا ہے، یَاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۔ کہیں مومنین کو خطاب فرمایا گیا، یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا. جو خطابات تمام انسانیت کو ہیں ان کا انداز ناصحانہ ہے۔ جہاں کفار کو مخاطب فرمایا جاتا ہے تو انداز قرآن میں بجلیاں کڑکتی ہیں، غضب الٰہی کا اظہار ہوتا ہے اور سختی سے انہیں ان کے کرتوتوں سے منع فرمایا جاتا ہے۔ جہاں یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمایا جاتا ہے، وہاں لطف وکرم کی بارش ہوتی ہے۔ اس میں وصول الٰہی اور قرب الٰہی کی بات کی جاتی ہے، رضائے الٰہی کی بات کی جاتی ہے اور وہ بڑا ہی خوش نصیب ہوتا ہے جسے محبوب اپنی طرف بلائے۔ اگر کسی کا کوئی محبوب ہو تو وہ زندگی بھر اس کی رضا کے حیلے تلاش کرتا رہتا ہے، اس سے بات کرنے کے اسباب ڈھونڈتا رہتا ہے لیکن اللہ ایسا کریم ہے کہ جو اس سے محبت کرتے ہیں، جو اس کی رضا کے طالب ہوتے ہیں وہ انہیں خود شرف خطاب سے نوازتا ہے۔ ان سے کلام فرماتا ہے اور انہیں خود وہ باتیں بتاتا ہے جو انہیں مزید قرب الٰہی عطا کرتی ہیں۔ فرمایا:

ایمان قلب کی ایک کیفیت ہے

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو! جنہیں نور ایمان نصیب ہوا ہے۔ ایمان کیا ہے؟ جب نبی مبعوث ہوتا ہے تو نبی کے وجود پاک کے اندر اس کے قلب اطہر کے اندر ایک خاص نور موجزن ہوتا ہے جو قرب الٰہی اور تعلق باللہ کا اثر ہوتا ہے۔ نبی کا سینہ، نبی کا وجود، نبی کے جسم کا رواں رواں اس سے منور ہوتا ہے اور وہی چیز نبی

میں وہ قوت پیدا کرتی ہے کہ نبی اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے' اللہ کے کلام کو سنتا ہے' اللہ کے کلام کو سمجھتا ہے اور اللہ کی مخلوق تک پہنچاتا ہے۔ اب ایمان کیا ہے؟ ایمان یہ ہے کہ اللہ کے رسول کے ساتھ ایسا رشتہ قائم ہو کہ وہ نور جو قلب اطہر پیامبر میں موجزن ہے' نور کا وہ سمندر جو وہاں ٹھاٹھیں مار رہا ہے' ایمان لانے والے کے قلب تک بھی پہنچے۔ اگر کوئی محض زبانی کلمہ پڑھ لیتا ہے مگر اس کا دل نہیں مانتا تو ظاہراً زندگی بھر اس پر احکام تو اسلامی نافذ ہوں گے لیکن جب موت ظاہر کا پردہ چاک کر دے گی' باطن سامنے آجائے گا اور وہاں نور ایمان نہیں ہوگا تو بات نہیں بنے گی۔

ایمان قلب کی ایک کیفیت کا نام ہے جس کا اعلان زبان کرتی ہے۔ وہ قلبی کیفیت قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے جڑنے سے حاصل ہوتی ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قلب کو غیر اللہ سے پاک کیا جائے۔ اس میں پہلے خواہ کفر ہے' شرک ہے' گناہ ہیں' غلاظت ہے یا جو کچھ بھی ہے' اس پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی تلوار چلائی جائے۔ لَآ اِلٰهَ سے مراد ہے کہ ایسی کوئی ہستی نہیں جس سے امیدیں وابستہ کی جائیں' کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کی ناراضگی سے ڈرا جائے سوائے اللہ کے' لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یہ عجیب بات ہے کہ زندگی کے تمام فلسفے ایجاب سے شروع ہوتے ہیں یعنی بندہ قبول کرتا ہے' لیکن اسلام واحد فلسفہ حیات ہے جو انکار سے شروع ہوتا ہے اور ایسا عجیب انکار کہ سب کا انکار کر دو' کوئی بھی نہیں ہے' لَآ اِلٰهَ کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی سے نفع کی امید پر یا نقصان کے ڈر سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اس امید پر کہ اس کی غلامی سے مجھے بہت کچھ ملے گا یا اس خطرے سے کہ میں اس کی بات نہیں مانوں گا تو میرا کچھ چھن جائے گا' یہی عبادت ہے۔

غیر اللہ کی عبادت

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لوگوں نے اپنے مولویوں' اپنے پیروں' اپنے احبار و رہبان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا۔ لوگ' خواہ عیسائی ہوں خواہ یہودی' وہ اپنے ان رہنماؤں کو سجدے نہیں کرتے لیکن ان کی بات مانتے ہیں۔ ان کا یہ تصور ہوتا ہے کہ اگر ان کی بات نہ مانی تو میری نعمتیں چھن جائیں گی اور اگر ان کی بات مانی تو مجھے بہت سی نعمتیں ملیں گی۔ یہ تصور اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ جب وہ اللہ کے حکم کے خلاف بھی بات کرتے ہیں تو لوگ اللہ کی بات نہیں مانتے بلکہ ان کی مانتے ہیں۔ یہ مصیبت صرف یہود و نصاریٰ یا ہندوؤں میں نہیں رہی' اب یہ مسلمانوں میں بھی عام ہے۔ علماء یا پیروں کی بات تو آپ رہنے دیجئے' جادوگروں اور ٹونے ٹوٹکوں والوں کی پوجا کی جاتی ہے اور ان پر مال نچھاور کیا جاتا ہے۔ ہمارے میگزین اور اخباروں کا

نصف تو عاملوں کے اشتہاروں سے بھرا ہوتا ہے۔ جادوگر اور عامل ہر ہفتے لاکھوں روپے اشتہاروں پر خرچ کرتے ہیں تو کماتے کتنا ہوں گے۔ انہیں کون دیتا ہے؟ وہ لوگ جو ان سے نفع کی امید رکھتے ہیں یا ان کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں کہ یہ ناراض ہو گئے تو نقصان ہو جائے گا اور یہی غیر اللہ کی پوجا ہے۔

انسان کی تمام مصیبتوں کا واحد علاج:

اس ساری مصیبت سے نکلا کیسے جائے؟ دنیا میں انسان کی ضرورتیں ہیں' اس کے دکھ' اس کی مصیبتیں' تکالیف اور پریشانیاں ہیں۔ وہ کیا کرے۔ اس کا ایک ہی علاج ہے' کہہ دے لَآ اِلٰہَ۔ کوئی ایسا نہیں جس سے امید رکھی جائے' جس کی ناراضگی سے ڈرا جائے۔ جب اس پہ پختہ ہو جائے' کسی سے امید نہ رہے' دل صاف ہو جائے تو پھر وہاں لکھ دے۔ اِلَّا اللّٰہُ۔ ہاں' ایک ہی ذات ہے اور وہ ہے اللہ! تو مشت غبار ہے' اللہ خالق کائنات ہے تو ایک ادنیٰ سی مخلوق ہے۔ تجھ جیسی اس کی اتنی مخلوق ہے کہ گنی نہیں جا سکتی۔

تیرا رابطہ اللہ سے کیسے ہوگا؟ کہاں تو اور کہاں عظمت الٰہی!

فرمایا تیرے پاس سب سے مضبوط رابطہ ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یہ تو زبان سے کہا' اب دل کو بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں رکھ دو۔ وہ انوارات وتجلیات جو سینہ اطہر ﷺ میں موجزن ہیں' ان کا کوئی ذرہ قلب مومن کو نصیب ہو جائے تو یہ نور ایمان ہے۔ اگر اللہ مشاہدہ نصیب کرے اور کشف کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر مومن کا دل نور کی ایک تار سے محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اب وہ جتنی اطاعت کرتا ہے' نور بڑھتا جاتا ہے۔ ایسے بھی ہیں جن کے سینوں میں دریا بہتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جن کے سینوں میں سمندر موجزن ہیں۔ اسی طرح جتنا اطاعت الٰہی اور اطاعت پیامبر ﷺ سے دور جاتا ہے وہ نور کم ہوتا جاتا ہے' حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے کہ وہ منقطع ہو جاتا ہے۔ بندہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے پتنگ کی ڈور کٹ جاتی ہے جو کہیں بھی الجھ جائے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے کہ ہر نافرمانی' ہر گناہ دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا کرتا ہے۔ آدمی توبہ کرے' رجوع الی اللہ کرے اور آئندہ ایسا نہ کرے تو وہ نقطہ مٹ جاتا ہے لیکن اگر توبہ نہیں کرتا' مسلسل گناہ کرتا ہے تو ایک نقطے کے ساتھ ایک اور بڑھ جاتا ہے' اس کے ساتھ اور بڑھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایسا وقت آجاتا ہے کہ سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ اللہ اس سے بچائے' وہ نور اس سے منقطع ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے اور کس گمراہ فرقے کا حصہ بنتا ہے۔

یہ جو خوش کن خطاب ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کے دل اس نور سے

روشن ہیں اور اس خطاب کی لذت بھی وہی محسوس کرتے ہیں۔ انہیں محسوس ہوتا ہے جیسے ان کا محبوب جھروکے سے پردہ ہٹا کر' رخ انور کو سامنے کرتے ہوئے انہیں بلا کر کہہ رہا ہے کہ مجھ تک پہنچنا ہے تو یہ راستہ ہے۔ اس دروازے سے داخل ہو جاؤ' اب کسی کو اس کا محبوب اس انداز سے پکارے تو اس پکار کی لذت وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں دردِ عشق ہو۔ یہ ایک جملہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا بندہ مومن کے لئے لاکھوں بشارتیں لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اے میرے چاہنے والو! اے میری رضا کے طالبو! اے میرے جمال کے شیدائیو! اے میرے وصال کے خواہشمندو! اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ میں نے تمہیں بے پناہ نعمتیں دی ہیں ان میں سے خرچ کرو۔

انفاق

انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اس کی بے شمار ضرورتیں اور بے شمار خواہشات ہیں۔ پھر اس کے بعد جب اللہ اسے وسائل دیتا ہے تو وہ ہر حال میں جائز و ناجائز' غلط صحیح طریقے سے اپنی خواہشات کی تکمیل میں لگ جاتا ہے۔ فرمایا: ایسا نہ کرو' اپنی ضروتیں پوری کرو' کھاؤ پیو' اچھا لباس پہنو' اچھی گاڑی رکھو' اچھا گھر بناؤ' بچوں کی اچھی تربیت کرو' والدین کی خدمت کرو' لوگوں کے کام آؤ لیکن یاد رکھو! یہ ساری نعمتیں تمہیں اللہ نے دی ہیں۔ جان اس نے دی ہے' عقل و شعور اس نے دیا ہے' علم اس نے دیا ہے' مال و دولت اس نے دی ہے' اقتدار و اختیار اس نے دیا ہے۔ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے' اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اس سے خرچ کرو لیکن ان حدود کے اندر رہ کر جو اللہ نے مقرر کر دی ہیں اور یہ انفاق ہے۔ انفاق کا مطلب صرف خیرات بانٹنا نہیں ہے۔ انفاق کا مطلب ہے کہ اپنی زندگی کو' اپنی قوتوں کو' اپنے علوم کو' اپنی زبان کو' اپنے قلم کو' اپنے اختیار کو' اپنی طاقت کو ان حدود کے اندر خرچ کیا جائے جو اللہ نے مقرر کر دی ہیں اور یہ سارا انفاق ہے۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ نے فرمایا' بندہ مومن جب اپنے خاندان کو' گھر والوں کو کھلاتا پلاتا ہے اور ان پر خرچ کرتا ہے تو وہ صدقہ شمار ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ! بیوی بچوں کا نان ونفقہ تو اس پر فرض ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو فرض ہو اس کی ادائیگی ہی تو عبادت ہے۔ اگر مال کا خرچ کرنا فرض ہے اور وہ خرچ کرتا ہے تو یہی عبادت ہے' یہی صدقہ ہے۔ اگر شرعی حدود کے اندر رہ کر اپنی ضرورتیں بھی پوری کرتا ہے تو اس کا ثواب ہوتا ہے۔ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ ہم نے تم کو جو نعمتیں دی ہیں ان میں سے خرچ کرو لیکن انفاق وہ خرچ ہوتا ہے جو حدود الٰہی اور احکام شریعت کے اندر ہو۔

روز محشر کام آنے والا تعلق

اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ اس دن کی آمد سے پہلے

خرچ کرو' ایک ایسا دن آ رہا ہے جس دن نہ تو کوئی دولت سے جان چھڑا سکے گا' نہ سودا بازی ہو گی' نہ کسی کی دوستی اور نہ کسی کی سفارش کام آئے گی۔ مفہوم یہ ہے کہ یہ سارے غلط طریقے استعمال نہیں ہو سکیں گے' یعنی کوئی پیسے دے اور اس کا جرم معاف ہو جائے' ایسا نہیں ہوگا جیسے دنیا میں ہوتا ہے۔ لوگ جرم کرتے ہیں اور پھر سودا کر لیتے ہیں' عدالتوں سے سودے کر لیتے ہیں کہ اتنے پیسے لے لو اور فیصلہ میرے حق میں کر دو۔ فرمایا وہاں یہ نہیں ہوگا۔ فلاں جج میرا دوست ہے' فلاں افسر میرا واقف کار ہے' فلاں جرنیل میرا دوست ہے' اس کی دوستی' اس کی سفارش کام آ جائے گی۔ فرمایا: میدان حشر میں دوستی سے بھی غلط کام نہیں ہو سکے گا' کسی کی سفارش سے بھی نہیں ہوگا۔ کسی کی دوستی کام نہیں آئے گی۔ ہاں' بندۂ مومن کو مومنین کی دوستی کام دے گی۔

نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی کام آ جائے گا۔ حضور ﷺ کی حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ اللہ نے کچھ فرشتے ایسے مقرر فرمائے ہیں جو صرف اس تلاش میں رہتے ہیں کہ کہیں اللہ کا ذکر ہو رہا ہو تو وہاں حاضری دیں۔ زمین پر کہیں کسی مجلس میں ذکر اللہ ہو رہا ہو تو ایک جو پا لیتا ہے وہ دوسروں کو بلاتا ہے۔ پھر وہ خبر پھیلتی جاتی ہے اور فرشتے جمع ہوتے جاتے ہیں۔ جب مجلس ذکر ختم ہوتی ہے تو وہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں۔ پوچھا جاتا ہے' تم نے کیا دیکھا؟ یا اللہ تیرے بندے تیرا ذکر کر رہے تھے۔ فرمایا جاتا ہے کہ گواہ رہنا' وہاں جتنے لوگ تھے میں نے ان سب کو بخش دیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ! سارے ذاکر تو نہیں تھے' ایک شخص ایسا بھی تھا جسے ان میں سے کسی سے کام تھا۔ فرمایا میں نے اسے بھی بخش دیا۔ **هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ.** اللہ کا ذکر کرنے والے یہ ایک ایسی قوم ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد بخت نہیں رہتا۔

اس روز سفارش بھی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ سفارش فرمائیں گے' اولیاء اللہ فرمائیں گے' خود قرآن فرمائے گا' روزہ' نماز سفارش کرے گی' نیکیاں سفارش کریں گی لیکن ان لوگوں کے لئے جن کے دل میں نور ایمان بھی ہوگا۔ ان سے کوئی خطا ہو گئی تو یہ سفارش رحمت الٰہی کے لئے ہوگی کہ اللہ اس پر کرم فرما لیکن ناجائز سفارش نہیں ہو سکے گی کہ کسی کی سفارش کے زور پہ کوئی گناہ کرتا چلا جائے' کسی کی سفارش کے بھروسے پہ کوئی جرم کرتا چلا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مومنین کی جو معصوم اور نابالغ اولاد فوت ہو جاتی ہے' میدان حشر میں اللہ ان سے کہے گا کہ تم تو بے قصور ہو' جنت میں جاؤ لیکن وہ فریاد کریں گے کہ اللہ! ہم ماں باپ کو چھوڑ کر کیسے جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کی سفارش ماں باپ کے کام آ جائے گی۔ اللہ کریم ان کے گناہ معاف کر دے گا اور بچوں کی خوشی کے لئے فرمائے گا انہیں ساتھ لے جاؤ۔

سو جو نعمتیں میں نے دی ہیں انہیں میرے حکم کے مطابق خرچ کرو اور اس دن سے پہلے کہ جب یہ

سلسلہ ختم ہو جائے اور قیامت قائم ہو جائے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُه ۔ ایک قیامت تو وہ ہے کہ جب ساری دنیا ایک میدان میں جمع ہو گی لیکن جو مر جاتا ہے ایک طرح سے اس کے لئے قیامت قائم ہو گئی' اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ برزخ میں اس کی رہائش اس کی حیثیت کے مطابق ہو گی۔ اگر مجرم ہے تو مجرموں جیسی جگہ ہو گی اور اگر اللہ کا بندہ ہے تو اللہ کے نیک بندوں جیسی جگہ ہو گی۔

یہ بات تو اپنے بندوں سے تھی' اب آگے کفار کی بات آ گئی۔ کافروں کو فرمایا: وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ○ دیکھو الفاظ میں کتنا فرق آ گیا۔ اور رہے کافر' وہ لوگ جنہوں نے نور ایمان قبول ہی نہیں کیا' وہ تو بہت بڑا ظلم کرنے والے لوگ ہیں' انہوں نے تو اپنے آپ پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے' انہوں نے تو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﷺ کے جلوہ گر ہونے کے باوجود رحمت الٰہی کو جھٹک دیا۔ اس سے بڑا ظلم کیا ہو گا! وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ○ کافر تو ہیں ہی ظالم۔ ان کا تو کوئی وسیلہ' کوئی سبب' کوئی سفارش' کچھ بھی نہیں۔ یہ لوگ تو کسی رعایت کے بھی مستحق نہیں ہیں۔

آیت الکرسی

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ کافروں کی تردید فرمانے کے بعد پوری قوت سے ارشاد فرمایا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اس کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ جو اَلْحَيُّ ہے' اَلْقَيُّوْمُ ۚ ہے۔ ساری کائنات کو زندگی اللہ نے دی ہے۔ اللہ ہمیشہ سے ہے' ہمیشہ کے لئے ہے۔ اسے کسی نے کچھ نہیں دیا ہے۔ اس کی ذات ایسی ہے کہ حیات اس کی صفت ہے۔ قیوم ہر چیز پہ قادر ہے' قائم ہے' ہر چیز کو سنبھالنے والا ہے۔ ایک ایک ذرے کا وجود بنانا' پھول' پھل' درخت' یہ سارا نظام کائنات اس کے دست قدرت میں ہے اور وہ القیوم ہے۔ باقی سارے اسباب ہیں۔ ہمارے ہاتھ سے کوئی کام ہوتا ہے تو توفیق اس کی ہوتی ہے۔ منشا اس کی ہوتی ہے۔ قدرت اس کی ہوتی ہے۔

لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اگر وہ اجازت نہ دے تو کوئی ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ بندے کا حوصلہ بہت تھوڑا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے گھبرا کر اللہ کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور غیر اللہ کی طرف لپکتا ہے۔ فرمایا: نہیں' اللہ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ویسے ہی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارو گے۔ اگر کسی دوسرے سے امید رکھو گے تو جان لو! اس کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ اس کی ذات ہمیشہ زندہ ہے' ہمیشہ ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ وہ تھکتا نہیں ہے' اسے اونگھ نہیں آتی' اسے نیند نہیں آتی کہ وہ انسانوں کی طرح کمزور ہو۔ ہماری تو آدھی زندگی نیند میں بیت گئی۔ زندہ رہتے ہوئے بھی ہم مردوں کی طرح وقت گزار

رہے ہوتے ہیں۔ فرمایا: وہ ایسا نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ ہمیشہ زندہ ہے، قیوم ہے، قائم ہے۔ اس کے ہاں غفلت کا کوئی گزر نہیں ہے۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ جو کچھ ارض و سما میں ہے، کوئی ذرہ کسی دوسرے کی ملکیت نہیں ہے، سب اس کا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت سے بات ہوتی ہے، سوائے اسکے جہاں وہ اپنے بندے کو بات کرنے کی اجازت دے۔ کون ہے جو دم مار سکے!

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ ساری مخلوق کا اگلا پچھلا سارا حساب جانتا ہے جو آگے آنے والا ہے، پیچھے کیا ہے، وہ جانتا ہے۔ اس کا علم حضوری ہے۔ ہمارے لئے حال، ماضی اور مستقبل تین زمانے ہیں۔ ایک گزر چکا کوئی بات یاد رہ گئی کوئی بھول گئی۔ ایک حال ہے جو بیت رہا ہے۔ ایک آنے والا ہے جس کی ہمیں محض امیدیں ہیں۔ فرمایا: اس کے لئے زمانے نہیں ہیں۔ اس کا علم حضوری ہے۔ اس کی بارگاہ میں ہر چیز حاضر ہے۔ نہ وہاں ماضی ہے نہ مستقبل، ہر چیز اس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ وہ مستقبل بھی جانتا ہے، ماضی بھی جانتا ہے۔ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ اور مخلوق اس کے علوم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ مخلوق میں سے اس کے بندے اور اس کی مخلوق بھی صرف وہی جانتی ہے جو وہ بتا دیتا ہے۔

اس کے بتانے کے اپنے انداز ہیں۔ اس نے ساری مخلوق کو کیا کیا کمالات دیئے۔ ہر کوئی پیدا ہوتے ہی اپنی غذا تلاش کر لیتا ہے۔ شہد کی مکھی کو کیا کاریگری دی کہ جو چھتہ وہ بناتی ہے، وہ مشینوں سے تیار نہیں ہو سکتا۔ جس طرح پھول سے رس لے کر وہ شہد بناتی ہے یہ عجیب کاریگری ہے۔ وہ کیا کرتی ہے، کس طریقے اور کس سلیقے سے کرتی ہے؟ اس نے جو چاہا، جسے چاہا، اسے بتا دیا۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اس کے علوم میں سے کوئی ذرہ بھی نہیں پا سکتا، اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ جو وہ چاہتا ہے، بتا دیتا ہے، جو علوم وہ چاہتا ہے تقسیم فرما دیتا ہے۔ ساری مخلوق کو مختلف علوم سے نوازا۔ اہل اللہ کو علوم عطا کرتا ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علوم عطا کرتا ہے اور ساری مخلوق میں سب سے زیادہ علوم جس ہستی کو عطا فرمائے وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ کوئی ناپنا چاہے تو یہ اسکی گستاخی ہے۔ یہ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ستودہ صفات پہ بحث چل پڑتی ہے کہ حضور ﷺ یہ جانتے تھے، یہ نہیں جانتے تھے، یہ سراسر گستاخی ہے۔ جو اللہ نے بتایا وہ جانتے تھے اور جتنا ساری کائنات میں علم تقسیم فرمایا، اس تمام سے زیادہ علم حضور ﷺ کو عطا کیا گیا۔ کتنا عطا فرمایا گیا! نہ آپ حد رکھ سکتے ہیں نہ میں رکھ سکتا ہوں، اس لئے کہ ہمیں اس کا کوئی ذرہ بھی نصیب نہیں۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے! آپ ﷺ کے جوتے مبارک پر جو خاک کے ذرات پڑ گئے، ہم جیسے

کروڑوں اس پہ نچھاور کئے جا سکتے ہیں۔ ہم کون ہوتے ہیں کہ یہ بحث لے کر بیٹھ جائیں۔ ہماری وہاں کیا مجال ہے۔ آپ سورج کی روشنی کو ماپ سکتے ہیں؟ سورج کی محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا حیثیت ہے! آپ چاند کی چاندنی کا کوئی پیمانہ بنا سکتے ہیں! تو پھر علوم نبوت ﷺ ناپنے کا پیمانہ کس نے بنا لیا! کون کہتا ہے کہ یہ جانتے ہیں اور یہ نہیں جانتے۔ یہ تو ایک گستاخی ہے' یہ بے ادبی ہے اور بارگاہ رسالت ﷺ میں بے ادبی تمام اعمال سلب کر دیتی ہے۔

کرسی سے مراد معنی بعید ہیں

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ اس کی کرسی تمام آسمانوں اور تمام زمینوں سے وسیع تر ہے۔ بہت سے صفاتی نام اور بہت سی چیزیں ایسی آتی ہیں جن سے انسان اپنی سوچ اور علم کے مطابق آشنا ہے لیکن جب وہ اللہ کریم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو مفہوم بدل جاتا ہے۔ اب ہم کرسی سے اپنے شعور کے مطابق آشنا ہیں۔ کرسی سے مراد اقتدار ہے' کرسی کا متبادل تخت ہے لیکن یہ تصور کہ عرش عظیم پر کوئی بہت بڑی کرسی رکھی ہے اور اللہ کریم وہاں جلوہ افروز ہیں' معاذ اللہ درست نہیں ہے۔ اللہ کو مجسم تصور نہیں کر سکتے۔ انسانی عقل تو مخلوق ہے اور مخلوق کی ایک Limit ہے۔۔ ایک دائرہ ہے جسے مخلوق کہتے ہیں۔ اس دائرہ کے جو کچھ اندر آئے گا اس میں جستجو کرنا تو انسانی عقل کے بس میں ہے۔ اسے پتہ چلے یا نہ چلے لیکن وہ تلاش تو کر سکتا ہے لیکن جو اس دائرہ سے باہر ہے اسے کیسے تلاش کریں گے؟ اللہ حدود سے بالاتر ہے اس لئے اسے نہ ہم سوچ سکتے ہیں نہ اس کی مثال دے سکتے ہیں صرف مان سکتے ہیں کہ وہ بے مثل ہے' بے مثال ہے' لاشریک ہے' واحد ہے اور کوئی اس جیسا نہیں۔

عرش عالم خلق کی آخری حد ہے۔ آخری عرش کے اوپر عالم امر آ جاتا ہے اور عالم امر مخلوق نہیں ہے۔ امر اللہ کی صفت ہے۔ وہاں سے صفات الٰہی شروع ہو جاتی ہیں۔ اللہ کریم ہر آن ہر لمحہ ہر جگہ موجود ہیں۔ جب یہ صفات اللہ کی طرف منسوب ہوتی ہیں تو اس سے ظاہری مفہوم نہیں لیا جاتا۔ جیسے بیعت رضوان کے بارے میں آتا ہے۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ انسانی ہاتھوں کو بھی ''یَد'' کہا گیا اور دست قدرت کو بھی ''ید'' کہا گیا۔ تو جہاں ایسی صورت آتی ہے' وہاں معنی بعید مراد ہوتا ہے۔ یَد کا معنی قریب ہاتھ ہے لیکن معنی بعید یہ ہے کہ ہاتھ پکڑنے یا مدد کرنے کے کام آتا ہے' جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں میرا دست و بازو ہے۔ وہ بازو تو نہیں بن جاتا لیکن وہ اس کی سپورٹ بن جاتا ہے' مددگار بن جاتا ہے۔ تو جہاں يَدُ اللّٰهِ کا لفظ آئے گا وہاں یہ ہوگا کہ اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہے۔ یہ نہیں کہ جیسا ہمارا ہاتھ ہے ایسا اللہ کا بھی ہاتھ ہوگا۔ اللہ کو مجسم تصور نہیں کریں گے۔ معنی بعید مراد ہوگا یعنی معاون' مددگار يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ تو

اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ پوری طرح سے، اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ان کا معاون و مددگار رہے۔

اسی طرح کرسی سے مراد مجسم کرسی نہیں بلکہ اقتدار ہے۔ اللہ کریم ہماری سوچ اور فکر سے بالاتر ہستی ہے۔ ہر جگہ ہر آن موجود ہے لیکن زمین پر بیت اللہ شریف عبادات کے لئے قبلہ ہے۔ اللہ کریم تو ہر جگہ موجود ہے لیکن اس نے ساری مخلوق کو اپنی حاجات پیش کرنے کے لئے ایک مرکز عطا کر دیا جو اس کی تجلیات ذات کا مہبط ہے۔ اسی طرح ساری کائنات کا مرکز عرش عظیم ہے جسے آپ آج کی زبان میں سیکریٹریٹ کہہ سکتے ہیں۔ اب اللہ کریم اس سیکریٹیریٹ میں قید نہیں ہے لیکن قبلہ حاجات عرش عظیم ہے۔

قبلہ مہبط تجلیات الٰہی ہے اور ہمیشہ کے لئے اللہ نے مقرر کر دیا۔ تحت الثریٰ تک بیت اللہ ہے، عرش علیٰ تک بیت اللہ ہے، ایک مرکزی نقطہ ہے جہاں تجلیات باری متوجہ رہتی ہیں۔ اس طرح عرش عظیم پر بھی ایک نقطہ ہے، ایک مقام ہے، ایک جگہ ہے۔ عرش عظیم پر بھی ساری کائنات کا قبلہ حاجات ہے جسے آپ عرش کا قبلہ کہہ لیجئے۔ اس کو یہاں قرآن حکیم نے کرسی کہا ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ اس کی سلطنت اس کا دارالخلافہ، اس کا سیکرٹیریٹ، مقام قبولیت ہے۔ ساری مخلوق بھی ایک وقت میں سب کچھ مانگنے لگ جائے تو یہ طلب پھر بھی کم ہے اور اللہ کی شان قبولیت اس سے بہت وسیع ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کی کتنی مخلوق ہے! زمین پر، زمین کے نیچے، پانیوں میں، سمندروں میں، ہواؤں میں یہ ساری تو کرۂ ارض پر ہے لیکن آسمان کے اندر کتنی کائناتیں ہیں، کتنے کرے، کتنے ستارے، کتنے سیارے ہیں! اس کا انتہائی حقیر سا ایک حصہ زمین ہے، بہت چھوٹا حصہ لیکن اس سے اربوں گنا بڑے سیارے فضا میں موجود ہیں جنہیں آج تک کوئی گن نہیں سکا۔ ایک کہکشاں آج تک شمار نہیں کی گئی جب کہ کہکشاؤں کی تعداد بھی شمار سے باہر ہے۔ اللہ نے فرما دیا، میرا ایک ایسا مرکز ہے کہ جہاں آپ سارے مانگ سکتے ہیں۔ یہ ساری مخلوق ایک ہی وقت میں مانگنے لگ جائے تو میرا ہیڈ آفس مصروف نہیں ہوگا بلکہ اس کی وسعت اس سے کہیں زیادہ ہے جو تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہاں ایسا ہی ہوگا جیسے کسی بڑے دفتر میں ایک عرضی پہنچی ہو۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا

ہم جب دعا مانگتے ہیں تو رخ قبلہ شریف کی طرف ہوتا ہے لیکن ہاتھوں کا رخ عرش عظیم کی طرف کرتے ہیں۔ ایک دفعہ یہ بحث چل رہی تھی کہ جب آپ دعا مانگ رہے ہوتے ہیں، اپنے دل میں سرگوشیاں کر رہے ہوتے ہیں یا اونچا بول رہے ہوتے ہیں، اللہ تو سن رہا ہے، پھر یہ ہاتھ اٹھانے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ علماء حق اس بات پہ متفق ہیں کہ اس کا عرش، اس کی کرسی تمام

مخلوق کے لئے قبلہ حاجات ہے اور ہاتھ اس لئے اٹھائے جاتے ہیں کہ ہاتھوں کا رخ اس مرکز کی طرف ہو، اس قبلہ حاجات کی طرف ہو جو خود اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔

آج کی سائنسی تحقیق یہ کہتی ہے کہ دماغ میں کچھ ایسے سیل ہیں جن میں ایک سوالیہ نشان چھپا ہوا ہے کہ مجھے کس نے بنایا، کیوں بنایا۔ دنیا میں انسان جہاں بھی ہو، تہذیب سے ناآشنا ہو، لباس پہننے، کھانا بنانے، گھر بنانے کا شعور نہ ہو، جنگلوں میں، جھاڑیوں میں برہنہ رہتا ہو لیکن اس نے مذہب کے نام پر کچھ نہ کچھ اپنا رکھا ہے۔ کسی نہ کسی طاقت کو اس نے اپنا محافظ سمجھ رکھا ہے۔ کہیں کسی روح Spirit کو پکارتا ہے، کہیں جنوں، ستاروں کو، انسانوں کو لیکن بڑا خوش نصیب وہ ہوگا جو اس سوال کا صحیح جواب پالیتا ہے کہ یہ اللہ ہے جس نے مجھے بنایا۔ یہ اللہ ہے جو میری حفاظت کرنے والا ہے۔

تو روئے زمین پر کتنے ارب انسان ہوں گے جو سب پکاریں گے۔ کتنی زمینی مخلوق ہے جو اسے پکارے گی۔ پھر صرف زمینی مخلوق ہی نہیں، کائنات بہت وسیع ہے، ساری کائنات، آسمان، فرشتے، سارے پکاریں گے تو کس کس کی سنی جائے گی۔ فرمایا: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ اس کی سننے کی قدرت کاملہ ان سب سے وسیع تر ہے۔ سب ایک وقت میں پکاریں تو وہ سب کی سن بھی سکتا ہے اور پوری بھی کر سکتا ہے۔ جہاں تک تخلیق کی حد ہے، ساری مخلوق آن واحد میں مانگنا شروع کر دے تو فرمایا اللہ کی ذات پہ کوئی گراں نہیں ہے، کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ سب کی ایک وقت میں سن بھی لے گا اور سب کی پوری بھی کر سکتا ہے لیکن جسے جو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ کا یہ مفہوم ہے۔

وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ ساری کائنات کی حفاظت اسے تھکا نہیں سکتی۔ وہ ان باتوں سے پاک ہے، بالاتر ہے۔ ہر آن سنتا ہے، ہر آن جانتا ہے، ہر ایک کی سنتا ہے اور تھکنے کا وصف تو مخلوق کا ہے، خالق کا نہیں ہے۔ مخلوق تھک جاتی ہے، وہ نہیں تھکتا۔ جو جتنا زیادہ مانگتا ہے، جو بار بار مانگتا ہے، ہر وقت مانگتا رہتا ہے، اس سے وہ زیادہ خوش ہوتا ہے اور اس پر زیادہ احسان فرماتا ہے۔ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ اسے سب کی طلب تھکا نہیں سکتی، سب کی حفاظت تھکا نہیں سکتی۔ سب کو سنبھالنا، ارض وسما اور کائنات کو سنبھالنا اسے تھکا نہیں سکتا۔ آج سائنس یہ مان رہی ہے کہ اللہ کریم نے کشش ثقل کا ایک ایسا توازن رکھا ہے کہ ہر سیارہ، ہر ستارہ، کائنات کا ہر ذرہ، اپنی اپنی جگہ پر ایک جال میں بندھا ہوا ہے جو نظر نہیں آتا۔ ایک ایسی طاقت ہے جو نظر نہیں آتی لیکن اس نے ہر چیز کو باندھ رکھا ہے۔ ایک خاص کشش ہے جو ہر سیارے کے اردگرد اور اس پر بسنے والی چیزوں کو اس کے ساتھ وابستہ رکھتی ہے، کہیں بھاگنے نہیں دیتی جسے کشش ثقل کہتے ہیں۔ یہ صرف ہر سیارے میں ہی نہیں ہے بلکہ

سیاروں کے درمیان بھی اس کا جال بنا ہوا ہے اور وہ اتنا کامل ہے کہ اس میں ذرہ بھر غلطی کا امکان نہیں ہے۔ جتنے عرصے سے سورج چل رہا ہے' اگر وہ ایک سینٹی میٹر کا ہزارواں حصہ بھی قریب ہوتا جاتا تو اس کے دائرے سے نکل پڑتا تو آج تک زمین بھی سورج بن چکی ہوتی۔ اگر وہ اتنا دور ہونا شروع ہو جاتا تو زمین یخ بستہ ہو چکی ہوتی اور اس پر زندگی کا امکان نہ ہوتا۔ ہر ستارہ' ہر سیارہ' اپنے اپنے دائرے میں پابند اپنا اپنا کام کر رہا ہے۔ آج سائنس بھی یہ مانتی ہے کہ صرف کشش ثقل میں خرابی آ جائے تو یہ سیارے اتنی بری طرح ٹکرائیں گے کہ کچھ بھی باقی نہیں بچے گا' سارے تباہ ہو جائیں گے۔

قرآن حکیم نے' آقائے نامدار ﷺ نے جو خبر صدیوں پہلے دی' آج بڑے عرصے بعد گرتے پڑتے سائنس وہاں پہنچتی ہے لیکن ایمان ایسی قوت ہے جو پل بھر میں اس یقین تک پہنچا دیتا ہے۔ سائنس پھر اپنے قاعدوں میں الجھی رہتی ہے اور مخلوق کی صفات کو کسی حد تک سمجھنے کے بعد خالق کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتی ہے۔ خالق کو سمجھنا صرف نور نبوت سے ممکن ہے اور جو نبی پر ایمان نہیں لائے گا وہ خالق کو نہیں سمجھ سکتا۔ نہ مان سکتا ہے نہ جان سکتا ہے۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ۝ اور وہ تمہاری سوچ' تمہاری فکر' تمہاری عقل سے بہت بلند و بالا ہے۔ کائنات کی طلب کے متعلق تم سوچ سکتے ہو۔ یہ تم سوچ سکتے ہو کہ ان سب کو سنبھالنے کی ضرورت ہے لیکن وہ قدرت کاملہ تمہاری سوچوں سے بھی بلند تر ہے اور وہ بہت بڑا ہے۔ اس کی طاقت لامحدود بے شمار ہے۔

آیت الکرسی شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سے لے کر وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ۝ تک ان آیات مبارکہ کو آیت الکرسی کہا گیا ہے اور علماء حق فرماتے ہیں کہ شیطان سے حفاظت کے لئے یہ اکسیر ہے۔ کثرت سے آیۃ الکرسی پڑھنے والا شیطان کے فریب سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں اس کی بے شمار برکات ہیں جو تفاسیر میں مفسرین کرام نے نقل فرمائی ہیں۔ مدینہ منورہ میں غلے کے ذخیرہ پر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذمہ داری لگائی کہ رات کو وہاں چوکیداری کرو۔ رات کو انہیں کچھ کھٹکا لگا تو دیکھا کہ کوئی غلہ چرا رہا ہے۔ انہوں نے جا کر پکڑ لیا۔ چور کہنے لگا کہ آج مجھے معاف کر دو' حضور ﷺ معاف کرنے والے ہیں' اللہ معاف کرنے والا ہے' تم معاف کر دو گے تو پھر نہیں آؤں گا۔ انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح جب بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچے تو حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اور پوچھا' ابو ہریرہ رات کیا ہوا؟ انہوں نے رات کا واقعہ عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے تو چھوڑ دیا لیکن وہ جھوٹا ہے' پھر آئے گا۔ دوسری رات پھر پکڑا گیا

لیکن بڑی منتیں اور قسمیں کھانے پر انہوں نے اسے دوبارہ چھوڑ دیا۔ صبح بارگاہِ عالی ﷺ میں پہنچے تو آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ ابو ہریرہ رات کیا ہوا؟ یا رسول اللہ ﷺ! وہ آ گیا تھا' آپ ﷺ کا فرمان برحق تھا۔ میں نے پکڑ بھی لیا لیکن اس نے بڑے واسطے دیئے تو میں نے چھوڑ دیا۔ حضور ﷺ خاموش ہو گئے۔ تیسری رات پہرہ دے رہے تھے کہ وہ پھر پکڑا گیا۔ انہوں نے کہا میں نے دو دفعہ تمہیں معاف کر دیا' اب میں تجھے حضور ﷺ کے سامنے لے جاؤں گا۔ وہ کہنے لگا اگر میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ شیطان تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے تو پھر مجھے چھوڑ دو گے۔ انہوں نے کہا' ہاں بتا دو۔ کہنے لگا' جب رات کو عشاء سے فارغ ہو کر سوتے ہو تو آیۃ الکرسی پڑھ کر دروازہ بند کر دیا کرو۔ شیطان داخل نہیں ہو گا۔ کہنے لگے' وعدہ کر لیا تھا' چھوڑ دیتا ہوں لیکن پھر نہ آنا۔ صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے پوچھا رات کیا ہوا۔ یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ! پھر آ گیا تھا اور پکڑا گیا۔ پھر چھوڑا کیوں؟ یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ! اس نے مجھ سے شیطان سے بچاؤ کا نسخہ بتانے پر چھوڑنے کا وعدہ لیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا' وہ ہے تو جھوٹا لیکن بات تجھے سچی بتا گیا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ! وہ کون تھا۔ فرمایا' شیطان تھا۔ آیۃ الکرسی کے فضائل بے شمار ہیں جو تفاسیر اور احادیث مبارکہ میں ہیں۔ عموماً فرائض کے بعد اکثر لوگ ایک بار آیۃ الکرسی ضرور پڑھتے ہیں اور یہ متقدمین کی عادت بھی رہی ہے کہ اس کو کثرت سے پڑھا جاتا ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۟ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ
بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ
لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵۶ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ
مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵۷ ع ۳۴ ۳ ۲

دین میں زبردستی نہیں' بے شک ہدایت سے گمراہی ظاہر ہو گئی' پس جو گمراہ کرنے والے (شیطان) کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے' پس تحقیق اس نے حلقہ کو مضبوطی سے تھام لیا' ٹوٹنا نہیں اس کو' اور اللہ سننے والا جاننے والا

ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اللہ ان کا مددگار ہے، وہ انہیں نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی کی طرف، اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے ساتھی گمراہ کرنے والے ہیں، وہ انہیں نکالتے ہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف، یہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

مومن اللہ کے دوست

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ دین قبول کروانے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، اس لئے کہ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ہدایت اور گمراہی، دین اور بے دینی، اسلام اور کفر واضح کر دیئے گئے ہیں۔ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ اب جو شیطان کی بات کا انکار کرے گا وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ اور اللہ پر ایمان لائے گا۔ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ اس نے ایک بہت ہی مضبوط حلقہ تھام لیا۔ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ جسے کبھی ٹوٹنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اللہ کریم خوب سننے والے بھی ہیں جاننے والے بھی ہیں۔

دین میں زبردستی نہیں

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ اللہ کریم نے مخلوق کو امور عادیہ کا قیدی بنا دیا ہے۔ اور ہر چیز، ہر شے، ہر مخلوق اپنی فطری اور طبعی عادت کے مطابق عمر بسر کرتی ہے۔ ان کو اسباب ہی ایسے دیئے گئے ہیں، مزاج ایسے دیئے گئے ہیں، فطرت ایسی بنا دی گئی ہے۔ اگر درندے کو گھاس کھانا پڑے تو اس کا معدہ گھاس کو ہضم ہی نہیں کرتا۔ اگر گھاس چرنے والے جانور کو آپ گوشت کھلائیں تو اس کے معدے میں گوشت ہضم کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اسی طرح سے اللہ کی ساری مخلوق اس کی دی ہوئی فطرت اور جبلی عادتوں کے مطابق اپنا وقت بسر کرتی ہے۔ انسان بھی بڑی حد تک اپنی فطری پسند میں دخل نہیں دے سکتا۔ اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہو سکتا، اپنی مرضی سے شکل نہیں بنا سکتا، اپنی مرضی سے اپنی فطری صلاحیتوں کو تبدیل نہیں کر سکتا، صحت و بیماری، زندگی اور موت پہ اختیار نہیں رکھتا۔ فطرت کے قانون کے مطابق یہ بھی چلتا رہتا ہے لیکن باقی مخلوق کی نسبت اسے جو ایک اضافی وصف دیا ہے، وہ ہے اللہ کی پہچان کرنا۔ ساری مخلوق صرف حاکم کے حکم کی

تابع ہے لیکن انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کی نگاہ حاکم کی طرف اٹھتی ہے۔ یہ جاننا چاہتا ہے کہ حکم دینے والا کون ہے۔ مجھے کس نے پیدا کیا' کون ہے میرا خالق' کون ہے جو اس جہان کو چلا رہا ہے' کون ہے اتنا بڑا صانع جس نے یہ ساری تخلیق بنا دی اور اتنی بڑی کارگہہ حیات قائم کر دی اور کون ہے ایسا قادر جو اسے باقاعدگی سے چلا رہا ہے؟ یہ سوال انسان کی فطرت میں رکھ دیا گیا' اسے اس سوال کا جواب حاصل کرنے کی استعداد عطا کی گئی۔ اب اس کے بعد اسے مجبور نہیں کیا گیا کہ یہ ضرور مانے اور یہی امتحان ہے' یہی انسان کا اختیار بھی ہے۔ ایک طرف انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے' اپنی ہدایت کی کتابیں نازل فرمائیں' ہدایت کے پیغام کو جاری و ساری رکھا اور انشاء اللہ العزیز قیام قیامت تک اللہ کے بندے اللہ کا پیغام پہنچاتے رہیں گے' یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

اب انسانوں کو یہ اختیار ہے کہ وہ اللہ کے اس پیغام کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ اس میں زبردستی نہیں کی جائے گی۔ اگر وہ زبردستی چاہتا تو خود ساری مخلوق سے اپنے آپ کو منوا لیتا۔ اس کی دی ہوئی قدرت سے ہم سانس لیتے ہیں' اگر وہ روک دے تو دوسری سانس نہیں آتی۔ اگر وہ فطرتاً اور حکماً منوانا چاہتا تو کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی لیکن جب انسان کو اس سوال کا شعور بخشا کہ میرا خالق کون ہے اور صحیح جواب پانے کے ذرائع بھی مہیا کر دیئے تو اسے یہ موقع دیا گیا کہ وہ اپنے خالق کو پہچانتا ہے' اللہ کے پیغام کو قبول کرتا ہے یا نہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ کا یہ معنی نہیں لیا جائے گا کہ جو اس کا جی چاہے وہ کرے اسے روکا نہ جائے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام قبول نہیں کرنا چاہتا تو زبردستی قبول نہیں کرایا جائے گا لیکن جب وہ معاشرے میں رہتا ہے تو جو اصول وضوابط ہیں وہ اس کو بھی ماننے پڑیں گے۔ قرآن کریم نے اسلامی ریاست اور معاشرے کے خدوخال واضح کر دیئے ہیں۔ اس میں جائز و ناجائز اور حلال وحرام کا فرق بتلا دیا ہے۔ بعض ایسی حقیقتیں ہیں جو بین الاقوامی ہیں مثلاً دنیا کا کوئی شخص' مومن یا کافر' یہ نہیں کہتا کہ جھوٹ بولا جائے۔ یہ ایک بین الاقوامی مسلمہ اصول ہے کہ بات سچی کی جائے۔ یہ بھی بین الاقوامی مسلمہ اصول ہے کہ کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ لیا جائے۔ کسی دوسرے کی عزت وآبرو خراب نہ کی جائے۔

اسلام کے بیشتر اصول تو وہ ہیں جو بین الاقوامی طور پر مسلمہ ہیں۔ کوئی مسلمان ہے یا نہیں لیکن وہ ان سب کو ضروری اور اچھا سمجھتا ہے۔ جو ایمان نہیں لائے گا' اسے بھی معاشرے کے قوانین وضوابط کی پاسداری کرنا پڑے گی اور جو ایمان لاتا ہے اسے کماحقہٗ دین کا اتباع کرنا پڑے گا۔ اگر وہ دین کے اتباع سے جی چراتا ہے تو معاشرے کو چلانے کے ذمہ دار حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد جو شخص دین پر عمل نہیں

کرتا اس کی باز پرس کی جائے اور اسلام نے جو سزائیں مقرر کر دی ہیں' ان کے مطابق اسے سزا دی جائے ۔ مثلاً آپ فرائض و عبادات ہی کو لے لیں' اگر کوئی جان بوجھ کر فرائض ترک کر دیتا ہے تو اسے حکم دیا جائے ۔ اگر وہ عمل نہیں کرتا تو اسے سزا دی جائے اور اگر پھر بھی عمل نہیں کرتا اور اسی حال میں مر جاتا ہے تو امام شافعی' امام مالک' امام احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے' اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے ۔ ائمہ ثلاثہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر وہ مسلسل تارک الصلوٰۃ ہے تو اسے سزائے موت دی جائے اور پھر اس کا جنازہ بھی نہ پڑھا جائے' اسے مسلمانوں کے ساتھ دفن بھی نہ کیا جائے ۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ جب ایمان کا انکار نہیں کرتا تو یہ بھی ایک نیکی ہے' ایک نیک عمل ہے کہ وہ ایمان تو لایا ۔ اب صلوٰۃ کا انکار کرے تو پھر تو کافر ہو جائے گا لیکن انکار نہیں کرتا تو گناہگار ہے' اسے قتل نہ کیا جائے اور اسے زندگی بھر جیل میں رکھا جائے کہ شاید کبھی توبہ کر لے اور نماز ادا کرنے لگے لیکن اگر اسی حال میں مر جاتا ہے تو پھر وہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے' اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے ۔

اللہ کا دین قبول کرنے کے بعد ذاتی معاملہ نہیں رہتا

ہمارے عہد میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ سے یہ معنی لے لیا گیا ہے کہ دین ذاتی معاملہ ہے اور حکومت کا اس سے کوئی سروکار نہیں ۔ کوئی نماز پڑھتا ہے پڑھے' نہیں پڑھتا نہ پڑھے' کوئی روزہ رکھتا ہے رکھے نہیں رکھتا نہ رکھے ۔ ایسا نہیں ہے ۔ حکومت اس کی ذمہ دار ہے اور جو دین قبول کرتا ہے' وہ جب دین میں کوتاہی کرے گا تو سزا کا مستحق بھی ہے ۔ تاکیداً اسے دین پر عمل کرانا حکومت کی ذمہ داری ہوگی ۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو مسلمان ہونے پر زبردستی نہ کی جائے ۔ اسلام نے انسانی حقوق غیر مسلم کو بھی عطا فرمائے ہیں ۔ وہ معاشرے میں رہ سکتا ہے ۔ اس کی جان' مال آبرو کی حفاظت کی جائے گی ۔ اس کی حدود متعین ہیں کہ کہاں تک اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا ۔ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے گا' بیمار ہوگا تو اس کا علاج کیا جائے گا' اس کے بچوں کو تعلیم کی سہولت دی جائے گی باقی سارے انسانی حقوق پورے کئے جائیں گے لیکن جو حقوق محض مسلمان ہونے کے ہیں مثلاً اسلامی اعزاز و اکرام ہے' اسلامی عبادات گاہوں میں جا کر عبادت کرنے کا حق ہے' حج ہے یا زکوٰۃ ہے تو اس طرح کے حقوق صرف مسلمان کے ہیں ۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ کا مفہوم یہ ہے کہ دین کو قبول کرنے میں کسی پر زبردستی نہیں کی جائے گی ۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے زبردستی فوج میں بھرتی نہ کیا جائے لیکن جو فوج میں بھرتی ہو جاتا ہے تو اس کی مجبوری ہے کہ ان قواعد پر عمل کرے اور اگر خلاف ورزی کرتا ہے تو سزا پاتا ہے ۔ یہی حال یہاں بھی ہے کہ دین قبول کرانے میں زبردستی نہیں کی جائے گی لیکن جو

کلمہ گو دین میں سستی کرتے ہیں اور دین پر عمل نہیں کرتے، وہ شرعی سزاؤں کے مستحق ہیں۔ حکمران جو معاشرے کو چلانے کے ذمہ دار ہیں، اللہ کے حضور وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔

دین قبول کرنے میں اس لئے زبردستی نہیں کی جائے گی کہ انسان کو اللہ نے شعور دیا۔ پھر انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور کتابیں بھیج کر سامان ہدایت مکمل کر دیئے۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ بغاوت اور کفر سے اطاعت اور دین کا راستہ بالکل روشن اور واضح ہو کر الگ ہو گیا اور دونوں راستے صاف ہو گئے کہ اللہ کو ماننے کا، اطاعت کا یہ راستہ ہے اور بغاوت کا وہ راستہ ہے۔ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ اب انسان کے پاس اختیار ہے کہ وہ کس راستے پہ چلتا ہے۔ باتیں دو ہی ہیں، اللہ کی رحمٰن کی بات ہے یا اس کے مقابلے میں شیطان کی بات ہے۔ آدمی دو میں سے ایک طریقے پہ ضرور چلتا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دین کی پیروی کرتا ہے اور جہاں سے بھی دین کو چھوڑتا ہے وہاں وہ شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ فرمایا: جس نے شیطان کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے بہت مضبوط حلقے کو تھام لیا، اسے بہت مضبوط آسرا مل گیا۔ وہ ایک بہت مضبوط حصار میں آ گیا جہاں اسے اللہ کا تحفظ حاصل ہے اور وہ ایسا حصار ہے جس کی شکستگی کا کوئی امکان، کوئی خطرہ نہیں ہے۔ جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اللہ کریم خود جاننے والے بھی ہیں، سننے والے بھی ہیں۔ اگر کوئی قولاً کہتا ہے کہ میں ایمان لایا تو وہ خود سنتے ہیں اور اس کے دل میں کیا کیفیت ہے، اسے اللہ جاننے والے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ خلوص سے ایمان لایا یا منافقت کر رہا ہے۔ اس کے دل نے بھی مانا یا صرف زبان مان رہی ہے۔ اللہ سنتا بھی ہے، جانتا بھی ہے۔

ولایت کی سند

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ جو بھی ایمان لاتا ہے، جس نے بھی خلوص قلب سے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اللہ اس کا دوست بن جاتا ہے۔ ہم بہت سے بزرگوں کے بارے میں یقین رکھتے ہیں، احتمال رکھتے ہیں کہ یہ ولی اللہ ہیں، اللہ کے دوست ہیں۔ ولی کا معنی دوست ہے اور ان کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ان سے برکات اور فیوضات کے طلبگار رہتے ہیں۔ ان کی زیارت کرنا باعث برکت سمجھتے ہیں۔ ان کی محفل میں بیٹھنا باعث برکت سمجھتے ہیں اور یہ درست بھی ہے لیکن یہاں معاملہ عجیب ہے۔ ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہوتی بلکہ یہ ہمارا اپنا خیال اور گمان ہوتا ہے۔ ہمارا حسن ظن ہوتا ہے کہ یہ شخص ولی اللہ ہے۔ اب اس کے ولی ہونے کی ہمارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی سند نہیں ہوتی کہ یہ ولی اللہ ہے، کوئی نشان دہی نہیں ہوتی۔ نبی کی تصدیق ہوتی ہے، نبی کے معجزات ہوتے ہیں، نبی کی کتاب ہوتی ہے، اللہ نبی کی تصدیق فرماتا ہے لیکن ولی کی

ولایت کی کوئی تصدیق نہیں ہوتی ۔

فرمایا: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ جو بھی ایمان لاتا ہے اللہ خود اس کا دوست بن جاتا ہے ۔ یہاں تو سند آ گئی، اللہ کی گواہی آ گئی، خود اللہ نے ارشاد فرمادیا کہ جو بھی ایمان لاتا ہے میں اس کا دوست بن جاتا ہوں ۔ گویا ہر مسلمان ولی اللہ ہے ۔ بندے کی طرف سے ہمارے پاس دلیل نہیں ہے لیکن اللہ کی طرف سے سند موجود ہے کہ جو بھی ایمان لایا میں اس کا ولی ہوں، میں اس کا دوست ہوں ۔

ولایت کی کوئی انتہا نہیں

اللہ کی دوستی کا پتہ کیسے چلے گا؟ فرمایا: يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وہ برائیاں چھوڑتا جاتا ہے، ظلمت چھوڑتا جاتا ہے ۔ نور اور روشنی کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے ۔ اس کا ہر قدم برائی سے دور اور نیکی سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے ۔ اس کی ہر سانس غفلت سے نا آشنا اور یاد الٰہی سے آشنا ہوتی چلی جاتی ہے ۔ اس کا کردار سنت کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے ۔ وہ اللہ کا بندہ بنتا چلا جاتا ہے ۔ مسلسل ساری عمر ترقی کرتا چلا جاتا ہے ۔ ولایت میں کبھی کوئی منزل ایسی نہیں آتی کہ ولایت تمام ہو گئی ۔ ''تمام ہوگئی'' کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ کریم کسی ایک خاص جگہ پہ ہیں اور جو بندہ اللہ کی طرف سفر کر رہا ہے، وہاں پہنچ گیا تو ولایت تمام ہو گئی ۔ ایسی بات نہیں، وہ تو ان سب باتوں سے بالاتر ہے ۔ یہ ساری مخلوق ہے اور وہ خالق ہے ۔ خالق مخلوق میں تو نہیں سما سکتا لہٰذا ساری عمر نہیں، اگر کسی کو قیامت تک کی بھی عمر مل جائے اور وہ ترقی کرتا ہی چلا جائے تو نور کی طرف اللہ کی طرف اس کا سفر بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، اس کی ترقی ہوتی ہی چلی جائے گی ۔

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وہ انہیں ظلمت سے نکال کر نور کی طرف گامزن کر دیتا ہے، تاریکی چھٹتی چلی جاتی ہے ۔ ہم جو روزمرہ خطائیں کرتے ہیں، گناہ کرتے ہیں، اللہ کو بھول بیٹھے ہیں، یہ کیا ہے؟ اس جرم کا اندازہ لگائیے کہ اللہ بندے کی دوستی کا دعویٰ کر رہا ہو اور بندہ منہ دوسری طرف کر کے کھڑا ہو جائے تو یہ کتنا بڑا جرم بنے گا! علمائے حق فہرست بتاتے ہیں کہ گناہ کبیرہ یہ ہیں، صغیرہ یہ ہیں لیکن جب بات کا خلاصہ لکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ کوئی گناہ بھی صغیرہ نہیں ہے ۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی نافرمانی ہے ۔ چھوٹی نافرمانی یا بڑی نافرمانی کی بات نہیں ہے، بات یہ ہے کہ نافرمانی کس کی ہے! نافرمانی جس ذات کی ہے، اس کا اندازہ کیا جائے تو جسے آپ صغیرہ کہتے ہیں وہ کئی کبیرہ گناہوں سے بڑا ہو جاتا ہے ۔ اللہ بہت کریم ہے ۔ جب تک بندہ اس دائرۂ دنیا میں ہے وہ بندے کے لئے اپنا باب رحمت بند نہیں کرتا، توبہ کا دروازہ کھلا رکھتا ہے ۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ۔ آپ ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے پاک

ہوجاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو' یہ اس کا کرم ہے۔

وہ بے نیاز ہے۔ ساری دنیا ولی ہوجائے تو اس کا کیا سنور جائے گا اور اگر ساری دنیا کافر ہوجائے تو اس کی شان میں کیا فرق پڑے گا؟ کچھ نہیں' لیکن کریم اتنا ہے کہ مومن کو اس نے پھر بھی رعایتیں دے رکھی ہیں کہ مرنے سے پہلے اگر کافر نہ ہوجائے' ایمان پہ مرجائے تو شاید کسی سابقہ چھوٹی موٹی نیکی کے طفیل بخش دے' کسی اور نیک بندے کے طفیل اسے بخش دے' حضور ﷺ کی شفاعت کے صدقے بخش دے' بچوں کی سفارش پر بخش دے۔ پھر بھی بخشش کا امکان موجود ہے لیکن خطرہ یہ ہے کہ بندہ جب نافرمانی کر کے' پشت پھیر کے چلتا ہے اور وہ بے نیاز بلاتا رہتا ہے لیکن بندہ واپس نہیں آتا تو ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے جب وہ کہتا ہے' اچھا اب تو واپس آ ہی نہیں سکے گا۔ اگر بات یہاں تک پہنچ جائے تو قصہ ختم ہوجاتا ہے۔

اللہ کریم خود ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے حبیب ﷺ ان لوگوں کو بتایئے: **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ** ۔ اگر تم اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو۔ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے۔ **فَاتَّبِعُوْنِيْ** میری غلامی قبول کرلو' بلاچوں وچرا میرے نقوش کف پا پہ چلے آؤ۔ **يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** ۔ تم اللہ کے محبوب ہوجاؤ گے' اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ جس درگاہ میں سارے سر جھکتے ہیں وہ تمہارے ناز اٹھائے گا تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔

جو بندہ کلمہ پڑھنے کے بعد بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد عالی کو چھوڑ کر شیطان کی پیروی کرے تو اپنے آپ کے ساتھ کتنی زیادتی کرتا ہے!

شیطان کی دوستی

جو شیطان کی بات مانتے ہیں شیطان بھی ان کا دوست بن جاتا ہے۔ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا** جنہوں نے ہدایت قبول نہیں کی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا انکار کردیا۔ **اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ** شیاطین ان کے دوست بن جاتے ہیں' ان سے باتیں کرتے ہیں۔ **وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕهِمْ** یقیناً شیاطین اپنے دوستوں سے باتیں کرتے ہیں' سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے **يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ** ان کا ہر قدم بھلائی سے دور اور برائی کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ نور سے دور ہوتے جاتے ہیں' تاریکیوں کے مسافر بن جاتے ہیں' اندھیروں کے راہی بن جاتے ہیں۔ شیطان کی دوستی کیا ہے؟ اس کی دوستی ان لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی دعوت کا انکار کرتے ہیں۔ شیاطین ان کے دوست بن جاتے ہیں اور پھر انہیں نور سے' روشنی سے ظلمت اور اندھیروں کا راہی بنا دیتے ہیں' بدکار بنا دیتے ہیں گناہگار بنا دیتے ہیں۔ ان کا ہر قدم نیکی سے دور اور برائی کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ یہ سارے شیاطین بھی اور شیطانوں کے دوست بھی جہنم کے باسی ہیں۔ نتیجتاً اللہ نے جو زندگی دی تھی، ہدایت کے اسباب پیدا فرمائے تھے اور جو مہلت دی تھی، ان سب سے محروم ہو کر جہنم میں جا پہنچتے ہیں اور جہنم ایسی جگہ ہے هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ۝ جہاں سے پھر نکلنے کا کوئی چارہ نہیں ہے۔ کافر کے لئے جہنم میں خلود ہے اور مومن کے لئے جنت میں خلود ہے۔ مستقل گھر ہے جو جہاں پہنچ گیا، اسے پھر وہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

یاد رکھیں! بیشک انسان کا وجود خاکی ہے۔ بیشک اس کے عناصر اربعہ، ہوا آگ مٹی اور پانی زمین پہ ملتے ہیں لیکن اس کی روح عالم امر سے ہے۔ عالم امر وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں مخلوق کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ امر اللہ کا وصف ہے، اللہ کی صفت ہے۔ جس طرح اللہ باقی ہے، جس طرح اس کی ذات باقی ہے، اسی طرح اس کی صفات باقی ہیں۔ مخلوق تو فنا ہو سکتی ہے، اللہ کی صفات کو فنا نہیں ہے۔ روح عالم امر سے ہے جو اللہ کی صفت ہے لیکن امر سے روح کیسے بنی؟ فرمایا یہ بات تمہارے شعور سے بالاتر ہے۔ وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ انسانی شعور اس کاریگری کو نہیں سمجھ سکتا کہ روح کیسے بنی۔ تمہارے لئے یہ جاننا ضروری ہے قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى میرے حبیب ﷺ انہیں کہہ دو کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔ امر کو فنا نہیں، روح بھی فنا نہیں ہوگی۔ یہ موت جسے ہم فنا سمجھتے ہیں، یہ فنا نہیں ہے۔ روح کا تعلق جو بدن سے تھا وہ ظاہری حیات کے طور پر کٹ جاتا ہے، دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن ہر ذرہ بدن کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔

دنیا میں وجود گناہ کرتا ہے، ظلمت روح پر بھی آتی ہے۔ وجود نیکیاں کرتا ہے نورانیت روح پر بھی آتی ہے۔ برزخ میں جو سلوک روح سے ہوگا اس کے اثرات وجود پر بھی پہنچتے ہیں خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہو۔ جب قیامت قائم ہوگی، وجود بھی سالم ہو جائے گا روح بھی سالم ہو جائے گی اور دونوں بالمشافہ مکلّف ہوں گے۔ نہ روح بدن کے واسطے سے مکلّف ہوگی نہ بدن روح کے واسطے سے مکلّف ہوگا۔ بدن کا چونکہ روح کے ساتھ مستقل تعلق ہے، روح کے واسطے سے بدن کو بھی فنا نہیں۔ بدن اگر اپنی منزل پر پہنچا، اللہ کی بخشش کو پا گیا (اللہ سب مومنین کو نصیب کرے) تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رحمت الٰہی کے سائے میں رہے گا، کبھی فنا نہیں ہوگا۔ اور خوانخواستہ اگر بھٹک گیا، جس کا خاتمہ کفر پر ہوا تو وہ یہ امید چھوڑ دے کہ وہ ختم ہو جائے گا۔ وہ جہنم میں موت کی آرزو کرے گا لیکن جہنم میں موت نہیں آئے گی۔ نہ جہنم ختم ہوگی نہ وہ ختم ہوگا، وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا پڑے گا۔ اللہ تمام مومنین کو جہنم سے بچائے اور ہدایت پر استقامت دے اور نبی کریم ﷺ کے اتباع کی توفیق ارزاں فرمائے۔ اللہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ زندہ رکھے۔ نیک بندوں کے ساتھ موت نصیب فرمائے اور صالحین کے ساتھ حشر فرمائے اور دنیا و آخرت کی ندامت اور رسوائی سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ
اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ
الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾ اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى
قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ
فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ
بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ
لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى
الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ
اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ تُحْىِ
الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ
اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ
جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع

۳۵ ع ۳ ۳

کیا آپ نے اس شخص کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسے بادشاہت دی تھی، جب ابراہیمؑ نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا بیشک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے پس تو اسے لے آ مغرب سے، تو وہ کافر مبہوت ہو گیا، اور اللہ ناانصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یا اس شخص کی مانند جو ایک بستی سے گزرا

اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی، اس نے کہا اللہ اس کے مرنے کے بعد اسے کیونکر زندہ کرے گا؟ تو اللہ نے اسے ایک سو سال مردہ رکھا، پھر اسے اٹھایا (زندہ کیا)، اللہ نے پوچھا تو کتنی دیر رہا؟ اس نے کہا میں ایک دن یا دن سے کچھ کم رہا، اس نے کہا بلکہ تو ایک سو سال رہا ہے، پس تو اپنے کھانے پینے کی طرف دیکھ، وہ سڑ نہیں گیا، اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ، اور ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں گے، اور ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انہیں کس طرح جوڑتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں، پھر جب اس پر واضح ہو گیا تو اس نے کہا میں جان گیا کہ اللہ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ اور جب ابراہیمؑ نے کہا میرے رب! مجھے دکھا دے تو کیونکر مردہ کو زندہ کرتا ہے، اللہ نے کہا، کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ اس نے کہا کیوں نہیں! بلکہ (چاہتا ہوں) تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے، اس نے کہا پس تو چار پرندے پکڑ لے، پھر ان کو اپنے ساتھ ہلا لے، پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے ٹکڑے، پھر انہیں بلا، وہ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، اور جان لے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

زندہ اور مردہ دل میں فرق

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ ذرا اس شخص کے بارے میں سوچو جس نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس پروردگار کی ذات کے بارے جھگڑا کیا، جو اس کا رب تھا، جس نے اسے پیدا کیا، جس نے اسے تمام قوتیں عطا کیں اور جس نے اسے ایک بہت بڑی سلطنت کا واحد حکمران بنا دیا لیکن ان تمام نعمتوں کو بھول کر وہ اپنی خدائی کا دعویدار بنا ہوا تھا۔

جہاں ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی، اس قوم کا حکمران نمرود تھا۔ یہ ان چند حکمرانوں میں سے تھا جنہوں نے اپنی خدائی اور معبود ہونے کا دعویٰ کیا۔ ابراہیم علیہ السلام جس ماحول میں پیدا ہوئے، وہ عجیب لوگ

تھے۔ سورج، چاند، ستاروں اور بتوں کی پرستش کرتے۔ بتوں پر بھی انہوں نے سورج چاند کے نشان بنا رکھے تھے۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر الگ ہے، جہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اتمام حجت کے لئے انہیں کہا کہ یہ چاند جو بہت روشن ہے، یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غروب ہوگیا تو فرمایا غروب ہونے والے رب کہاں ہوتے ہیں۔ پھر سورج نکلا تو انہوں نے یہی فرمایا چونکہ یہ ان کی پوجا کرتے تھے لیکن جب سورج بھی غروب ہوا تو فرمایا: لَآ أُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۝ غروب ہونے والوں کی عبادت کون کرے جو خود گردش ایام کے اسیر ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب ان کے بت توڑے اور انہیں پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہاں یہ مکالمہ ہوا۔

الوہیت پر ایک تاریخی مناظرہ

اللہ کریم فرماتے ہیں ذرا دیکھو، اس بندے کی بات پر غور کرو جو اپنے اس رب کے بارے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑ رہا ہے جس نے اسے ایک سلطنت کا مالک بنایا اور دنیا کے سارے وسائل اس کے قدموں میں رکھ دیئے، اب وہ اس ذات کے بارے میں جھگڑ رہا ہے! وہ کہتا ہے میں رب ہوں، اس ساری مخلوق کو تو میں پال رہا ہوں۔ ان سب کی ذمہ داری تو مجھ پر ہے۔ آپ علیہ السلام کس رب کی بات کرتے ہو؟

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے اس رب کی بات کر رہا ہوں جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔ جو پیدا کرتا ہے، جس نے تجھے بھی پیدا کیا تجھ سے پہلے لوگوں کو بھی پیدا کیا۔ وقت آیا تو وہ بھی موت کی نذر ہوئے، تیری بھی موت آجائے گی۔ وہ انسان جو خود موت کی نذر ہونے والا ہے، وہ پروردگار ہوتا تو اس کے مرنے سے دنیا تباہ ہو جاتی۔ میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت کا خالق ہے، پیدا کرنے والا ہے، بنانے والا ہے، دینے والا ہے، سنبھالنے والا ہے۔ جو ازل سے ہے ابد تک ہے، جو ہمیشہ ہے۔

یہ ایک مناظرہ تھا، جانتا تو وہ بھی تھا لیکن لوگوں کے سامنے سچا ہونا چاہتا تھا۔ ایک زمانے میں بڑے بڑے فاضل علما کے مابین مختلف موضوعات پر مناظرے ہوا کرتے تھے۔ مناظروں میں جج عوام الناس ہوتے کہ کون جیتا اور کون ہارا۔ اس لئے مناظرے میں دلائل بھی ایسے ہوتے جو عام لوگوں کی سمجھ میں آسکیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی گمراہ فرقوں اور گمراہ مذہبوں کے خلاف اپنے زمانے کے مانے ہوئے مناظر تھے۔

قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ نمرود نے کہا میں بھی زندگی اور موت دیتا ہوں، تم کس رب کی بات کرتے ہو۔ اس نے دو قیدی منگوائے، ایک کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو قتل کرا دیا کہ دیکھو اسے میں نے زندگی دے دی اور اسے میں نے موت دے دی۔ زندگی اور موت دینے پر تو میں بھی قادر ہوں۔ وہ اس دلیل سے لوگوں کو

بے وقوف بنا رہا تھا لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دلیلیں تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میرا پروردگار سارے نظام کا بلاشرکت غیرے مالک ہے۔ تو جو جواب دے رہا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ جسے زندگی ملی ہے اسے بھی اس نے دی ہے اور جس کی موت آئی ہے اس کی موت بھی اس کے دست قدرت سے آئی ہے۔ اس کارگہہ حیات میں مادی نظام کا تعلق سورج کے طلوع وغروب سے ہے۔ اس رب نے جو حقیقی رب ہے سورج کو مشرق سے طلوع ہونے کا حکم دیا' تو اس نظام کو بدل دے اور سورج کو مغرب سے طلوع کر دے۔

قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ اللہ جل شانہٗ تو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے۔ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ اور اگر تو کہتا ہے کہ میں رب ہوں تو پھر سورج کو مغرب سے نکال دے۔ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۗ تو کافر مبہوت ہو گیا۔ آسان سا جواب تھا وہ کہہ سکتا تھا کہ تیرا رب ہی مغرب سے نکال کر دکھائے لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ اللہ کا رسول ہے اور میں نے ایسا کہا اور اس نے دعا کی تو وہ قادر ہے۔ جو مشرق سے نکال رہا ہے وہ مغرب سے طلوع کر دے گا تو پھر میں کہاں جاؤں گا۔ وہ مبہوت ہو گیا کہ اب اس کا کیا جواب دوں۔ پھر حکم دے دیا کہ یہ ہمارے باپ دادا کے مذہب کو غلط کہتا ہے' اس نے ہمارے بتوں کو توڑ دیا' مجھے رب نہیں مانتا' اسے آگ میں پھینکا جائے۔ بہت بڑی آگ دہکائی گئی اور اس میں ابراہیم علیہ السلام کو پھینکا گیا لیکن آگ بھی گلزار ہو گئی۔ یہ سارے دلائل دیکھنے کے باوجود اسے ہدایت نصیب نہ ہوئی' ایمان نصیب نہ ہوا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ایمان صرف دلائل کا محتاج نہیں ہوتا۔ اگر دلائل سے ایمان نصیب ہوتا تو قدرت کی عظمت کے دلائل کائنات میں اتنے پھیلے ہوئے ہیں کہ کوئی کفر کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ ایک سوال انسان کے دل و دماغ میں بھی ہے کہ کون ہے جس نے اس کارگہہ حیات کو بنایا؟ اس کا جواب کائنات کی تخلیق اور اس کی صنعت میں موجود ہے۔ اگر ظلم کرتے کرتے' برائی کرتے کرتے وہ کیفیت مٹ جائے' ظلمت میں دب جائے' قلوب سیاہ ہو جائیں تو دلائل اثر نہیں کرتے۔ لوگ مسلمان نہیں ہوتے' ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی۔ لیکن روایات میں ملتا ہے کہ اَسی کے قریب مرد' عورتیں اور بچے کشتی میں سوار ہوئے۔ گویا ساڑھے نو سو سال میں جن لوگوں نے ان کی بات قبول کی ان کی تعداد اَسی کے لگ بھگ ہے۔

ایمان دل کی اس حالت' اس طلب اور اس جستجو پہ نصیب ہوتا ہے جو دل میں تخلیقی طور پر قادر مطلق نے رکھ دی۔ اگر وہ طلب مر جائے تو ایسی صورت کے متعلق یہاں فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝ عربی میں ظلم کا معنی ہے: وَضْعُ الشَّیءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّهٖ ۔ کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کے رکھنے کی جگہ نہ ہو' کوئی کام اس طریقے سے کرنا جو اس کے کرنے کا طریقہ نہ ہو' اسے ظلم کہتے ہیں۔ غلط کاریاں جب بڑھ جاتی ہیں تو دل پر ظلمت آنے لگ جاتی ہے اور وہ کیفیت جسے انابت کہتے ہیں' ختم ہو جاتی ہے۔ ایک طلب' ایک تڑپ کہ میں کون ہوں' مجھے بنانے والا کون ہے؟ اس نے مجھے کیوں بنایا؟ میرا مصرف کیا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جو اللہ کریم نے نوع انسانی کے ہر فرد کے اندر رکھ دیا ہے لیکن اگر کسی کے اندر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا تو اسے یہ فکر کرنی چاہیے کہ میں نے کہیں لوح دل کو سیاہ تو نہیں کر لیا! اب ایک تختی پہ کچھ بھی لکھا ہوا ہو' آپ اس پر سیاہی مل دیں تو سب لکھا ہوا غائب ہو جائے گا۔

نزول قرآن کے تقریباً سوا چودہ سو سال بعد اب سائنس بھی اس کا اعتراف کر رہی ہے۔ انسانی دماغ کے بارے میں ایک سائنسی پروگرام میں سائنسدان نشان لگا کر انسانی دماغ کے کچھ سیل دکھا رہے تھے کہ یہ ایسے سیل ہیں جو مذہب کے لئے انسان میں تجسس پیدا کرتے ہیں۔ وہ اگرچہ مذہب کہہ رہے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذہب تب ہی بنتا ہے جب اللہ پر ایمان ہو۔ کسی ایسی طاقت کو مانا جائے جس کی عبادت کی جائے' کوئی ایسی طاقت جس کو قادر مانا جائے۔ اب خوش نصیب ہے وہ جو اس جستجو میں اللہ کو پا لے۔ ہر دل ایک قندیل ہے۔ اس میں بتی بھی موجود ہے' اس میں تیل بھی موجود ہے لیکن اس میں روشنی نورِ نبوت سے آتی ہے۔ جب اس دل کا تعلق نبی کریم ﷺ سے جڑتا ہے' تو وہ قندیل روشن ہو جاتی ہے اور اگر نہیں جڑتا تو اس پر مزید گرد پڑتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے اور ایمان کی توفیق ہی سلب ہو جاتی ہے۔

فرمایا: اتنے بڑے دلائل دیکھنے کے بعد بھی اسے (نمرود کو) ایمان نصیب نہ ہوا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝ جو لوگ ظلم کرتے ہیں' جو لوگ غلط کاری کرتے ہیں' جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو غلط استعمال کرتے ہیں تو یہ مسلسل گناہ ایمان کی استعداد کو اور اس سوال کو مٹا دیتا ہے۔

حیات بعد الموت کا ایک عملی ثبوت

یا پھر اس شخص کی بات کو سوچو جس کا گزر ایک اجڑے ہوئے ویرانے سے ہوا۔ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ ایک شہر پہ ان کا گزر ہوا۔ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ وہ اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا۔ عربی کا یہ محاورہ ہے کہ جو شے مکمل تباہ ہو جائے تو کہتے ہیں' مکان اپنی چھت پر پڑا ہے یعنی چھت گر گئی اور پھر اس پر دیواریں گر گئیں'

کچھ باقی نہ بچا۔ یہ اللہ کے نبی حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔ سنت اللہ ہے کہ جہاں عذاب آتا ہے، انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکار وہاں سے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔

بنی اسرائیل پہ جب عذاب آیا تو بخت نصر نے مقدس شہر بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے جو مسجد ہیکل سلیمانی بنائی تھی اسے بھی تباہ و برباد کر دیا حتیٰ کہ تورات کے سارے نسخے جلا ڈالے اور اس کے بعد یہودیوں کے پاس تورات کا ایک نسخہ بھی نہیں بچا۔ اس نے بے شمار لوگوں، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کیا اور جو بچ گئے انہیں قید کر کے لے گیا۔ عزیر علیہ السلام جب جنگل سے واپس پلٹے تو بہت بڑا شہر تھا اور اسے اس حال میں دیکھا کہ کوئی مکان تو کیا، کوئی اینٹ بھی سلامت نظر نہیں آئی، کوئی وجود سلامت نظر نہیں آیا۔ انسان کیا، جانور کیا، لاشیں بھی سلامت نہیں ملتی تھیں۔ کٹے ہوئے ٹکڑے تعفن پیدا کر رہے تھے اور گرے ہوئے کھنڈروں میں بکھرے پڑے تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لب ہائے مبارک سے یہ بات نکلی۔

اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ۚ اللہ تو قادر ہے، اس موت کے بعد زندہ تو کرے گا، لیکن وہ کیفیت کیا ہوگی؟ کیسے زندہ کرے گا، وہ حالت کیسی ہوگی، یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ **قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ۚ** اس موت کے بعد کس طرح سے ان کو زندہ کرے گا!

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ اللہ نے انہیں وہیں سلا دیا، یہاں تک کہ ایک صدی بیت گئی۔ یہاں **فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ** سے مراد وہ موت نہیں ہے جو دنیوی زندگی کو ختم کر دیتی ہے اور روح برزخ میں پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ برزخ میں جانے کے بعد پھر کوئی شخص دنیوی اعمال کا مکلف نہیں رہتا، ان پر ایسی نیند غالب کر دی گئی تھی جس میں نہ انہیں زندگی کا کوئی احساس باقی تھا اور نہ وہ ایسی موت تھی جو عام ہوتی ہے بلکہ دو عالم سے ان کا تعلق منقطع کر دیا گیا۔ نہ برزخ کی خبر تھی، نہ دنیا کی اور اس حال میں سو سال بیت گئے۔ ستر سال بعد پھر انقلاب آیا، یہودی بخت نصر کی قید سے چھوٹے اور واپس آ گئے۔

ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ اب اللہ نے پھر انہیں اٹھا دیا۔ **قَالَ كَمۡ لَبِثۡتَ ؕ** جب آنکھ کھلی تو اللہ کریم نے پوچھا، کچھ یاد ہے کتنی دیر سوئے رہے؟ **كَمۡ لَبِثۡتَ ؕ** اس حال میں آپ کتنی دیر رہے؟ **قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ** اللہ! دن گزر گیا ہوگا، شاید میں یہاں صبح آیا تھا اور شام ہونے کو آئی ہے یا دن کا کچھ حصہ گزارا ہے۔ ارشاد ہوا **قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ** اے میرے نبی علیک الصلوٰۃ والسلام! تو سو سال یہاں سوتا رہا۔ ایک صدی بیت چکی ہے لیکن اس سو سال میں نہ ان کا لباس پرانا ہوا، نہ انہیں دھوپ نے ستایا، نہ بارش نے کوئی اثر کیا۔ وجود عالی

میں کیا تغیر آنا تھا' لباس تک متغیر نہ ہوا۔ نعلین مبارک تک متغیر نہ ہوئے بلکہ کھانے پینے کے لئے جو خوراک ساتھ لا رہے تھے' اس کے متعلق فرمایا: فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھ لو' میں نے انہیں بھی خراب نہیں ہونے دیا۔ ویسے ہی رکھی ہیں جیسے آپ نے رکھی تھیں۔ نہ ان پر گرد پڑی' نہ بارش نے اثر کیا' نہ ان میں مٹی ملی' نہ کسی جانور نے چھوا۔ کسی نے عزیر علیہ السلام کو وہاں لیٹے ہوئے دیکھا نہ ان کی چیزوں کو دیکھا۔ پوری دنیا سے بھی ان کو پردے میں کر دیا اور پوری دنیا کو ان سے پردے میں کر دیا۔ وہ قادر ہے' جو چاہے' جب چاہے' جیسا کرے۔ ہاں' آپ علیہ السلام کے پاس جو سواری کا گدھا تھا' اس کی حفاظت نہیں فرمائی' اسے موت کی نذر کر دیا۔ اس کا وجود کچھ درندے کھا گئے' کچھ پرندے کھا گئے' کچھ مٹی کھا گئی' کچھ کیڑے کھا گئے اور اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل گئیں۔ اب تو اس کی کوئی چیز نظر نہیں آتی وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ اپنے گدھے کو دیکھئے' آپ علیہ السلام کو اس کا وجود' اس کی ہڈی بھی نظر نہیں آئے گی۔

وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ اور آپ علیہ السلام کو میں نے اپنی دلیل' اپنا معجزہ اور اپنی قدرت کاملہ کا مظہر بنا دیا کہ جب آپ علیہ السلام سو سال بعد لوگوں میں جائیں گے تو جو ہم عمر زندہ ہیں' وہ ضعیف العمر ہو چکے ہوں گے لیکن آپ علیہ السلام کی وہی جوانی ہے جیسی جوانی میں یہاں آرام فرمایا تھا۔

فرمایا میں نے تمہیں اپنی قدرت کی دلیل اور قدرت کاملہ کی نشانی بنا دیا اور اب اپنے گدھے کو دیکھئے۔ کس طرح سے اس کی ہڈیوں کو پھر وجود دیتا ہوں۔ آپ علیہ السلام کا سوال یہی تھا کہ یہ کیسے زندہ ہوں گے تو زندہ ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے۔ دیکھیں کیسے ہڈیاں بنتی ہیں' منتشر اجزا' جو کہیں پھیل چکے تھے' کس طرح جمع ہوتے ہیں اور ہڈیاں بنتی ہیں اور كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ ہم کس طرح ہڈیوں کو ترتیب دیتے ہیں۔ كَيْفَ نُنْشِزُهَا کس طرح سے انہیں پھر سے ہڈیاں بناتے ہیں۔ ان سیلز کو اور ان ایٹمز کو واپس لا کر کس طرح اکٹھا کرتے ہیں۔ پھر دیکھئے کس طرح ہم ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ وہی گوشت جو پرندے نوچ کر کھا گئے تھے' وہی وجود جسے کیڑے کھا گئے' مٹی کھا گئی' درندے کھا گئے' اس کا ایک ایک ذرہ واپس آئے گا۔ آپ علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے وہ گوشت بن کر اس پر چسپاں ہوتا چلا جائے گا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ جب وہ گدھا بن کر زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا تو فرمانے لگے۔ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ میں تو صرف یہ کیفیت دیکھنا چاہتا تھا' دل میں ایک آرزو تھی' ایک خواہش تھی کہ زندہ کرنے کا عالم کیا ہوگا' کیسے کرے گا۔ سوال یہ عرض کیا تھا لیکن انداز ایسا تھا کہ جواب حاصل کرنے کے لئے ایک صدی کی طوالت سے گزرنا پڑا۔

روایات میں ملتا ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام واپس اہل خاندان کے پاس پہنچے تو ان کی تیسری نسل بھی عمر رسیدہ ہونے کو تھی۔ آپ علیہ السلام کے زمانے کے کم کم لوگ باقی تھے۔ جب آپ علیہ السلام نے کہا کہ میں عزیر ہوں تو وہ کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ سو سال بعد ویسا جوان آدمی کہتا ہے میں عزیر ہوں، ہمیں تو حلیہ بھی یاد نہیں۔ اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر رسیدہ ایک کنیز موجود تھی جس نے پہچانا اور تصدیق کی کہ یہی عزیر علیہ السلام ہیں۔

حیات بعد الموت کی یہ کتنی بڑی دلیل تھی لیکن گمراہی کا عالم دیکھئے کہ یہودیوں نے کہہ دیا عزیرن ابن اللہ۔ یہ تو اللہ کا بیٹا ہے۔ دلیل ہدایت کے لئے تھی لیکن اس سے بھی انہیں گمراہی نصیب ہوئی کیونکہ ان کے دل تباہ ہو چکے تھے۔ یہود آج تک یہی کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ جب جی چاہا مر گئے، جب جی چاہے زندہ ہوں گے، اللہ کریم معاف فرمائے۔

ذکر الٰہی دلوں کی پالش ہے

بندہ اس بات کا دھیان رکھے کہ میرے دل میں جو سوال نقش تھا، کیا وہ زندہ ہے؟ کیا میں اپنے اس محسن عظیم ﷺ کو پہچان سکتا ہوں جس نے مجھے انسان بنا دیا، جس کی ذات ستودہ صفات نے مجھے اللہ کا کلمہ سکھایا اور جس کی رسالت کی پناہ میں میرے دو عالم ہیں! کیا میرا رشتہ محمد رسول اللہ ﷺ سے استوار ہے اور مجھے اس رشتے کی کچھ فکر بھی ہے؟ کیا میں دنیا کے کام کرتے وقت، دن رات بسر کرتے وقت یہ لحاظ کرتا ہوں کہ کوئی ایسا کام نہ ہو جائے کہ مجھ سے میرے آقا و مولا خفا ہو جائیں! کہیں اس رشتے میں دراڑ نہ آ جائے اور تعلقات کمزور پڑ جائیں! اگر یہ بات ہے تو ایمان زندہ ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ نہیں ہے تو لوح قلب کو دھوئیے اور خوب رگڑ کر دھوئیے۔ دل کو دھونے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ آقائے نامدار ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر چیز پہ زنگ لگتا ہے، دلوں پہ بھی زنگ لگ جاتا ہے۔ ہر چیز کی پالش ہے، لوہے کی الگ ہے، پیتل کی الگ ہے، سونے کی الگ ہے اور اسے پالش کیا جائے تو شیشے کی طرح چمکنے لگتا ہے۔ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ۔ اور دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ پھر اسے اللہ اللہ سے دھوئیے۔ اللہ اللہ سے اس کو پالش کیجئے۔ اسے اللہ اللہ سے صاف کیجئے اور اتنی دفعہ اللہ اللہ کیجئے کہ یہ درد پھر سے زندہ ہو جائے، اس میں ٹیسیں اٹھیں، پھر وہ تلاش کرے اور وہ درِ حبیب ﷺ پر پہنچے اور جمال مصطفیٰ ﷺ سے سیراب ہو۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا، وہ منظر مجھے دکھا دے۔ اَرِنِيْ مجھے دکھا دے۔ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ کس طرح سے تو

مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ قرآن حکیم نے یہ تین مثالیں یکجا کر کے حیات بعد الموت کے موضوع پر بہت زور دیا ہے۔ کفار کے پاس یہ بہت بڑا اعتراض تھا کہ جب ہڈیاں گل سڑ جائیں گی، گوشت پوست ریزہ ریزہ ہو جائے گا، ہر چیز خاک میں مل جائے گی تو کہا جاتا ہے کہ تم زندہ ہو جاؤ گے جبکہ آج تک جو مرے ہیں ان میں سے تو کوئی زندہ نہیں ہوا۔ کتنی دنیا گزر گئی لیکن کوئی زندہ نہیں ہوا۔ ہم بھی مر جائیں گے، مٹی میں مل جائیں گے۔ ایمان کی ساری عمارت یقین بالآخرت پر ہے اور ایمان کے مقابلے میں حیات بعد الموت ایک بہت بڑا اعتراض تھا۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ○ اس میں سارے ایمانیات آ گئے کہ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ سب سے بڑا غیب اللہ کی ذات ہے کہ ہر جگہ حاضر بھی ہے اور انسانی حواس کے دائرے میں بھی نہیں آتا۔ نہ کوئی دیکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے، نہ اس کی مثال دے سکتا ہے۔ فرشتے غائب ہیں نظر نہیں آتے، جنت و دوزخ غائب ہیں، آخرت غائب ہے۔ یہ ساری چیزیں انسان کے حواس خمسہ کی رسائی سے باہر ہیں۔ ان سب باتوں پہ ایمان بالغیب ہے کہ ان کا ادراک ہمارے حواس کی رسائی سے باہر ہے لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی صداقت پہ یقین ہے۔ اسی کا نام ایمان ہے۔ خود ذاتِ باری، اللہ کے فرشتے، اللہ کا نظام، آخرت، قیام قیامت، حیات بعد الموت، حساب کتاب، جنت و دوزخ یہ سب پردۂ غیب میں ہیں۔ ان پر یقین کرنے کو ایمان بالغیب ارشاد فرمایا کہ غائب پر ایمان لاتے ہیں۔ جو حقائق ان کے حواس کی رسائی میں نہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں۔

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ ۔ پھر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ○ اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے، وہ علم ہے یا قوت، اقتدار ہے یا دولت وہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کو استعمال کرتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ ۔ وہ لوگ، جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا، اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ اور آپ ﷺ سے پہلے جو نبیوں پر نازل ہوا اس کو بھی برحق اور اللہ کا کلام مانتے ہیں۔ ہر نبی کے نبی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان سب کے بعد پھر تاکید افرمایا: وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ○ اس ہدایت کا مدار اس بات پر ہے کہ انہیں آخرت پر یقین کامل ہو۔

حیات بعد الموت پر اور آخرت پر جب تک یقین کامل نہ ہو، باقی کسی بات پر اعتبار ہی نہیں رہتا۔ کیوں اللہ کی عبادت کریں، کیوں اللہ کو مانیں اس لئے کہ ہمیں واپس اس کے حضور جانا ہے۔ اگر اس نے

ہمیں ایک دفعہ بنایا' ہم مر کر فنا ہو گئے' مٹی میں مل گئے اور قصہ ختم ہو گیا تو اگر کسی نے مانا' وہ بھی مٹی میں مل گیا' نہ مانا تو بھی مٹی میں مل گیا' فرق کیا ہے؟ کوئی زندگی بھر نیکی کرتا رہا وہ بھی خاک میں مل گیا اور جو زندگی بھر گناہ اور جرائم کرتا رہا وہ بھی مٹی میں مل گیا۔ اس کی ضرورت کیا ہے کہ وہ ایمان لائے اور نیکی کرے؟ ضرورت اس لئے ہے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

اس عارضی زندگی سے ایک دائمی زندگی میں داخل ہونے کا نام موت ہے اور اس پہ یقین نہ ہو تو پھر ضروریات دین کو ماننے کا کوئی جواز باقی نہیں بچتا۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے بھی یہی سوال کیا لیکن سوال کرنے کا انداز ذرا مختلف تھا۔ یہ جو بستی ویران پڑی ہے' یہ تو یقین ہے کہ اللہ اسے زندہ کرے گا لیکن کیسے کرے گا' یہ وہی جانتا ہے۔ یہاں انداز دوسرا ہے۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط اللہ! اپنے کرم سے' اپنی مہربانی سے مجھے وہ نظارہ دکھا دے جس طرح تو مردے کو زندہ کرے گا۔ وہ بھی اللہ کے نبی ہیں' ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہیں۔ بات عزیر علیہ السلام نے بھی وہی چاہی جو ابراہیم علیہ السلام نے چاہی لیکن انداز تخاطب مختلف تھا۔ انہوں نے عرض کیا: اللہ کریم اسے کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ نے ان پر سو سال کے لئے عارضی موت وارد کر دی اور اس کے بعد دوبارہ زندہ کر کے پوچھا' دیکھئے آپ علیہ السلام کا گدھا جو مٹی میں مل چکا ہے کیسے زندہ ہوتا ہے اور کھانا دیکھئے' وہ باسی بھی نہیں ہوا' جیسا تھا میں نے ویسا ہی رکھا ہے۔ آپ علیہ السلام اپنا لباس' اپنا وجود عالی' اپنا سب کچھ دیکھئے' ویسا ہی ہے جیسا تھا اور ایک صدی بیت چکی ہے۔ میں چاہوں جسے باقی رکھوں' جسے چاہوں مٹا دوں اور چاہوں تو اسے دوبارہ زندہ کروں۔ یہ سب میری قدرت ہے۔ انہوں نے کہا اللہ مجھے تو اس کا پہلے سے یقین تھا' میں تو صرف مشاہدہ کرتا چاہتا تھا۔

یہاں اسلوب مختلف ہے۔ اُس میں حیرت تھی کہ اللہ قادر ہے' ضرور کرے گا لیکن کیسے کرے گا؟ سمجھ نہیں آتی۔ یہاں مشاہدہ کی تمنا کا اظہار ہے۔ رب العٰلمین کی بارگاہ بہت عالی بارگاہ ہے۔ وہاں تھوڑا سا اظہار کا فرق بہت سی مشکلات کا سبب بن جاتا ہے۔ وہ بھی اللہ کا نبی ہے جسے سو سال انتظار کی گھاٹی میں سے گزرنا پڑا۔ یہ بھی اللہ کا پیامبر ہے اور نبی ہے۔ عرض کر رہے ہیں اے اللہ! اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط مجھے دکھا دے' میرا دل چاہتا ہے میں وہ نظارہ دیکھوں کہ تو مردے کو کس طرح زندہ کرے گا تو فوراً سوال ہوا۔

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ تجھے اس بات پر یقین نہیں! قَالَ بَلٰی یہ تو مجھے یقین ہے کہ تو مردے کو زندہ کرے گا‘ ان کے زندہ کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ کس طرح سے زندہ ہوں گے‘ میں وہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ میں نے ایک مخلوق کو تیرا پیغام پہنچانا ہے تو میرے دل کو وہ یقین نصیب ہو جائے جو آنکھوں دیکھنے سے ہوتا ہے۔

اب اللہ قادر ہے‘ لیکن ہر کام میں اس نے ایک ایسا پردہ رکھا ہے کہ کوئی خوش نصیب نگاہ اس تک پہنچے ورنہ ساری نگاہیں اسباب میں الجھ جاتی ہیں۔ یہ مر گیا‘ کیوں مر گیا؟ بیمار تھا۔ یہ نقصان ہو گیا‘ وہ نفع ہو گیا‘ یہ نقصان اس کی بے وقوفی سے ہوا‘ وہ نفع میری دانش مندی سے ہوا۔ کم لوگ ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے کرنے سے ہوا اور وہ بھی اللہ کے کرنے سے ہوا۔ یہ مر گیا‘ اللہ کا حکم تھا‘ وہ پیدا ہو گیا اللہ کا حکم تھا۔ یہاں نفع ہو گیا‘ اللہ نے دے دیا۔ یہاں نقصان ہو گیا‘ اسے منظور نہیں تھا۔ یہ ایک بات کہنی آسان ہے لیکن اسے دل سے کہنا اور اس پر یقین کرنا مشکل ہے اور اگر اس پر یقین آ جائے تو پھر اللہ سامنے آ جاتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اس نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا۔ اسباب کے حجابات کے اس پار وہ خود کارساز نظر آتا ہے۔

فرمایا: اگر تم دیکھنا چاہتے ہو تو میں تمہیں دکھا دیتا ہوں لیکن اس کے لئے یہ سبب اختیار کرو۔ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ مختلف اقسام کے چار پرندے لے لو۔ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ انہیں پالو‘ انہیں دانہ دنکا ڈالو‘ انہیں اپنے ساتھ ہلاؤ تا کہ تم ان کے قد‘ جسامت‘ ان کے حلیے سے واقف ہو جاؤ۔ وہ پرندے آپ علیہ السلام کے ساتھ ہل جائیں تا کہ جب دوبارہ زندہ ہوں تو یہ اشکال نہ ہو کہ شاید یہ وہ نہیں‘ کوئی اور ہیں۔ جب وہ آپ کے ساتھ اچھی طرح ہل جائیں تو انہیں ذبح کر دو۔ ان کا سارا گوشت پوست‘ ان کے پر‘ سب چیزیں اکٹھی کر کے انہیں یکجان کر دیں‘ گڈ مڈ کر دو۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا پھر ان کے چار حصے کر کے ایک ایک حصہ چار پہاڑوں پہ پھینک دو۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ پھر انہیں بلایئے۔ وہ زندہ تھے تو آپ علیہ السلام بلاتے تھے‘ اب اس انداز سے انہیں بلایئے۔ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ پھر دیکھئے گا کہ وہ کس طرح زندہ ہوتے ہیں اور کس طرح بھاگ کر تیرے پاس حاضر ہوتے ہیں۔

چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے لئے‘ انہیں اچھی طرح پالا پوسا اور وہ ان کے ساتھ خوب ہل گئے۔ جب وہ بلاتے‘ وہ چاروں آ جاتے۔ پھر ان کو ذبح کیا اور ان کے وجود کے ملغوبے کے حصے بنا کر دور پہاڑوں پر پھینک آئے۔ جب انہیں بلایا تو دیکھا کہ کوئی ریزہ کہیں سے آ رہا ہے‘ کوئی ذرہ کہیں سے آ رہا ہے‘ خون کا کوئی ذرہ کہیں سے آ رہا ہے‘ کھال کہیں سے آ رہی ہے۔ ایک ایک ذرہ ان کے سامنے آتا گیا

اور جڑتا گیا، حتیٰ کہ پرندے زندہ ہو کر ان کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

حق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو حیات بعد الموت پر یقین کامل تھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی یقین کامل تھا لیکن یہ مثالیں عام انسانوں کے لئے تھیں جو یقین کرنے کو تیار نہیں تھے اور جنہیں وہ دعوت دے رہے تھے کہ یہ دیکھ لو، اس طرح تمہیں بھی دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کریم انسان کو اپنی طرف بلانے کے لئے کتنا کرم فرماتا ہے! کتنا مہربان ہے کہ اس نے مردے زندہ کر کے دکھا دیئے کہ بھئی اب تو مانو، میری طرف آ جاؤ لیکن جو بدنصیب تھے وہ پھر بھی نہ آئے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ اور جان لو اللہ غالب ہے۔ جب چاہے، جو چاہے کر سکتا ہے لیکن وہ حکیم ہے۔ اس کی حکمت ہے کہ اس نے ہر چیز کا ایک وقت معین کر رکھا ہے۔ وہ چاہے تو آج بھی ساری مخلوق کو زندہ کر دے لیکن اس نے ہر کام کا ایک وقت معین کر رکھا ہے۔ یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے اور وہ قادر ہے کہ جب چاہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔

اکتساب فیض کے لئے انس ضروری ہے

ان آیات کریمہ سے جو مسائل السلوک اخذ کئے گئے، ان میں فرماتے ہیں کہ شیخ سے اخذ فیض کے لئے اس طرح انس شرط ہے جس طرح ان پرندوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہو گیا تھا۔ اگر قلبی انس نہیں ہو گا تو فائدہ نہیں ہو گا۔ اگر کوئی کسی شیخ کے ساتھ ذکر کرتا رہا، مراقبات کرتا رہا، اسے مراقبات ہوتے گئے اور وہ ترقی کرتا بہت دور نکل گیا لیکن قلبی محبت دل سے جاتی رہی۔ پھر اس نے سمجھا کہ اب میں خود سب کچھ ہوں، مجھے شیخ کی ضرورت نہیں ہے تو ایک لمحے کی بات ہے کہ جہاں وہ انس ختم ہوا، دھڑام سے نیچے گر گیا۔ پھر کچھ بھی نہیں بچا۔ یہ پرندے مر گئے، خاک ہو گئے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر ان میں تڑپ پیدا ہوئی، ذرات بھی پھڑک اٹھے کہ وہ انس باقی تھا اور قدرت باری سے زندہ ہو کر سامنے آ گئے۔ علمائے حق اس میں لکھتے ہیں کہ شیخ کے ساتھ اگر یہ قلبی محبت نہ ہو تو برکات نصیب نہیں ہوتیں۔ کوئی ساتھ عرصہ لگا لے، مدت گزار لے اور کسی وقت اس عقیدت میں فرق آ جائے تو جو کچھ بن چکا ہوتا ہے وہ دھڑام سے ضائع ہو جاتا ہے، کچھ نہیں بچتا۔ **اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ** ○ بارگاہ رسالت ﷺ میں ذرا آواز بلند ہوئی تو سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ یہی معاملہ شیخ اور مرید میں ہوتا ہے۔ عقیدت گئی، ادب گیا تو سب کچھ گیا۔

حصول فیض کے لئے عقیدت کا ہونا شرط ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کو ان سے عقیدت ہوتی ہے جو شیخ نہیں ہوتے، دنیا دار ہوتے ہیں اور لوگوں کی عقیدت بھی دنیا کے لئے ہوتی ہے۔ ہندو بت کی پوجا کر

کے کہتے ہیں اس نے مجھے اولاد دے دی۔ اسی طرح ہم بھی فرض کر لیتے ہیں کہ فلاں کے کہنے سے میرے ہاں اولاد ہوگئی۔ دیتا تو رب العلمین ہے اور اس کا اپنا ایک نظام ہے۔ دنیا کے کام اپنے نظام الاوقات کے مطابق ہوتے رہتے ہیں' ان کے بھی ہو رہے ہیں جو اللہ کو مانتے ہی نہیں۔ کافروں کے پاس بڑے بڑے ممالک کی حکومتیں ہیں' انہیں کون دے رہا ہے؟ وہ تو اللہ کو نہیں مانتے۔ یہ رب العلمین کا ایک نظام ہے۔ شیخ اور مرید میں جو نسبت ہوتی ہے وہ دنیا کے لئے نہیں ہوتی۔ وہ محبت اللہ کے لئے ہوتی ہے' ایمان و یقین کے لئے ہوتی ہے' آخرت کے لئے ہوتی ہے اور قرب الٰہی کے لئے ہوتی ہے۔ دنیوی کاموں کے لئے اگر شیخ مرید کے کام آتا ہے تو مرید بھی شیخ کے کام آتے ہیں۔ کبھی شیخ بیمار ہوتا ہے تو ڈاکٹر مرید ہوتا ہے۔ اس وقت وہ اس کے کام آتا ہے' اس کا علاج کرتا ہے' یہ اللہ کا نظام ہے۔ شیخ طبیب نہیں ہے' بیمار ہوا تو مرید علاج کر رہا ہے۔ اسی طرح مرید پہ کوئی مصیبت آتی ہے تو کبھی شیخ کی دعا کام کر جاتی ہے یا وہ مدد کرتا ہے۔ یہ سارا عالم اسباب کا لین دین ہے جو دو انسانوں کے درمیان ہوتا ہے۔

جو رشتہ مرید کا شیخ کے ساتھ ہے' وہ انس ایک دوسری چیز ہے جو وصول الٰہی کی طرف لے جاتی ہے' جو محبت الٰہی کی طرف لے جاتی ہے' جو محبت آقائے نامدار ﷺ کی طرف لے کر جاتی ہے' جو یقین بالآخرت کی طرف لے جاتی ہے۔ تو محض انس ہی نہ رکھا جائے بلکہ کسی کو اگر شیخ تسلیم کرنا ہے تو یہ دیکھا جائے کہ اس کے پاس بیٹھنے سے' اس کے ساتھ ملنے سے کتنے لوگوں کی قسمتیں بدلیں' کتنے بدکار نیک ہوگئے یا کتنے بے یقین تھے جنہیں یقین نصیب ہوگیا یا میری حالت پہلے کیا تھی اور اب مجھ میں کون سی مثبت تبدیلی آ رہی ہے۔ کیا میرا یقین و ایمان مضبوط ہو رہا ہے' مجھے اللہ کے ساتھ تعلق محسوس ہو رہا ہے' مجھے نبی کریم ﷺ سے محبت ہو رہی ہے اگر ایسا ہے تو پھر انس رکھے ورنہ دنیاوی چکروں کے لئے کسی انس کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کو جو نہیں مانتے ان کو بھی اللہ کریم نے دے رکھا ہے اور ان کے معاملات بھی چل رہے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ
سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا
يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ
يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا
صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ
فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا
وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ
تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ
وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع

ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کے راستہ میں، ایک دانہ کے مانند ہے جس سے سات بالیں اگیں، ہر بال میں سو دانے ہوں، اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے بڑھاتا ہے، اور اللہ وسعت والا جاننے والا ہے۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر نہیں رکھتے خرچ کرنے کے بعد کوئی احسان، نہ کوئی تکلیف (پہنچاتے ہیں)، ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اچھی بات کرنا اور درگزر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے بعد ایذا دینا ہو،

اور اللہ بے نیاز بردبار ہے۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور ایذا پہنچا کر ضائع نہ کرو‘ اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھلاوے کو خرچ کرتا ہے‘ اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا‘ پس اس کی مثال اس صاف پتھر جیسی ہے جس پر مٹی ہو‘ پھر اس پر تیز بارش برسے تو اسے چھوڑ دے بالکل صاف‘ وہ اس پر کچھ قدرت نہیں رکھتے جو انہوں نے کمایا‘ اور اللہ راہ نہیں دکھاتا کافروں کو۔ اور (ان کی) مثال جو اپنے مال اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اپنے دلوں کے ثبات و یقین کے لئے‘ (ایسی ہے) جیسے بلندی پر ایک باغ ہے اس پر تیز بارش پڑی تو اس نے دوگنا پھل دیا‘ پھر اگر تیز بارش نہ پڑی تو پھوار (ہی کافی ہے)‘ اور جو تم کرتے ہو اللہ دیکھنے والا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے؟ کہ اس کا ایک باغ ہو کھجور اور انگوروں کا‘ اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں‘ اس کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں‘ اور اس پر بڑھاپا آ گیا ہو‘ اور اس کے بچے بہت کمزور ہوں‘ تب اس پر ایک بگولا آ پڑا‘ اس میں آگ تھی تو وہ (باغ) جل گیا‘ اسی طرح اللہ تمہارے لئے نشانیاں واضح کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرو۔

خلاصۂ تفسیر ومعارف

حب مال اور انفاق فی سبیل اللہ

دنیا میں انسان کا سارا حیلہ مال جمع کرنے کے لئے ہوتا ہے بلکہ وہ سوچتا ہے کہ میرے بعد اتنی دولت میرے بچوں کو بھی مل جائے اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اولاد کو تنگ دستی اور بدحالی میں چھوڑنے سے انہیں دنیوی اعتبار سے خوشحال چھوڑنا اللہ کو پسند ہے۔ یہ ان کا حق بنتا ہے۔ ہر آدمی محنت کرے‘ رزق حلال کمائے‘ جائز طریقے سے کھائے اور اولاد کو دے کر جائے۔ افلاس کی نذر کرنے سے انہیں رزق دے کر مرنا اچھی بات ہے لیکن یہ بھی نہ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ ہی نہ کرے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ یقین بھی نصیب ہو جائے کہ آخرت ہے لیکن پھر بھی انسان کو مال کی محبت گرفتار رکھتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں کتنی نمازیں پڑھی جاتی ہیں الحمدللہ! لوگ بے نمازی بھی ہیں لیکن پھر بھی مساجد بھر جاتی ہیں۔ حج پہ اتنا رش ہوتا ہے کہ حکومت کو مصیبت پڑی ہوتی ہے۔ سارا سال لوگ عمرے کے لئے آتے رہتے ہیں اور لاکھوں افراد سارا سال سفر کرتے ہیں لیکن جب مال کی بات آتی ہے تو سارے ٹھس ہو جاتے ہیں۔ کتنے ایسے ہوں گے جنہوں نے سود نہیں لیا۔

گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک گناہ ہے جو وجود پہ طاری ہو جاتا ہے لیکن انسان توبہ کرتا ہے تو وہ گناہ مٹ جاتا ہے۔ دوسرا گناہ وہ ہے جو وجود کا حصہ بن جاتا ہے جیسے حرام کھایا۔ تو حرام جسم کا حصہ بن گیا۔ سود لیا اور اس کو سرمائے میں ملایا تو حلال کو بھی اس نے حرام کر دیا۔ ایک مٹکے پانی میں ایک بوند پیشاب کی ملا دی تو سارا ناپاک ہو گیا۔ حرام کھایا تو وہ گوشت بنے گا، خون بنے گا، رگوں میں دوڑے گا، دل میں دھڑکے گا، وجود کا حصہ بن جائے گا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ سرمائے کو اگر تم دوگنا تگنا چوگنا کرنا چاہتے ہو تو پھر ان لوگوں کی مثال بھی دیکھو جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ بھی اپنا سرمایہ بڑھاتے ہیں اور سود سے اتنا نہیں بڑھتا جس قدر ان کے سرمائے میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے كَمَثَلِ حَبَّةٍ جیسے کاشت کار ایک دانہ زمین میں بوتا ہے۔ اب ایک دانے پہ آپ فرض کر لیں کہ سات بالیں نکلیں، سات سٹے لگے۔ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ ہر بالی میں، ہر سٹے میں سو دانہ ہے تو ایک کے سات سو ہو گئے۔ قرآن نے تو ایک مثال دی ہے۔ ہمارے پاس پچھلے سال جو بیج تھا اس سے میں نے اکیس سٹے بھی گنے، تو ایک دانے سے کتنے دانے بنے! فرمایا: مال بڑھانا ہی چاہتے ہو تو ادھر منافع بے حساب ہے۔ اب یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ مال لٹا دیں۔ ہر جائز کام پہ خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے، حتیٰ کہ بال بچوں کو کھانا دینا بھی انفاق فی سبیل اللہ ہے، بیوی بچوں کے کپڑے بنانا بھی انفاق فی سبیل اللہ ہے، اپنی حیثیت کے مطابق ان کا گھر بنانا بھی انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ ہر جائز کام پہ خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے برابر ہے۔

نصاب کے مطابق زکوٰۃ دینے کے بعد باقی مال آپ کا ہے لیکن اسے خرچ آپ اس طرح کر سکتے ہیں جیسے آپ کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ مالک وہ ہے۔ جہاں وہ کہے وہاں خرچ کرو، جہاں سے روک دے وہاں نہ کرو۔ یہ سارا انفاق فی سبیل اللہ ہے اور اس پر ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

شہد اور زیتون سے عربوں کو بہت رغبت ہوتی تھی اور وہ چھوٹے چھوٹے مشکیزے بنا کر اپنے توشہ

خانوں میں رکھتے تھے۔ کسی خاتون کا بچہ بیمار ہوا تو وہ ایک چھوٹا سا برتن لائی اور اللہ کے ایک ولی سے تھوڑا سا شہد مانگا۔ تو انہوں نے پورا مشکیزہ عطا کر دیا۔ خادم نے حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا‘ اس نے اپنی حیثیت کے مطابق مانگا لیکن میں نے اپنی حیثیت کے مطابق دیا۔ اگر یہ عالم اس کے بندوں کی عطا کا ہے تو جب وہ عطا کرتا ہے تو کتنا بڑھا کر دیتا ہے! فرمایا: وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وہ جتنا چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے‘ کتنا زیادہ دیتا ہے‘ تم نہیں سمجھ سکتے۔ کوئی حد نہیں‘ کوئی پابندی نہیں اور کوئی اسے سمجھ نہیں سکتا۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے‘ وہ چاہے جتنا بڑھا دے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔

رزق کی تنگی وفراخی امتحان ہے

رب جلیل نے رزق کی تقسیم میں فرق رکھا ہے۔ اپنی بارگاہ سے کسی کو زیادہ دیتا ہے کسی کو کم ملتا ہے اور دونوں ہی امتحان آزمائش میں ہیں۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اللہ کسی کو فراخی رزق دے دیتا ہے اور کسی پر تنگی بھیج دیتا ہے۔ رزق صرف مال و دولت ہی نہیں ہے بلکہ ہر چیز اللہ کا دیا ہوا رزق ہے۔ انسان میں کوئی بھی وصف ہو تو وہ رزق ہے۔ کسی کے پاس دولت ہے‘ کسی کے پاس علم ہے‘ کسی کے پاس طاقت ہے‘ کسی کے پاس اقتدار ہے۔ اس نے جو بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں‘ یہ ساری رزق ہیں۔ کوئی بہت اچھی طرح سے بیان کر سکتا ہے اور کوئی اپنی حالت بھی بیان نہیں کر سکتا۔ کسی کو اقتدار و اختیار دیا ہے اور کسی کو بے بس بنا دیا ہے۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کسی کے پاس فراخی ہے تو وہ اس پہ اتراتا ہے‘ اسے اپنا کمال سمجھتا ہے یا اسے اللہ کی عطا سمجھتا ہے‘ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اسے اللہ کریم کی رضا کے حصول پہ خرچ کرتا ہے۔ جس پہ تنگی ہے اس کا امتحان یہ ہوتا ہے کہ وہ تنگی سے گھبرا کر اللہ کا در چھوڑ کر کہیں اور بھاگتا ہے یا اللہ کریم سے وابستہ رہتا ہے اور ہر حال میں اللہ ہی سے امید رکھتا ہے۔ جن کے پاس فراخی ہوتی ہے انہیں حکم دیا ہے کہ تنگدستوں کی مدد کریں‘ ان پر خرچ کریں اور اپنی ضرورت سے جو زائد ہے‘ دوسروں کو اس میں شریک کریں‘ دوسروں کا دکھ درد بانٹیں۔

انفاق کے ساتھ دل آزاری نہ کی جائے

انفاق فی سبیل اللہ کے ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی۔ بعض لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں‘ سرمائے سے‘ علم سے‘ سفارش کر کے‘ ملازمت دلا کر‘ کاروبار دلا کر لیکن وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے جس کا کام کیا ہے یا جس کی مدد کی ہے‘ اب یہ ہمارا زرخرید غلام ہو گیا ہے‘ ہم نے اس پر بہت احسان کیا ہے حالانکہ بات ایسی نہیں ہے۔ اس بندے پر اللہ کریم کا احسان ہے کہ اسے فراخی دی اور اس قابل بنایا کہ وہ دوسروں کی مدد کر

سکے۔ پھر اس کا دوسرا احسان ہے کہ اس نے اسے توفیق دی اور اس نے دوسروں کی مدد کی۔ لہٰذا اسے اللہ کریم کا زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے، نہ کہ بندوں پر اپنا احسان جتاتا پھرے اور انہیں اپنی بڑائی کا احساس دلاتا رہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ایسے لوگ جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى پھر وہ جس پر مال خرچ کرتے ہیں، اس پر نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ اس کے لئے باعث ایذا بن جاتے ہیں کہ جہاں چار آدمیوں میں بات ہو کہہ دیں کہ میں نے یہ کر دیا، بات بات پر اسے رسوا کریں اور باتوں باتوں میں اس پر احسان جتاتے رہیں۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے اللہ کی مخلوق پر خرچ کرتے ہیں اور پھر اسے اللہ کا احسان سمجھتے ہیں کہ اس نے رزق بھی دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ جہاں خرچ کرتے ہیں یا جس کی مدد کرتے ہیں، اس پر احسان نہیں جتاتے اور اس کے لئے باعث آزار نہیں بنتے۔ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ایسے لوگوں کے لئے اللہ کے پاس اس کی راہ میں خرچ کرنے کا بہت بڑا اجر ہے۔ یہ اس کا احسان ہے کہ مال بھی خود دیا، اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی خود دی اور اس پر مزید انعامات سے نواز رہا ہے اور ان پر ایسا احسان ہوگا کہ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ نہ انہیں خوف ہوگا نہ انہیں رنج ہوگا۔

انفاق فی سبیل اللہ سے قلبی سکون ملتا ہے

خوف ہوتا ہے آنے والے حادثے کا، جانے قبر میں کیا ہوگا، حشر میں کیا ہوگا، میرا خاتمہ کیسے ہوگا، انجام کیا ہوگا، آنے والی زندگی میں مجھے کن مصیبتوں سے سابقہ پڑے گا، فرمایا: انہیں ایسا خوف نہیں ہوگا۔ ان کے دل اللہ کی رحمت سے سکون پکڑیں گے اور اس خوف سے نجات پا جائیں گے۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ انہیں گزرے ہوئے وقت پر یا اپنے کئے ہوئے کام پر کوئی دکھ ہوگا یعنی نہ گذشتہ کا صدمہ ہوگا اور نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا۔ ان پر اللہ کی یہ عطا ہوگی۔

یہ یاد رکھیں! کہ اخروی اجر حقیقت ہیں، حق ہیں اور دائمی ہیں۔ دنیا میں حالات عارضی اور ایک طرح سے آخرت کا پرتو یا اس کا سایہ ہیں۔ جس بندے کی آخرت سنور جاتی ہے اسے اللہ کریم دنیوی زندگی میں سکون سے مالا مال کر دیتے ہیں، اسے اطمینان نصیب ہو جاتا ہے۔ اس پر انسانی حوادث بھی گزرتے ہیں، بیمار بھی ہوتا ہے، کبھی رزق کی تنگی آتی ہے، کبھی لوگ اس کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں، کبھی لوگ اس کے درپے آزار ہوتے ہیں۔ وہ ان سب آزمائشوں میں سے گزرتا ہے جن سے دوسرے لوگ گزرتے ہیں چونکہ انسانی زندگی ایک سیل رواں ہے جو گزر رہا ہے۔ ہر کوئی نیک و بد گرمی سردی سے گزرتا ہے۔ جس طرح نیک و بد پہ بارش بھی

ہوتی ہے اور سوکھا بھی آتا ہے، اسی طرح زندگی کے باقی حوادث میں بھی وہ لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ جس کی آخرت سدھر رہی ہو، اس کی آخرت کا پرتو اس کے دل کو سکون عطا کرتا ہے اور وہ مطمئن رہتا ہے۔ اگر آخرت بگڑ رہی ہو تو زندگی میں اس کے پاس دولت بھی ہو، اس کے محافظ بھی ہوں، اسے ساری سہولتیں بھی حاصل ہوں، صحت بھی ہو لیکن پھر بھی اس کے دل میں سکون نہیں ہوتا اور وہ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتا۔ ہر وقت ڈرتا رہتا ہے، خوف زدہ رہتا ہے اور اسے عجیب عجیب خیالات پریشان کرتے رہتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ میں صرف خیرات یا صدقات ہی نہیں ہیں بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جہاں بھی خرچ کیا جائے گا، وہ انفاق فی سبیل اللہ ہوگا، جہاں بھی شریعت کے مطابق خرچ کیا جائے وہ سارا انفاق فی سبیل اللہ ہے، پھر اللہ کی مخلوق پہ خرچ کیا جائے اور دوسروں کے دکھ درد بانٹے جائیں تو یہ بہت بڑی بات ہے، اس کا بہت بڑا درجہ ہے لیکن یہ نہ ہو کہ کسی کی تھوڑی سی مدد کرنے کے بعد ان پر احسان جتاتا پھرے اور انہیں اپنا غلام سمجھنے لگ جائے۔ جو انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا، اللہ اسے وہ سکون عطا کرے گا کہ نہ اسے گذشتہ کا کوئی افسوس ہوگا نہ آنے والے وقت کا ڈر ہوگا۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ ایسا صدقہ اللہ کے نام پر یا ایسا خرچ یا کسی کی ایسی مدد جس کے بعد اس پر احسان جتایا جائے یا اسے رسوا ہونا پڑے، اسے ایذا دی جائے تو اس سے بہتر ہے کہ کوئی اچھا سا کلمہ کہہ کر بہتر طریقے سے انکار کر دیا جائے۔ اس کی دل آزاری نہ کی جائے قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ اچھی سی بات کہہ کر درگزر کر لینا مال دے کر احسان جتانے سے بہتر ہے۔ خوبصورت طریقے سے انکار اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد اس بندے کو ایذا دی جائے یا اس پر احسان جتایا جائے۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ۝ اور یہ یاد رکھیں! اللہ خود غنی ہے اور ساری مخلوق کو دے رہا ہے۔ وہ محتاج نہیں ہے وہی دینے والا ہے۔ آپ نہیں دیں گے تو وہ کسی اور کے ہاتھ سے پہنچا دے گا۔ اس نے جو رزق اس تک پہنچانا ہے، کسی اور ذریعے سے پہنچا دے گا۔ حلیم اور وہ بہت بردبار ہے۔ انسانی کردار کو دیکھتا رہتا ہے اور اس پر اپنے کرم کا ہاتھ نہیں روکتا تاوقتیکہ اس کا وقت مقررہ آجاتا ہے، اعمال ختم ہو جاتے ہیں اور نتائج کا عالم شروع ہوتا ہے۔ اب اس نے جو از خود بویا ہے وہ اسے کاٹنا پڑ جاتا ہے۔

احسان جتانے یا ایذا پہنچانے سے صدقات ضائع ہو جاتے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ پھر خاص طور پر مومنین کو ارشاد ہوا۔ کافر بھی لوگوں کی بھلائی پر خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے بڑے بڑے شہروں میں ابھی تک ہندوؤں کے بنائے ہوئے

خیراتی ہسپتال اور خیراتی ادارے چل رہے ہیں۔ کنویں، تالاب بنا دیتے ہیں۔ اللہ ایسا کریم ہے کہ جو دوسروں کی بھلائی کے لئے کوئی کام کرتا ہے، خواہ کافر بھی ہو تو اس کی بھلائی کو ضائع نہیں فرماتا۔ بھلائی بھلائی ہے لیکن کافر کا نہ اللہ پر ایمان ہے، نہ آخرت پر، نہ اسے اخروی زندگی پر اعتبار ہے۔ یہ ساری چیزیں تب ہیں جب نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے اور اللہ کو ایسا مانے جیسا حضور ﷺ منواتے ہیں، آخرت کو ایسا مانے جیسا حضور ﷺ منواتے ہیں۔ اپنی مرضی سے مانتا رہے تو وہ نہ ماننے کے برابر ہے۔ اب چونکہ اسے آخرت کی ضرورت نہیں ہے لیکن بھلائی کرتا ہے تو اللہ کریم دنیا میں ہی اس کی بھلائی اس پہ لوٹا دیتے ہیں۔ کسی مصیبت سے بچا لیتے ہیں یا اس کا مقصد شہرت حاصل کرنا ہے تو اسے شہرت مل جاتی ہے اور دنیا میں ہی اس کا اجر مل جاتا ہے۔

یہاں مومنین کو ان سے الگ کر کے خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تو ایک عمومی بات تھی لیکن تم میں سے جو کوئی بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور سمجھتا ہے لوگوں کی بھلائی کے لئے کر رہا ہوں تو وہ لوگوں پر احسان نہ جتائے۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ یاد رکھو اللہ کی راہ میں جو صدقہ کرتے ہو، اسے احسان جتا کر یا دوسرے کے لئے باعث ایذا بنا کر باطل نہ کرو۔ اگر دوسرے پر احسان جتایا جائے یا اسے باتوں باتوں میں رسوا کیا جائے یا سر مجلس اظہار کیا جائے کہ یہ بڑی مشکل میں تھا، اس کا علاج میں نے کرا دیا، بڑی مشقت میں تھا میں نے اسے فلاں مصیبت سے نجات دلا دی، اس کے گھر فاقے چل رہے تھے میں نے اسے غلہ دے دیا تو باتوں باتوں میں کوئی رسوا نہ کرے یا اس پر اپنی بڑائی کا اظہار نہ کرے ورنہ وہ صدقہ باطل ہو جاتا ہے، وہ نیکی ضائع ہو جاتی ہے۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ احسان جتا کر یا کسی کو ایذا دے کر اپنی خیرات کو ضائع نہ کرو، باطل نہ کرو۔

جو صدقہ کر کے یا اللہ کی راہ میں مدد کر کے احسان جتاتا ہے، كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے وہ مال اللہ کو راضی کرنے کے لئے یا آخرت میں اجر پانے کے لئے نہیں بلکہ لوگوں پر سبقت کے لئے اور انہیں دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے۔ جو بندہ دکھاوے کے لئے کام کرتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا اللہ پر، آخرت پر ایمان نہیں ہے۔ اگر اللہ پر ایمان ہوتا تو اللہ کی رضا کے لئے کرتا، آخرت پر ایمان ہوتا تو آخرت میں نجات کے لئے اور آخرت میں اجر کے لئے کرتا۔ جب وہ لوگوں پر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے اور دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے تو اسے اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین نصیب نہیں ہے۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چٹان ہو۔ عَلَيْهِ تُرَابٌ اور اس چٹان پر تھوڑی

بہت مٹی پڑی ہوئی ہو۔ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ کوئی اس مٹی میں ہل چلائے پھر اس میں بیج ڈالے‘ فصل کاشت کرے اور ایسی بارش ہو کہ وہ ساری مٹی بھی اور بیج بھی‘ سب کچھ بہا کر لے جائے اور پیچھے خالی چٹان رہ جائے۔ اس نے لوگوں کو دکھاوے کے لئے جو صدقہ کیا‘ خیرات کی اور اس کا احسان لوگوں پر جتایا تو وہ ایسے ہے جیسے کسی چٹان پر تھوڑی بہت مٹی تھی‘ اس نے اس میں ہل چلایا‘ بیج بھی ڈالا‘ محنت بھی کی لیکن جب بارش ہوئی تو بجائے کھیتی اگنے کے وہ ساری مٹی بہا کر لے گئی اور چٹان باقی رہ گئی۔ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ اسی طرح آخرت میں ان کے ہاتھ کچھ نہیں لگے گا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور جب تک اللہ پر کسی کو یقین نہ ہو تو اسے صحیح کام کرنے کی سمجھ ہی نہیں آتی۔ کوئی بھی کام کرنے کا صحیح طریقہ ہدایت کہلاتا ہے۔ عقائد و نظریات سے لے کر کردار تک‘ اخلاق و عادات سے لے کر گفتار تک جو صحیح ہے وہ ھدیٰ یا ہدایت کہلاتا ہے اور جب تک اللہ کی عظمت پر کسی کو یقین نہ ہو‘ وہ اس میں وہ صلاحیت ہی پیدا نہیں فرماتا کہ اسے صحیح طریقہ اور صحیح سلیقہ سمجھ میں آئے۔ وہ غلط کرتا ہے لیکن اس غلطی پر نازاں رہتا ہے اور سمجھتا ہے میں نے بڑا تیر مار لیا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور ایسے انکار کرنے والوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ یہاں اللہ نے ایسے ناشکروں کو کافر کہا۔ اللہ اپنے ناشکروں کو صحیح سلیقہ اور صحیح طریقہ نہیں سمجھاتے بلکہ ان کی وہ صلاحیت ہی مفقود ہو جاتی ہے کہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکیں۔ صدقات یا نیکی یا بھلائی کے لئے بھی بنیادی شرط اللہ کے ساتھ ایمان ہے۔ نیکی اللہ کی رضا کے لئے کی جائے تو نیکی ہوگی اور ذاتی شہرت کے لئے یا دوسروں پر احسان جتانے کے لئے کی جائے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کا اللہ پر اور آخرت پر ایمان کمزور ہے یا نہیں ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ لیکن جو لوگ اپنا مال‘ اپنی قوتیں اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اگرچہ انہیں خود مشکلات سے بھی گزرنا پڑے‘ اپنی جان تکلیف میں ڈالنی پڑے لیکن وہ اللہ کی رضا کے لئے دوسروں کے کام آتے ہیں‘ اپنا مال خرچ کرتے ہیں‘ اپنی جان راہ حق میں دیتے ہیں تو ان کی مثال ایسی ہے۔ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ جیسے ایک بہت ہی اعلیٰ زمین پر باغ ہو۔ عام تفاسیر میں تو اونچائی یا پہاڑی یا چوٹی پر لکھ دیا جاتا ہے لیکن‘ صاحب تفسیر مظہری نے بِرَبْوَةٍ کا مفہوم یہ لکھا کہ جیسے دریا یا نہر ہو اور کوئی زمین ایسی ہو جو اس کے کناروں سے نیچی بھی نہ ہو کہ اس میں پانی آئے اور پھر وہیں کھڑا رہے اور اتنی اونچی بھی نہ ہو کہ وہاں پہنچ نہ سکے بلکہ اس کے کناروں کے برابر ہو جس میں نہر کا پانی ضرورت کے مطابق لگا لیں اور ضرورت کے

بعد بند کر دیں۔ جو زرخیز بھی ہو اور جس کا آب رسانی کا طریقہ بھی نہایت موزوں ہو یعنی بہترین زمین ہو تو اسے ربوہ کہا جائے گا۔ فرمایا جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اپنی جان پر تکلیف بھی سہہ لیتے ہیں، مشکلات بھی جھیلتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ راضی ہو، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بہترین زمین پر باغ ہو، پھر اس پر بارشیں برسیں اور وہ زیادہ سے زیادہ پھل دے۔ ضِعْفَيْنِ ۚ اس کا پھل دوگنا بڑھ جائے۔

فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ اور وہ ایسی خوبصورت وادی میں ہو کہ جہاں بارش نہ بھی ہو تو ہواؤں کی نمی فصل کو پکانے کے لئے کافی ہو جائے۔ اتنی بہترین زمین اور ایسی خوبصورت وادی ہو کہ اگر بارشیں نہ بھی ہوں تو اس کی فصل کبھی خراب نہ ہو۔ جو اللہ کی راہ میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں، اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق، آپ ﷺ کے ارشاد عالی کے مطابق اپنی قوتیں، اپنا اقتدار و اختیار، اپنا مال اللہ کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہیں، مثال اس باغ کی ہے جو کسی بہترین وادی میں، بہترین زمین پر ہو اور جس پر ہمیشہ بارشیں برسیں اور جو دوسروں کی نسبت کئی گنا زیادہ فصلیں دے اور اگر بارش نہ بھی ہو تو ہوا میں جو نمی ہوتی ہے، وہ بھی اس کی فصل کو پکانے کے لئے کافی ہو جائے اور کبھی اس کی فصل قحط سالی کی نذر نہ ہو۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ہر ایک کے کردار، اس کے ارادے اور نیت کو اللہ کریم خود ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ وہ خود دیکھ رہا ہے کہ کس نیت سے کوئی کیا کر رہا ہے، کس ارادے اور کس خلوص کے ساتھ کیا خرچ کر رہا ہے تو اس کے مطابق وہ اس پر اجر مرتب فرماتا ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ بھلا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں کا اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لئے ہر قسم کے میوے ہوں۔ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ښ اور اس پر بڑھاپا آ جائے، بڑھاپے کی احتیاج ہو اور ننھے ننھے بچے بھی ہوں، اہل و عیال ہوں فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ اس حالت میں اس کے باغ میں کوئی بگولا داخل ہو جس میں آگ بھری ہوئی ہو اور وہ سارے باغ کو جلا کر راکھ کر دے۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اس طرح اللہ اپنی آیتیں تم پر کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور کرو۔

اللہ کریم نے اس کی مثالیں بھی دیں اور یہ بھی فرمایا کہ کسی کے ساتھ نیکی کر کے اس پر احسان نہیں جتانا چاہیے چونکہ نیکی اللہ کریم کی رضا کے لئے کی جاتی ہے، دوسرے کو ممنون کرنے کے لئے نہیں۔ اگر کوئی کسی کے ساتھ بھلائی کرے اور اس پر احسان جتائے، تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے فرمایا: اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ

جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ تم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس نے زندگی بھر محنت کر کے ایک باغ لگایا ہو اس میں طرح طرح کے پودے اور پھل ہوں' اس میں ہر جگہ اس نے پانی پہنچایا ہو اور وہ بڑا خوبصورت اور بہت پھل دینے والا باغ ہو' ہر طرح کے پھلوں سے درخت لدے ہوئے ہوں اور اس ساری محنت میں اس کی عمر لگ جائے' اس کی جوانی لگ جائے' اس کی توانائیاں صرف ہو جائیں۔ اَصَابَهُ الْكِبَرُ اور وہ بوڑھا ہو جائے۔ تو کوئی ایسا بگولا آئے جس میں آگ ہو اور وہ اس سارے باغ کو راکھ کر دے اور کچھ بھی نہ بچے۔ اب اس میں دوبارہ کام کرنے کی نہ ہمت ہے' نہ وہ قوت ہے' نہ وہ وسائل دستیاب ہیں تو فرمایا ایسا تو کوئی بھی نہیں چاہے گا۔ تو جو نیکی کر کے یا کسی کے ساتھ احسان کر کے یا اللہ کے کسی بندے کی بھلائی کر کے' مدد کر کے اس پر احسان جتاتا ہے تو خواہ وہ زندگی بھر یہ نیکی کرتا رہے لیکن اسے اپنا احسان سمجھتا رہے اور دوسرے پر احسان جتاتا رہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس نے اچھا باغ لگایا لیکن احسان جتایا تو وہ ایک ایسا بگولا ہے کہ جس میں آگ ہے اور جس نے ساری نیکیوں کو اس کے پھلوں سمیت جلا کر راکھ کر دیا۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ○ اللہ تمہارے لئے اس طرح سے وضاحت کے ساتھ مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ان پر غور و فکر کرو۔ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ○ تم بیٹھ کر خود سوچو' اللہ نے تمہیں شعور دیا ہے' عقل دی ہے۔

فہم قرآن

خود کو قرآن حکیم کا مخاطب سمجھو

قرآن حکیم انسانیت کے لئے کتاب ہدایت ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو آیہ کریمہ پڑھی جائے اس پر غور و فکر کیا جائے۔ ہر آیہ کریمہ ایک آئینہ ہے اور اپنے آپ کو اس آئینے کے سامنے کھڑا کر کے دیکھا جائے۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس کی کسی ایک آیت کی تفصیل میں جائیں تو اس میں پوری زندگی کا خاکہ نظر آ جاتا ہے۔ ہر آیت پوری زندگی کے لوازمات کو زیر بحث لے آتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آدمی اس پہ غور و فکر کرے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرے۔ اس کے برعکس قرآن حکیم کے ساتھ ہمارا تعلق اس طرح سے ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ تلاوت کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن سمجھنے کے لئے کم ہی پڑھتے ہیں۔ قرآن حکیم کی تلاوت میں سب سے ضروری اور سب سے اہم بات یہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ قرآن حکیم کو جب پڑھیں تو اس نظر سے

پڑھیں کہ یہ اللہ کریم کا حکم ہے اور میرے لئے ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرما رہا ہے، کلام فرما رہا ہے اور میں اس کا مخاطب ہوں، میرے ساتھ بات ہو رہی ہے۔

اب یہاں جو مثال دی گئی ہے تو اسے دوسروں پر منطبق نہ کرتے پھریں، اپنے آپ پر منطبق کریں۔ اللہ کریم مجھے کہہ رہا ہے کہ اگر تم زندگی بھر ایک باغ لگاتے رہو اور بوڑھے ہو جاؤ اور تمہارے بچے کم عمر ہوں اور وہ باغ بڑا پر بہار ہو اور پھلوں سے لدا ہوا ہو اور کوئی ایسا بگولا آئے جو اسے جلا کر راکھ کر دے، تو تمہارا کیا حال ہو گا! یہی حال اس شخص کا ہو گا جو زندگی بھر اللہ کے نام پر قوتیں صرف کرتا رہا لیکن ہر کام کرنے کے بعد لوگوں پہ احسان جتاتا رہا کہ میں نے تمہارے ساتھ یہ بھلائی کی، لہٰذا تمہیں میری بات ماننی چاہیئے، اب تمہیں میرا غلام رہنا چاہیئے۔ جب اپنے احسان لوگوں پر جتاتا رہا تو اس نے وہ نیکی اللہ کے لئے نہیں، لوگوں کے لئے کی، کتابیں لکھتا رہا، زندگی بھر اپنی طرف سے انصاف کرتا رہا یا جو کچھ بس میں تھا وہ کرتا رہا لیکن جب آنکھ بند ہوئی، اللہ کریم کے ہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ اللہ کے لئے تو کچھ نہیں کیا۔ لوگوں پر احسان کرتے رہے اور ان سے اپنی بڑائی منواتے رہے تو پھر کیا ہو گا!

جو بھی آیہ کریمہ آئے، اسے یہ سمجھا جائے کہ قرآن مجھے مخاطب کر کے بات کر رہا ہے۔ ہم قرآن کو اپنے آپ پر لاگو کریں لیکن ہم بے فکر ہو جاتے ہیں کہ یہ آیت کافروں کے بارے میں ہے، یہ آیت صحابہ کے بارے میں ہے، یہ فلاں کے حق میں ہے۔ قرآن کریم کا مخاطب بنی نوع آدم علیہ السلام کا ہر فرد ہے، میں بھی، آپ بھی، جو گزر گئے وہ بھی اور جو آنے والے ہیں وہ بھی۔ روئے زمین کے سارے انسان قرآن کے مخاطب ہیں خواہ وہ قرآن کے خلاف ہیں۔ قرآن انہیں دعوت عمل دے رہا ہے۔ ان میں سے جو بھی قرآن کو قبول کر لے، اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہے۔ باب توبہ کھلا ہے۔ قرآن سب کو مخاطب کرتا ہے لہٰذا ہم جب قرآن سناتے ہیں، سنتے ہیں تو میں یہ نہ سمجھوں کہ میں آپ کو تلقین کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو بھول جاؤں اور آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے وعظ سن لیا اور ہم بخشے گئے۔ میاں! بخشش کی بات عمل پر ہو گی۔ وعظ وہ ہے جسے سن کر عملی زندگی میں تبدیلی آئے۔ اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کے علاوہ کسی کے پاس بھی کوئی چارہ کار نہیں، جب آنکھ بند ہو گی تو یہ حقیقت سامنے ہو گی۔

حضور ﷺ ہی شارح قرآن ہیں

یہ بات یاد رکھیے کہ حضور اکرم ﷺ کا منصب جلیلہ صرف قرآن حکیم کو پہنچانا ہی نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے وحی سنی اور مخلوق تک پہنچا دی بلکہ مفاہیم قرآن پہنچانا بھی نبوت ہی کی ذمہ داری ہے۔ قرآن

سے کیا مراد ہے، قرآن کی کس آیت سے کیا حکم ملتا ہے اور اس کا تقاضا کیا ہے؟ خود قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ کہ آپ ﷺ لوگوں کو یہ سمجھائیں کہ جو ان پر نازل کیا گیا ہے، اس کا تقاضا کیا ہے؟ وہ ان سے کیا چاہتا ہے اور اس پر عمل کیسے ہوگا؟ مفاہیم اور معانی بھی وہی معتبر ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے سمجھائے اور متعین فرمائے اور جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے سمجھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جس نے قرآن حکیم حضور ﷺ کی زبان حق ترجمان سے سنا اور سمجھا۔ اس کے معانی حضور اکرم ﷺ سے سمجھے اور پھر ان پر حضور اکرم ﷺ کے سامنے عمل کیا۔ لہٰذا قرآن حکیم کا وہی معنی معتبر ہوگا جو حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہوا اور صحابہ کے عمل سے ثابت ہو۔ قرآن کا وہ معنی قیامت تک معتبر ہوگا ورنہ عربی تو کثیر المطالب زبان ہے۔ عربی میں بعض ایسے ایسے الفاظ ہیں جن کے دو دو سو تک معانی ہیں۔ بعض اوقات عربی کا ایک لفظ متضاد معانی دیتا ہے جیسے مولا، مولا کا معنی آزاد کردہ غلام بھی ہے اور مولا کا معنی مالک بھی ہے۔ اب مالک ہونا اور غلام ہونا، ان میں کتنا فاصلہ ہے! اب جہاں یہ لفظ قرآن حکیم میں استعمال ہوگا تو کون بتائے گا کہ یہ کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟ یہ بتانا اللہ کے نبی ﷺ کا منصب جلیلہ ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ کہ آپ ﷺ لوگوں کو سمجھائیں کہ ان کی طرف کیا نازل ہوا اور اس کا تقاضا کیا ہے؟

عرب بہت بڑے صاحب زبان تھے اور وہ عرب کے علاوہ باقی دنیا کو عجم کہتے تھے، یعنی بے زبان، گونگے جیسے باقی دنیا کے پاس زبان نہیں ہے۔ عربوں میں اللہ کریم نے وہ فہم و شعور بخشا تھا کہ کنیزیں اور غلام بھی بات بات پہ شعر کہہ دیتے تھے جو آج تک اوراق کی زینت ہیں اور فن شاعری میں رہنمائی کرتے ہیں۔ جب قرآن حکیم کی بات آتی، حضور اکرم ﷺ کوئی آیہ کریمہ تلاوت فرماتے کہ یہ وحی نازل ہوئی ہے تو کئی دفعہ حضور اکرم ﷺ نے اکابر صحابہ پہ سوال کیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ ساری زبان دانی کے باوجود سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حضرات عرض کرتے: الله و رسوله اعلم۔ اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے۔ ہم نے یہ آیہ کریمہ سن لی لیکن اس سے مراد کیا ہے، یہ اللہ جانتا ہے یا اللہ کا حبیب ﷺ۔ آپ ﷺ بتائیں گے تو سمجھ آئے گی۔ جب ان ہستیوں نے اپنی طرف سے معنی گھڑنے کی کوشش نہیں کی تو پھر دوسرا کون ہے جو اپنی طرف سے معنی بتائے یا یہ کہہ دے کہ آج اس آیت کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن کے متعلق ایک منفی طرز فکر

ٹیلی ویژن پر قرآن کریم کی تشریح سنتے ہوئے اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ عربی لغت کی مدد سے

معانی گھڑ کر اور صرف ونحو کو درمیان میں لا کر قرآن حکیم کو اپنی مرضی کے معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک مشہور دانشور اور عالم اسی طرح قرآن حکیم کی تشریح فرما رہے تھے تو سامعین میں سے کسی نے سوال کر دیا کہ اس آیہ کریمہ کا مفہوم آج کے عہد میں کیا ہے۔ انہوں نے بڑا سادہ سا جواب دیا کہ یہ آیہ کریمہ اس زمانے کے لئے تھی۔ قرآن کو اگر اس طرح سے سمجھا جائے تو پھر کسی بھی حکم یا کسی بھی آیت کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو اس زمانے کے لئے تھی، آج تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی بات غلام احمد پرویز نے کہی تھی کہ اس عہد میں قرآن کا جو مطلب سمجھا گیا، اس پر جس طرح عمل کیا گیا، وہ اس عہد کے لئے تھا اور آج کے عہد کے لئے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی ضرورت کے مطابق اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ طرز فکر اس حقیقت سے انکار ہے کہ شارح قرآن صرف آقائے نامدار ﷺ ہیں۔ فرائض نبوت میں قرآن پہنچانا ہی نہیں بلکہ اس کی وضاحت فرمانا بھی ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

خبر اور احکام

قرآن میں دو طرح کی آیات ہیں۔ ایک آیت خبر سے تعلق رکھتی ہے اور ایک حکم سے۔ خبر کبھی تبدیل نہیں ہوتی، خبر ہمیشہ ایک ہی اور سچی ہوتی ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یہ وہ کلمہ ہے جو آدم علیہ السلام نے بھی پڑھا اور پڑھایا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وہی کلمہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے پڑھا اور پڑھایا۔ اپنے زمانے میں جن رسولوں کو یہ منصب جلیلہ عطا ہوا، انہوں نے بھی اپنی نبوت کا اعلان اسی جملہ سے فرمایا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ آدَمُ صَفِيُ اللّٰهِ. اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللّٰهِ، اِسْمَاعِيْلُ ذَبِيْحُ اللّٰهِ، مُوْسٰى كَلِيْمُ اللّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ اس زمانے میں وہ نبی تھے، اپنے زمانے میں حضور رسالت مآب ﷺ ساری کائنات کے لئے نبی مبعوث ہوئے۔

خبر تبدیل نہیں ہوتی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ خبر تھی، تبدیل نہیں ہوئی۔ آخرت خبر ہے، اس کا عقیدہ تبدیل نہیں ہوا۔ فرشتوں کا وجود خبر ہے، تبدیل نہیں ہوا۔ رہے احکام تو پہلی شریعتوں میں مختلف تھے۔ وہ شریعتیں مخصوص لوگوں کے لئے، مخصوص ملکوں کے لئے تھیں جو منسوخ ہو گئیں۔ دوسری شریعت دوسرے لوگوں کے لئے آئی، اس میں احکام مختلف تھے۔ چونکہ حکم ایک وقت میں ایک درست ہے، دوسرے وقت میں دوسرا درست ہے۔ اس لئے ضرورت کے مطابق احکام بدلتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ آخری امت میں جو شریعت آئی اس میں اس کے اپنے احکام ہیں۔ ایسے احکام بھی ہیں جو پہلے بھی موجود تھے۔ بنیادی اور اصولی طور پر احکام وہی ہیں لیکن آگے ان کی تفصیلات میں فرق ہے جیسے اللہ کریم فرماتا ہے کہ رمضان ہر امت پر فرض ہوا لیکن ان

کے روزوں کی حدود و قیود اپنی تھیں۔ رمضان ہم پر بھی فرض ہے لیکن ہماری حدود و قیود اپنی ہیں۔ قرآن حکیم میں کچھ آیات ایسی ہیں جن کے احکام منسوخ ہو گئے تلاوت باقی ہے لیکن ان کی علمائے حق نے تعیین کر دی ہے۔ کچھ ایسی ہیں جن کا حکم باقی ہے' تلاوت منسوخ ہو گئی اس کی بھی تعیین علمائے حق نے اور صحابہ کرام نے کر دی۔ اب کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے کوئی ابہام ہو اور کسی شخص کو اس کے بارے فیصلہ کرنا ہو۔ لہٰذا معنی وہی معتبر ہوں گے جو آقائے نامدار ﷺ نے سمجھائے' صحابہ کرام نے سمجھے۔ حضور ﷺ کے سامنے ان پر عمل کیا اور حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ
اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝٢٦٧ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ
الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝٢٦٨ ۙ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ
خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝٢٦٩ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ
نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝٢٧٠ اِنْ
تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝٢٧١ لَيْسَ
عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝٢٧٢

اے ایمان والو! خرچ کرو! اس میں سے پاکیزہ چیزیں جو تم کماؤ' اور اس میں

سے جو ہم نے نکالا تمہارے لئے زمین سے‘ اور اس میں سے گندی چیز خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو جبکہ تم خود اس کو لینے والے نہیں‘ مگر یہ کہ تم چشم پوشی کر جاؤ اور جان لو کہ اللہ بے نیاز‘ خوبیوں والا ہے۔ شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے‘ اور اللہ وسعت والا‘ جاننے والا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے حکمت (دانائی) عطا کرتا ہے‘ اور جسے حکمت دی گئی‘ تحقیق اسے بہت بھلائی دی گئی اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا۔ اور جو تم کوئی خیرات کرو گے یا تم کوئی نذر مانو گے‘ تو بے شک اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ اگر تم خیرات ظاہر (علانیہ) دو تو یہ اچھی بات ہے‘ اور اگر تم اس کو چھپاؤ اور تنگدستوں کو پہنچاؤ تو وہ تمہارے لئے (زیادہ) بہتر ہے‘ اور وہ دور کرے گا تمہارے گناہ‘ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ ان کی ہدایت آپ کا ذمہ نہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے‘ اور تم جو مال خرچ کرو گے تو اپنے (ہی) واسطے‘ اور خرچ نہ کرو مگر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے‘ اور تم جو مال خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا ملے گا‘ اور تم پر زیادتی نہ کی جائے گی۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

اللہ کی راہ میں بہتر مال دو

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ۔ ہم جو کچھ جمع کرتے ہیں‘ جو کام بھی ہم کرتے ہیں‘ اپنے لئے کرتے ہیں اپنے لئے بہتر چاہتے ہیں۔ اپنے کھانے کے لئے ہم نفیس کھانا بنواتے ہیں اور کوئی اللہ کے نام پر مانگنے آ جاتا ہے تو بچا کھچا‘ باسی یا گلا سڑا اٹھا کے دے دیتے ہیں۔ اپنے پہننے کے لئے بہترین لباس بناتے ہیں لیکن اللہ کی راہ میں پرانے جوتے‘ پھٹے ہوئے کپڑے یا بیکار چیزیں دیتے۔ ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جب تم

اپنے لئے اچھا چاہتے ہو تو جو اللہ کے نام پر خرچ کرتے ہو وہ اس سے اچھا ہونا چاہیے جو تمہارے اپنے لئے ہو۔

انفاق فی سبیل اللہ محبوب کی خدمت میں تحفہ ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا یہاں عام انسانیت کو خطاب نہیں فرمایا۔ ان لوگوں کو خطاب فرمایا جو اس کے بندے ہیں، جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، جو اس کے نبی ﷺ کے دامان شفقت سے وابستہ ہیں۔ فرمایا: تمہارا جب ایمان ہے مجھ پر، میرے محبوب ﷺ پر، میری کتاب پر اور تم مجھے اپنا خالق، مالک اور رازق یقین کے ساتھ مانتے ہو تو پھر جو میرے لئے دیتے ہو کیا وہ اس سے بہتر ہوتا ہے جو اپنے لئے استعمال کرتے ہو؟ ہم شاید روزانہ دال ساگ کھا کے گزارہ کر لیتے ہوں لیکن کوئی مہمان آ جائے تو یقیناً اہتمام کریں گے کہ اس دال ساگ کی بجائے بہتر کھانے کا بندوبست کریں۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا یہ صرف مومنین سے فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں جب یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا کہا جاتا ہے تو منظر ایسا بن جاتا ہے کہ مومن طالب حق ہے، وصل الٰہی کا متلاشی ہے، اللہ کے جمال کو پانے کے لئے بے تاب و بے قرار ہے۔ وہ جان دے سکتا ہے، اس کے لئے سارا گھر لٹوا سکتا ہے، اس کے پاس جو کچھ ہے وہ نچھاور کر سکتا ہے کہ اسے جمال الٰہی کی جھلک نصیب ہو جائے، اسے جل شانہٗ کی رضا نصیب ہو جائے، قرب الٰہی نصیب ہو جائے۔ وہی محبوب اسے خود کہہ رہا ہے کہ اے میرے دیوانے، اے میرے چاہنے والے، جو میرے لئے بھیج رہا ہے وہ اس سے تو اچھا، ہونا چاہیے جو تو خود استعمال کر رہا ہے۔ کتنے مزے کی بات ہے کہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ نہیں فرمایا، نہ ماننے والوں سے بات نہیں کی، یہاں ان سے بات کی ہے جو اس کے جمال کے طالب ہیں، جو اس کے قرب اور وصال کے طالب ہیں، جو اس کے عاشق ہیں جو اس کے نام پہ جان لٹا سکتے ہیں، ان سے بات کر رہا ہے کہ اے میرے چاہنے والو! جو میرے نام پہ دیتے ہو وہ اس سے تو بہتر ہونا چاہیے جو تم خود استعمال کرتے ہو۔ ہم اپنی ساری زندگی میں دیکھیں اور اپنے طرز عمل کا جائزہ لیں سوائے شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

آج تک ہم نے اللہ کی راہ میں کتنا صرف کیا؟ کیا صرف کیا؟ میں نہیں سمجھتا کہ کبھی کسی نے یہ کوشش کی ہو کہ جو میں پہنتا ہوں اس سے بہتر اللہ کے نام پہ دوں۔ جو میں کھاتا ہوں اس سے بہتر اللہ کی راہ میں کسی کو کھلاؤں۔ کوئی بڑا دنیادار آ جائے تو اپنے سے بہتر کھلا دیتے ہیں لیکن اللہ کے نام پر بہت مشکل ہے۔ وہ بڑے پیار سے فرما رہا ہے کہ تم تو میرے طالب ہو، تمہارا دعویٰ تو عشق کا ہے، تم تو قیامت کا انتظار کر رہے ہو کہ وہاں میرا دیدار ہوگا۔ میرے نام پہ تم جو کوشش کرتے ہو، مال خرچ کرتے ہو، کوئی چیز بھی دیتے ہو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ جو کچھ کماتے ہو اس میں سے خوبصورت چیز میرے نام پہ دو۔ جو کچھ تمہارے پاس

ہے اس میں سے اپنے سے بہتر میرے نام پہ دیا کرو۔

وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ جو کچھ ہم تمہیں زمین سے پیداوار یا خزانے یا فصل دیتے ہیں تو بہتر اور اچھی چیز میرے نام پہ دیا کرو۔ یہ نہ ہو کہ زمین سے عشر دینا ہے تو جس طرف سے خراب گندم آئے وہ عشر میں دے دو اور جو اچھے دانے آئیں، غلہ آئے وہ گھر بھیج دو۔ جو پھٹا کپڑا آئے وہ اللہ کی راہ میں دے دو اور جو اچھا آئے وہ خود استعمال کرو۔ فرمایا: اس ضرورت مند کو چھوڑ دو جسے دے رہے ہو، تم اسے تو نہیں دے رہے، اس پر احسان نہ کرو کہ میں تمہیں دے رہا ہوں، تم تو مجھے دے رہے ہو۔ بندے پر تمہارا کوئی احسان نہیں ہے تو طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ بہترین، طیب، اچھی چیز میری راہ میں خرچ کیا کرو۔ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ خراب، گلی، سڑی، گندی اور بیکار چیزوں کو اس میں نہ ملایا کرو۔ خود تمہیں بھوک لگے تو جلی ہوئی روٹی لینا نہیں چاہتے۔ گھر والے اگر باسی سالن دیں تو ناراض ہو جاتے ہو لیکن اللہ کی راہ میں دیتے وقت باسی کیوں دیتے ہو؟ ایسا لباس جو کوئی تمہیں دے تو تمہیں پہننے میں عار محسوس ہو اسے اللہ کی راہ میں دینے کا کیا حاصل ہوگا! یعنی جو چیز تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہو، میری راہ میں ایسی چیزیں خرچ نہ کرو۔

زندگی اور زندگی کی ہر چیز اللہ کی عطا ہے

اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝ اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تمہارا محتاج نہیں ہے۔ اسے تمہاری دی ہوئی چیزوں کی ضرورت نہیں ہے، نہ اس کی مخلوق تمہاری محتاج ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ ایک وقت کوئی ایک شخص زکوٰۃ کا مستحق ہوتا ہے اور چند روز بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ملک پر حکمران ہوتا ہے۔ ایک شخص قید خانے میں ہے اور اس پہ زکوٰۃ لگ سکتی ہے، پھر دیکھتے ہیں کہ اسے قید خانے سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ ایک لمحے میں ایک شخص تخت پہ ہوتا ہے اور دوسرے لمحے ہم دیکھتے ہیں کہ پھانسی پہ جھول رہا ہوتا ہے۔

وہ قادر ہے، پل بھر میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ مخلوق اس کی ہے، کس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا ہے، یہ اس کا فیصلہ ہے۔ جو کچھ تم اس کے نام پہ کرتے ہو، وہ مخلوق سے نہیں اللہ سے کرتے ہو۔ پیسہ خرچ کرتے ہو تو بہتر انداز سے، پیار سے اور شفقت سے، حلال اور طیب دو۔ اللہ کے نام پر بہترین چیز دو۔ یہ جان رکھو کہ محتاج تم ہو، وہ نہیں ہے۔ یہ تو اس کا کرم ہے کہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے، اس کا دیا ہوا ہے۔ اس میں سے اس کے نام پہ کچھ دیتے ہو تو اس پہ بھی وہ تم پہ رحم فرماتا ہے حالانکہ تم نے اپنے پلے سے کچھ نہیں دیا۔ اگر جان بھی کوئی دے دے تو:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ اور یہ بات ذہن میں رکھو اللہ غنی بھی ہے اور وہ تمام تعریفوں، تمام خوبیوں کا مالک ہے۔ حمید ہے اس کی ذات، ہر کمال اس کی ذات کا ہے۔

انفاق کے خلاف شیطان کے ہتھیار، افلاس کا ڈر اور بے حیائی

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ انفاق فی سبیل اللہ سے روکنے کے لئے شیطان کے طریقہ واردات دو ہیں۔ اگر اللہ کے نام پر خرچ کرنے لگو تو وہ فقر اور مفلسی کا درس دیتا ہے کہ تم خود کیا کرو گے؟ تمہارے بال بچے ہیں، اتنی زکوٰۃ دو گے تو تمہارے پاس کیا بچے گا؟ تم خود مفلس ہو جاؤ گے۔ شیطان افلاس سے ڈراتا ہے لیکن بندہ مومن جانتا ہے کہ میں ساتھ لے کر نہیں آیا تھا۔ جس نے پہلے دیئے ہیں وہ پھر بھی دے گا۔ میں تو بے لباس، خالی ہاتھ دنیا میں آیا تھا، اس نے مجھے بے شمار نعمتیں دیں اور جب ضرورت ہو گی، وہی دے گا۔ لہٰذا جس طرح حکم ہے، خرچ کروں گا۔ یہ شیطان کا وار ہے کہ وہ ڈراتا ہے کہ خرچ کر دو گے تو پھر خود کہاں سے لو گے۔ اتنی زکوٰۃ ہر سال دو گے تو باقی کیا بچے گا۔ اللہ کے نام پر خرچ کرتے رہو گے تو کنگال ہو جاؤ گے۔ وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ اور بے حیائی کی ترغیب دیتا ہے۔ دو چیزیں بنیادی ہیں ایک بندے کو افلاس سے ڈراتا ہے اور ایک بے حیائی کی ترغیب دیتا ہے۔

لیکن اس کے مقابلے میں وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ اللہ تمہارے ساتھ بخشش کا وعدہ بھی کرتا ہے اور بہترین رزق دینے کا وعدہ بھی کرتا ہے۔ اب دونوں طرف وعدے موجود ہیں۔ ایک طرف اللہ کا وعدہ ہے کہ جو میری راہ میں خرچ کرے گا میں اسے اور دوں گا۔ جو میرے راستے پہ جتنا چلے گا میں اس کی اور زیادہ مدد کروں گا۔ دوسری طرف شیطان کہتا ہے کہ یہاں سے بھی لوٹ لو، وہاں سے بھی لوٹ لو، یہ موقع روز آنے والے نہیں۔ چھوڑو حلال و حرام، پیسہ جمع کر لو ورنہ مفلسی کا شکار ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان برائی کی ترغیب دیتا ہے۔ بے حیائی کی لذتوں کی رغبت دلاتا ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ تمہیں کل میرے حضور آنا ہے۔ جو میری طرف چلتا ہے تو میں اس کے ساتھ بخشش کا وعدہ کرتا ہوں، اسے بے پناہ رزق دینے اور مہربانیاں کرنے کا وعدہ کرتا ہوں اور یہ یاد رکھو! شیطان کے پلے کچھ نہیں ہے، صرف اس کی باتیں ہیں۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۚ اور اللہ بہت وسعت والا ہے۔ وہ خالق ہے، مالک ہے، قادر ہے اور اس کے پاس بے پناہ خزانے ہیں۔ وہ علیم ہے، جاننے والا ہے۔ ہر ایک کے حال سے ہر لمحہ واقف ہے کہ کون کیا کر رہا ہے، کس نیت سے کر رہا ہے اور کس خلوص سے کر رہا ہے۔ کتنی بات شیطان کی مان رہا ہے اور کتنی بات رحمٰن کی مان رہا ہے۔

دانش مندی کی تعریف

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ یہ باتیں دانش کی ہیں، حکمت کی ہیں، عقل مندی کی ہیں۔ قرآن حکیم کے نزدیک دانش مندی یہ ہے کہ آدمی میں یہ فکر زندہ ہو جائے کہ وہ دنیا اور آخرت کو جانچ سکے اور کام کرتے وقت دیکھے کہ میں جو کام کر رہا ہوں، دنیوی اعتبار سے اس کا نفع ونقصان کیا ہے اور آخرت کے اعتبار سے کیا ہے۔ اگر کسی میں یہ شعور آ جائے تو قرآن حکیم کہتا ہے کہ اس کے پاس حکمت ہے۔ اللہ نے اسے دانائی دے دی، اسے دانش دے دی۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ اور اللہ نے جسے دانش وحکمت دے دی، اسے بہت بڑی بھلائی دے دی، اسے بہت بڑی نعمت دے دی۔ جانوروں کی طرح زندگی نہ گزارے۔ اس طرح زندگی نہ گزارے کہ جدھر اسے ہوس لے جائے ادھر بھاگتا رہے بلکہ جو چیز، جو موقع، جو محل، جو کام، جو فیصلہ سامنے آئے، آخرت ودنیا، دونوں کے اعتبار سے اس پر نظر کرے۔ یہ کام کروں گا تو اس کا اثر آخرت میں کیا ہوگا اور یہ کام کروں گا تو اس کا دنیا میں نفع ونقصان کیا ہوگا؟ آخرت کے فائدوں کو دنیا کے فائدوں پر ترجیح دے تو یہ حکمت ہے، یہ دانائی ہے۔ فرمایا: جسے دانش دی گئی، دانائی دے دی گئی۔ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ اسے بہت بڑی نعمتیں مل گئیں۔ سب سے بڑی خیر مل گئی۔

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ اس لئے کہ نصیحت بھی وہی حاصل کرتے ہیں جن کو یہ خیر کثیر ملتی ہے، دانش ملتی ہے۔ جو اُولُوا الْاَلْبَابِ ہوتے ہیں، جو صاحب عقل وخرد ہوتے ہیں، نصیحت بھی انہیں پر اثر کرتی ہے۔ نصیحت سے سبق بھی وہی لوگ حاصل کرتے ہیں۔

حکمت ودانش

مفسرین کرام نے حکمت کا معنیٰ فہم دین کیا ہے۔ لغوی اعتبار سے حکمت کا معنٰی ہے کہ ایک شخص کسی کام کرنے کا صحیح طریقہ اور اس کا سبب سمجھتا ہو۔ یہ کام کیوں کرنا ہے، وجہ معلوم ہو اور کیسے کرنا ہے، وہ سلیقہ بھی آتا ہو۔ قرآن حکیم نے حکمت ودانش اس بات کو قرار دیا ہے کہ کوئی عظمت رسالت سے دلی طور پر آشنا ہو جائے، کسی کو یہ شعور نصیب ہو جائے کہ واقعی محمد رسول اللہ ﷺ وہ ہستی ہیں جن کا اتباع ضروری ہے اور یہ محض حکماً نہیں۔ اس کا دل بھی یہ فیصلہ کرے کہ صحیح بات یہی ہے۔ دین کیا ہے؟ دین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعین کردہ اوامر ونواہی کا مجموعہ ہے۔ آپ ﷺ نے جو کرنے کا حکم دیا ہے، وہ کرنا دین ہے۔ کسی کام سے حضور ﷺ نے روک دیا ہے تو رک جانا دین ہے۔ اللہ کریم کا احسان ہے کہ ہمیں یہ نعمت نصیب ہے کہ ہم آپ ﷺ کو اللہ کا

برحق سچا نبی، رسول، امام الانبیاء اور خاتم المرسلین مانتے ہیں۔ آپ ﷺ کی اطاعت کو فرض جانتے ہیں اور اپنی جان تک لگا دینا سعادت سمجھتے ہیں۔ حضور ﷺ کے اتباع میں اور آپ ﷺ کی غلامی کے ساتھ ہمارا دماغ، ہمارے دل اور دل کی گہرائیوں کا تجزیہ بھی اس بات کو تسلیم کرلے کہ یہی زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔

ہمارے سامنے احکام شریعت آتے ہیں تو دل میں بے شمار اوہام آتے ہیں کہ ایسا کیوں کرنا ہے لیکن ہم کرتے بھی ہیں، اللہ توفیق دیتا ہے اور ہم اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ شریعت کا ایک حکم ہے، ہم اسے مانتے بھی ہیں لیکن یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کرنا ہے؟ اس پر ہم خاموش ہو جاتے ہیں کہ یہ سوال کسی سے پوچھا تو وہ کہے گا کیا فضول بات کرتے ہو۔ اپنے آپ کو چپ کرا دیتے ہیں کہ چھوڑو اس کے پوچھنے کی ضرورت نہیں، بس ہم مسلمان ہیں اور ہماری مجبوری ہے کہ ہمیں ایسا ہی کرنا ہے۔ کچھ خوص نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس سے آگے چلے جاتے ہیں۔ اللہ کریم ایسا فہم و شعور عطا کر دیتا ہے کہ ان کا دل، ان کا دماغ، ان کا شعور و لاشعور، سب مل کر یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ کرنا وہی چاہئے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کرنے کا حکم دیا ہے اور جس کو یہ فہم و ادراک نصیب ہو جائے تو سمجھیں اسے اللہ نے حکمت عطا کر دی۔ بظاہر یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن بہت بڑا فرق ہے۔ جب ہم نے حکم کی تعمیل کی، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اللہ قبول فرمائے تو مقصد پورا ہو گیا۔ تعمیل تو کر دی لیکن دل میں ایک بات رہ گئی کہ یہ ماننا تو میری مجبوری تھی کہ مسلمان ہوں اور میں آپ ﷺ اور اللہ کی نافرمانی نہیں کرسکتا اس لئے میں نے مانا اور اطاعت کی لیکن ایسا کیوں کرنا چاہیے۔

انسان بعض دفعہ یہ سوچتا ہے کہ دن میں پانچ دفعہ نماز کیوں پڑھے، پانچ نمازوں کی کیا ضرورت ہے! وہ پڑھتا بھی ہے، عمل بھی کرتا ہے لیکن خوش نصیب وہ ہے جسے ان سب احکام کی وجہ بھی سمجھ میں آ جائے۔ جس کا فہم و ادراک بھی یہ کہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، جو اللہ نے فرمایا وہ صحیح ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ جو حضور ﷺ نے فرمایا، وہ نہ صرف صحیح ہے بلکہ صرف وہی صحیح ہے اور ویسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ اس بات کی سمجھ بھی آ جائے، عقل بھی اسے تسلیم کرلے، دل بھی اسے مان جائے تو یہ حکمت ہے، یہ دانائی ہے۔

حکمت و دانش اپنے خاص بندوں پر اللہ کا خصوصی کرم ہے

فرمایا: یہ دانائی ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ اللہ جس پہ احسان کرنا چاہتا ہے، جسے نوازنا چاہتا ہے، جس پہ اپنی بے انتہا مہربانیاں کرنا چاہتا ہے، اسے یہ حکمت و دانش عطا کر دیتا ہے اور جسے یہ حکمت نصیب ہوگئی فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ اسے بے پناہ دولت مل گئی، بے پناہ بھلائی مل گئی، بے حساب خیر مل گئی۔ پھر اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ اور نصیحت بھی وہی حاصل کرتے ہیں

جو صاحب خرد ہوتے ہیں جو دانش مند ہوتے ہیں، صاحب عقل ہوتے ہیں۔

اس کے بعد پھر اسی پہلے مضمون انفاق کے بارے میں ارشاد ہے۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو، یا جو نذر بھی مانتے ہو، اللہ کریم ہر حال میں ہر بات سے واقف ہے اور بے جا کام کرنے والوں کا اور غلط کام کرنے والوں کا کوئی معاون، مدد گار یا حمایتی نہ ہوگا۔ چونکہ انفاق فی سبیل اللہ کی بات آ رہی تھی تو انفاق کے بھی سارے وہی راستے بھلے ہیں جو آقائے نامدار ﷺ نے تعلیم فرمائے اور اسی طریقے سے بھلے ہیں جس طریقے سے حضور اکرم ﷺ نے تعلیم فرمائے۔ یہی دانش و حکمت ہے۔

ذکر دوام حکمت و دانائی عطا کرتا ہے

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ ۔ دین کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ دل کی گہرائی میں کیا نیت ہے۔ اعمال کی کوالٹی اس پر منحصر ہے کہ اس عمل میں کتنا خلوص ہے یا کتنی گہرائی ہے۔ اس ارادے، اس فیصلے پہ منحصر ہے جو ہمارے دل کی گہرائیوں میں ہے اور دل کو خرد آشنا کرنے کے لئے، اللہ کی رحمت سے لبریز کرنے کے لئے، حکمت و دانائی سے آشنا کرنے کے لئے اللہ کریم نے جگہ جگہ کتاب اللہ میں ذکر دوام اور ذکر خفی، ذکر قلبی کا حکم دیا ہے۔ جب تک قلب خود ذاکر نہیں ہوگا، عظمت باری سے آشنا نہیں ہوگا، برکات نبوت کی لذت کو نہیں چکھے گا، اسے وہ مزا نہیں آئے گا جو محض ہمارے کہنے سے عمل کر رہا ہوگا اور خود کو اس میں ابھی کچھ تحفظات ہوں گے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ سارے کا سارا تصوف اور اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اتباع شریعت میں ہمارے وجود اور ہمارے دماغ کے ساتھ ہمارا دل بھی شامل ہو جائے اور اگر ایسا ہو جائے تو اللہ کریم کا بہت بڑا انعام ہے کہ پھر وجود کا ذرہ ذرہ اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

نذر ماننے کے احکام

پھر جو بھی تم خرچ کرتے ہو، وہ صدقات نافلہ ہیں یا فرائض صدقات ہیں، خیرات دیتے ہو یا اللہ کے نام پہ خرچ کرتے ہو، اپنی نمائش اور لوگوں پر رعب جمانے کے لئے خرچ کرتے ہو یا آخرت سنوارنے کے لئے خرچ کرتے ہو، کتنا خرچ کرتے ہو، کہاں خرچ کرتے ہو، کس ارادے سے خرچ کرتے ہو، یا تم جو نذر مانتے ہو، اللہ کریم اس سب سے واقف ہے۔ ہمارے ہاں اکثر نذر مانی جاتی ہے، اور اس کا مسئلہ بڑا سادہ اور اور سیدھا ہے۔ ایک بات یاد رکھیں کہ قسم صرف اللہ کی کھانا جائز ہے اور نذر صرف اللہ کی ماننا جائز ہے۔ جس کی قسم کھائی جائے ایک طرح سے بات اس طرح سمجھی جاتی ہے کہ جس کی قسم میں کھا رہا ہوں وہ اس بات پہ شاہد

عدل ہے’ وہ گواہ ہے’ وہ جانتا ہے’ وہ دیکھتا ہے’ اسے پتہ ہے۔ یہ ساری صفات ذات باری تعالیٰ کی ہیں لہٰذا اللہ کے سوا کسی بھی دوسری ہستی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے اور اگر یہ سمجھ کر کھائی جائے کہ فلاں ہستی اللہ کی طرح میرے حال سے واقف ہے تو شرک ہے۔ اسی طرح جو نذر مانی جاتی ہے’ جیسے یہ پیر صاحب کی نذر ہے’ یہ فلاں بزرگ کی نذر ہے’ یہ فلاں کی ہے’ یہ درست نہیں ہے۔ نذر صرف اللہ کی مانی جائے گی۔

نذر کا دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ از قسم فرض ہو لیکن فرض نہ ہو۔ یعنی جو بھی نذر مانی جائے وہ از قسم فرض ہونی چاہیے’ جیسے نماز فرض ہے’ روزہ فرض ہے’ حج فرض ہے’ زکوٰۃ فرض ہے۔ اب کسی نے حج کیا ہوا ہے تو یہ نذر مان سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری یہ مصیبت دور فرما دے’ یا میرا یہ کام کر دے تو میں نفلی حج کروں گا۔ جو حج فرض ہے اس کی نذر نہیں’ وہ تو اس پر فرض ہے۔ یہ نذر مان سکتا ہے کہ میں نفلی حج کروں گا یا اللہ نے میری یہ خواہش پوری کر دی تو میں اللہ کی رضا کے لئے عمرہ کروں گا یا میں بیت اللہ کا طواف کروں گا’ یہ نذر مانی جائے گی۔ نماز فرض ہے نماز کی قسم سے نذر مانی جاسکتی ہے۔ کوئی کہے اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں دس نوافل پڑھوں گا’ بیس نفل یا سو رکعت نفل پڑھوں گا۔ یہ نذر نہیں ہو گی کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں ظہر کی نماز پڑھوں گا۔ ظہر کی نماز تو فرض ہے۔ یعنی فرض نہ ہو لیکن از قسم فرض ہو۔ زکوٰۃ فرض ہے تو بندہ نذر مان سکتا ہے کہ اللہ کریم میری یہ مصیبت دور ہو گئی یا میرا یہ کام ہو گیا یا میری یہ پریشانی دور ہو گئی تو میں اللہ کی راہ میں اتنے روپے تقسیم کروں گا چونکہ یہ از قسم فرض ہے۔ زکوٰۃ فرض ہے تو پیسہ خرچ کرنا اس کی قسم سے ہے۔ آپ اللہ کی نذر مانیں اور جب وہ بات پوری ہو جائے تو نذر کا پورا کرنا بھی فرض ہے۔ پھر ضروری ہے کہ وہ پوری کی جائے۔ اسی طرح روزہ فرض ہے تو رمضان کے روزوں کی نذر نہیں مانی جائے گی لیکن یہ نذر مانی جاسکتی ہے کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں نفلی روزے رکھوں گا۔ اپنی حاجات کو اللہ کے حضور پیش کرے’ اللہ ہی سے مدد چاہے اور اللہ کی رضا کے لئے از قسم فرائض نذر ماننے تو درست ہے اور اس کے علاوہ نذر کے نام سے جو کچھ کیا جاتا ہے’ وہ فضول ہے۔ غیر اللہ کی نذر ماننا حرام ہے اور اگر اللہ کی ذاتی صفات اس میں شامل کرتے ہوئے مانی جائیں تو پھر وہ شرک ہو جاتا ہے۔ اللہ کی ذات میں بھی کوئی شریک نہیں’ اس کی صفات میں بھی کوئی شریک نہیں۔ اللہ کی صفات اگر غیر اللہ میں مانی جائیں تو یہ بھی شرک ہو جائے گا۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ جو چیز تم خرچ کرتے ہو’ جو بات کرتے ہو’ جو تعلیم کسی کو دیتے ہو’ صاحب اقتدار ہو تو جو فیصلے کرتے ہو’ کسی کی سفارش کرتے ہو’ کسی کو سزا دیتے ہو’ اللہ کی راہ میں اللہ کی دی ہوئی قوتوں میں سے جو قوت خرچ کرتے ہو’ صحیح کر رہے ہو یا غلط یا جو نذر مانتے ہو’ وہ تم نے درست مانی یا غلط’ جب اللہ نے

پوری کردی تو تم نے اپنا وعدہ پورا کیا یا نہیں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ اللہ کو سب علم ہے۔ ہر چیز کا وہ خود مشاہدہ فرما رہا ہے۔ جو لوگ بے جا کام کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں، غلطی کرتے ہیں یا نذر ہی غلط مانتے ہیں یا پیسہ غلط خرچ کرتے ہیں یا غلط نیت سے غلط ارادے سے کرتے ہیں یا دین کا نام لیتے ہیں اور فائدہ دنیا کا چاہتے ہیں، نیکی کے نام پر شہرت چاہتے ہیں تو ان باتوں سے اللہ کریم واقف ہیں۔ جو بے جا کام کرے گا، غلط کام کرے گا، بارگاہ الوہیت میں اس کا کوئی حمایتی نہیں ہوگا۔

اعلانیہ اور پوشیدہ انفاق

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ اگر تم اعلانیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو تو بہت اچھی بات ہے، اس میں کوئی برائی نہیں ہے لیکن خرچ اللہ کی رضا کے لئے ہو، اپنی بڑائی کے لئے، اپنی شہرت کے لئے، دوسروں پر احسان جتانے کے لئے نہ ہو۔ اللہ کی رضا کے لئے اگر تم ظاہراً لوگوں کے سامنے بھی خرچ کرتے تو وہ بہت اچھی بات ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۝ اللہ کا تم پر جو احسان ہے وہ بیان کرو۔ اس کے تحت مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ کوئی اپنی حیثیت کے مطابق اچھے کپڑے پہنتا ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آسودہ حال ہے تو یہ بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ دوسروں پر رعب ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق گھر بناتا ہے، اپنی حیثیت کے مطابق اس کے پاس موٹر ہے، بچوں کو تعلیم دلاتا ہے، گھر والوں کو رہائشی اخراجات دیتا ہے تو یہ نمائش نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی نعمتوں کے شکر کا ایک طریقہ ہے۔ یہ نہ ہو کہ کروڑوں دبا کر بیٹھا ہو اور بچے بھوکے مر رہے ہوں یا انہیں تعلیم نہ مل رہی ہو یا پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو یہ ناشکری ہے۔ اگر تم ظاہراً بھی خرچ کرتے ہو یا اللہ کی رضا کے لئے غریب پروری کرتے ہو، مساکین کو دیتے ہو، بیماروں کا علاج کراتے ہو، کسی کو قید سے چھڑاتے ہو، کسی کی مدد کرتے ہو تو ظاہراً کرنا بھی بہت اچھی بات ہے۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے لیکن مشکل کام ہے۔ ظاہراً کرتے ہو تو اس میں خلوص ضروری ہے۔ اس میں ریا نہ آ جائے، اپنی بڑائی کا شائبہ نہ آ جائے، اپنی شہرت کی بھوک نہ آ جائے بلکہ اس میں خلوص قائم رہے اور جو ظاہراً دے کر سمجھتا ہے کہ یہ مشکل ہے کہ میں خلوص قائم رکھ سکوں!

وَاِنْ تُخْفُوْهَا تو پھر چھپا کر دو، لوگوں کو نہ دکھاؤ، اللہ کی راہ میں پوشیدہ خرچ کرو۔ وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ اور اللہ کے ضرورت مند بندوں کی مدد کرو۔ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وہ تمہارے لئے بہتر ہے چونکہ اللہ تو ظاہر سے بھی واقف ہے پوشیدہ سے بھی واقف ہے، وہ تمہارے دینے کو بھی جانتا ہے، تمہاری نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے کہ تمہاری طلب کیا ہے۔

صدقات گناہوں کا کفارہ ہیں

وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ اور اللہ کی راہ میں، اللہ کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرنے سے اللہ کریم تمہارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ ہر صدقہ کچھ نہ کچھ گناہ معاف کرا دیتا ہے۔ جب تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو، کسی ضرورت مند کی مدد کرتے ہو تو اس کے دل سے جو دعا نکلتی ہے، تو اللہ کریم اس کے عوض اپنی شان کے مطابق تمہارے صدقے کا بدلہ تو دیں گے ہی لیکن اس کے ساتھ مزید یہ ہے کہ تمہاری کوتاہیاں، غفلتیں اور لغزشیں بھی معاف فرما دیتے ہیں۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ اللہ کریم تمہارے ہر عمل سے واقف ہے۔ بات وہی ہے کہ ہمارا دل مان جائے، ہمیں یقین حاصل ہو جائے تو از خود آدمی کی اصلاح ہوتی چلی جاتی ہے۔ اب زندگی کے کتنے امور جو ہم لوگوں سے چھپ کر کرتے ہیں، کتنی باتیں جو لوگوں سے الگ سرگوشیوں میں کرتے ہیں، اگر ہمیں یہ یقین ہو کہ ہم کسی بھی لمحے اللہ سے الگ نہیں ہیں وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ تم جہاں جس حال میں ہو، تمہارا اللہ تمہارے ساتھ ہے، تو پھر اللہ کے روبرو اللہ کی نافرمانی کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور یہ سعادت نصیب ہو جاتی ہے کہ بندہ اللہ کی اطاعت کرنے لگ جاتا ہے۔ بتقاضائے بشریت کبھی ایسی غفلت ہو گئی کہ اللہ کی حضوری قائم نہ رہی اور کوئی غلط کام کر گزرا تو وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ۔ اگر کسی لمحے بھول گیا تو جیسے ہی یاد آیا پھر اللہ کو حاضر سمجھ، پھر اللہ کے روبرو ہو جا، اللہ کی یاد کو دل میں سجا لے۔ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بندہ فوراً توبہ کرتا ہے اور آئندہ اس طرف نہیں جاتا، غلطی نہیں دہراتا لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے یہ یقین ہو جائے کہ: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ کہ اللہ تمہارے ہر کام سے باخبر ہے، اسے خود علم ہے۔ کراماً کاتبین کی گواہی تو اپنی جگہ لیکن ہاتھ پاؤں الگ گواہی دیں گے۔ وجود کا ہر عضو، کھال، زمین اور ذرات گواہی دیں گے لیکن یہ ساری باتیں چھوڑ بھی دو تو اللہ کریم خود جانتا ہے، خود دیکھ رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہیں۔ آپ ﷺ کا مزاج عالی یہ ہے کہ لوگوں کو کفر میں، اللہ کی نافرمانی میں دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ کوئی غلطی کرے تو ہمیں غصہ آتا ہے اور چاہتے ہیں کہ اس کی گردن مروڑ دیں لیکن حضور ﷺ کو دکھ ہوتا تھا کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے، اللہ کا بندہ ہے، میں اللہ کی طرف سے سارے جہانوں کے لئے اللہ کی رحمت مبعوث ہوا ہوں۔ اللہ کی بخشش لٹائی جا رہی ہے اور یہ کیسا بدنصیب ہے کہ پھر جہنم کی طرف جا رہا ہے جب کہ جنت اسے پکار رہی ہے۔ حضور ﷺ کو دکھ ہوتا تھا اور حضور ﷺ کی تمنا ہوتی تھی کہ اللہ کی ساری مخلوق اللہ کی اطاعت پہ لگ جائے۔ فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ میرے حبیب ﷺ! آپ ﷺ کے

ذمے ان سب کو ہدایت پر لانا نہیں ہے۔ مجھے ہر بندے کی خبر ہے کہ اندر سے اس کا معاملہ میرے ساتھ کیسا ہے۔ جس کا معاملہ میرے ساتھ سدھر جاتا ہے، اس کو تیرے در پہ لے آتا ہوں۔ جس کی بات میرے ساتھ ہی نہیں بنتی اس کی آپ ﷺ کے ساتھ کیسے بن سکے گی! آپ ﷺ ان کا دکھ کیوں کرتے ہیں۔ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ** لیکن اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دے دیتا ہے۔ وہ ہدایت اسے دیتا ہے جو اس سے ہدایت طلب کرتا ہے، جس کے دل میں اس کی طرف انابت اور رجوع پیدا ہوتا ہے۔ جو اللہ سے بھاگتا ہے، اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ پیچھے سے اس کا دامن پکڑ لے۔ محتاج بندہ ہے، اللہ محتاج نہیں ہے۔

فیصلہ کرنے کا اختیار انسان کے پاس ہے۔ **اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا** ۝ ہم نے راستہ کھول کر بتا دیا، اس میں کوئی شبہ نہیں رہا، کوئی غلط فہمی نہیں رہی۔ اب یہ انسانوں پر ہے، وہ چاہیں تو شکر کا راستہ اختیار کریں اور نہیں چاہتے تو ناشکری کا راستہ اختیار کر کے دیکھ لیں۔

یہ فیصلے کی طاقت اللہ نے ہمیں دی ہے اور ہر شخص کے اندر ایک قاضی بیٹھا ہے۔ ہر آن وہ فیصلے کر رہا ہے۔ ابھی کتنے لوگ ہوں گے جنہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ مجھے فرصت نہیں ہے، میں نماز نہیں پڑھ سکتا، یہ ان کا اپنا فیصلہ ہے۔ کتنے ایسے ہوں گے جنہوں نے بڑے ضروری کام چھوڑ دیئے ہوں گے کہ پہلے نماز ادا کر لوں، پھر کام بھی کر لوں گا۔ یہ بھی ایک بندے کا فیصلہ ہے، وہ بھی ایک بندے کا فیصلہ ہے۔ یہ سارے فیصلے لکھے جا رہے ہیں اور روزِ حشر جب حساب ہوگا تو بڑا آسان سا فیصلہ فرما دیا جائے گا۔

فرشتوں کی ذمہ داری ہے، وہ اعمال نامہ لکھتے رہتے ہیں۔ میدانِ حشر میں ہر ایک کو اس کا اعمال نامہ پکڑا دیا جائے گا۔ **اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ** اپنا اعمال نامہ پڑھو، اپنی کتاب پڑھو۔ **كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا** ۝ آج کے دن تم خود اپنے لئے بہترین جج ہو۔ ساری عمر تم فیصلے کرتے رہے، انہی فیصلوں کی روشنی میں آج بھی تمہیں اپنا فیصلہ کرنا ہے۔ اگر تمہارے فیصلے اللہ کی اطاعت کے مطابق تھے تو آج تمہیں اللہ کی رضامندی نصیب ہوگی اور اگر تمہارے فیصلے اللہ سے بغاوت پر تھے تو آج بغاوت کی سزا ملے گی۔ تم خود اپنے لئے بہترین جج ہو۔ لہٰذا زندگی کے اہم چھوٹے اور بڑے جو فیصلے کرتے ہیں، لوگوں کے ساتھ تعلقات کے فیصلے، لین دین کے فیصلے، عبادات کے فیصلے، معاملات، کردار، سیاست اور حکومت کے فیصلے، ہر فیصلہ ہمارے اعمال نامے میں لکھا جا رہا ہے۔ اگر یہ فیصلے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا کے مطابق ہیں تو الحمد للہ! نورٌ علیٰ نور ہے اور اگر خدانخواستہ اللہ سے بغاوت پر ہیں تو فرمایا جائے گا، پڑھ لو اپنا فیصلہ، تم نے بغاوت کا فیصلہ کیا تھا، اب بغاوت کی سزا بھگتو۔

وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ اللہ تعالیٰ درست فیصلہ کرنے کی توفیق اسے دیتا ہے، اپنی طرف اسے

ہدایت دیتا ہے جس کے دل میں اس کی طرف انابت پیدا ہوتی ہے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جس کے دل میں انابت آتی ہے یا جس کے دل میں رجوع الی اللہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ کریم ایسے اسباب پیدا فرما دیتا ہے' اسے اپنے ایسے بندوں سے ملا دیتا ہے جو اس کے مقبول اور نیک بندے ہوتے ہیں' شریعت مطہرہ سے واقف ہوتے ہیں' شریعت مطہرہ پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کی صحبت میں اسے اللہ کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کا اتباع نصیب ہو جاتا ہے' اللہ کی یاد نصیب ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ کو فرمایا: جس سے میری بات بن جائے گی میں اس پر سب سے بڑا انعام یہ کروں گا کہ اسے آپ ﷺ کی جوتیوں میں پہنچا دوں گا' آپ ﷺ کے قدموں میں جگہ دے دوں گا' آپ ﷺ کے دامان رحمت سے وابستہ کر دوں گا اور جس کی میرے ساتھ بگڑ گئی میں اسے یہ موقع ہی کیوں دوں؟ جو ہستی اللہ کے بعد ساری خدائی کے لئے مجسم رحمت الٰہی ہے' میں اس ہستی کے سامنے اس بدبخت کو کیوں لاؤں!

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۝ تم جو اللہ کی راہ میں بھلائی کرتے ہو' کسی پر احسان نہ کرو۔ نہ یہ اللہ کریم پہ احسان ہے' نہ یہ دین پر احسان ہے' نہ اللہ کے بندوں پر احسان ہے' اس لئے کہ یہ خرچ تم اپنی بھلائی کے لئے کر رہے ہو۔ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ جو بھی بھلائی کی راہ میں خرچ کرتے ہو' اپنے لئے کرتے ہو' کسی پر احسان نہ دھرو۔ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ یہ بہت ہی اعلیٰ مقام ہے کہ بندہ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے۔ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ جمال الٰہی کو پانے کے لئے' وصال الٰہی کو پانے کے لئے' اللہ کی خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتا ہے تو پھر کسی پر احسان نہ ہوا۔ یہ تو ہم اپنی ذات کے لئے کر رہے ہیں' اپنی عاقبت کے لئے' اپنی دنیا کے لئے' اپنی ضرورتوں کے لئے کر رہے ہیں اور اللہ کی رضا کے لئے کر رہے ہیں۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۝ جو رائی برابر بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ تم سے زیادتی نہیں ہوگی کہ تم نے جو خرچ کیا وہ ضائع ہو گیا۔ ضائع کرو گے تو خود کرو گے' اللہ کریم ضائع نہیں فرمائیں گے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي
الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ
لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۝ ع ۳۷ ۵
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

ثلثة عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

تنگدستوں کے لئے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں، وہ ملک میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ان کے سوال نہ کرنے سے ناواقف انہیں مالدار سمجھے، تو انہیں ان کے چہرہ سے پہچان لیتا ہے۔ وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور تم جو مال خرچ کرو گے تو بیشک اللہ اس کو جاننے والا ہے۔ وہ لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں رات میں اور دن کو پوشیدہ اور ظاہر، پس ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

انفاق فی سبیل اللہ کا بہترین مصرف

صدقات دو قسم کے ہیں، فرض جیسے زکوٰۃ اور نفل صدقات۔ جو صدقات فرض ہوتے ہیں وہ صرف مسلمانوں پر خرچ کئے جا سکتے ہیں اور نفلی صدقات پر کوئی قید نہیں، کسی بھی غریب مسکین پہ خرچ کئے جا سکتے ہیں لیکن صدقات کا سب سے بہترین مصرف کیا ہے؟ فرمایا:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وہ ضرورت مند جو اللہ کی راہ میں پابند ہو گئے ہوں، کہیں آ جا نہ سکتے ہوں، کام نہ کر سکتے ہوں۔ اس میں سب سے پہلے وہ لوگ آتے ہیں جو دین کا کام کرنے کی غرض سے اپنے اوقات صرف کر دیتے ہوں۔ دین سیکھنے سکھانے میں، پڑھنے پڑھانے میں اور دینی امور کے جاننے اور لوگوں تک پہنچانے میں یعنی طالب علم اور اساتذہ۔ وہ لوگ جو مدارس کو ذریعہ معاش نہیں بناتے، لوگوں سے مانگنا شروع نہیں کر دیتے بلکہ اللہ کی راہ میں اپنے اوقات کو لگاتے ہیں۔ پھر یہ دوسرے لوگوں پر ہے جن کو اللہ نے مال دیا ہے کہ وہ احساس کریں، ان کی ضرورت کو سمجھیں اور ان کی امداد کریں۔ یہ سب سے بہترین مصرف ہے۔

اس میں بھی دو شعبے پیدا ہو چکے ہیں۔ اکثریت تو ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اسے بطور پیشہ اختیار کیا ہے یعنی جس طرح کاروبار ملازمت، مزدوری، کاشتکاری پیشہ ہے، اسی طرح بعض لوگ دینی مدارس بنا لیتے ہیں اور پھر بڑے بڑے اشتہار لگاتے ہیں، اور دور دور تک گدا کرتے ہیں۔ ان کی ضرورت اگر لاکھوں میں

ہوتی ہے تو چندہ کروڑوں میں جمع کر لیتے ہیں۔ ان کی بات نہیں ہو رہی۔ یہ ان لوگوں کی بات ہے جو بندوں سے مانگتے ہوئے شرماتے ہیں، جو صرف اللہ سے مانگنا پسند کرتے ہیں۔ جن کا یہ پیشہ نہیں ہے اور صرف اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے دین کا کام کرتے ہیں۔ سیکھتے ہیں، سکھاتے ہیں اور لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی جیسے قیدی ہوتا ہے، اس کام میں پھنس گئے ہیں۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ان کے پاس فرصت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے کام کے لئے وقت نکالیں یا روزی کمانے کے لئے کہیں جائیں۔ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ چونکہ وہ لوگوں سے سوال کرنا گوارا نہیں کرتے تو جاہل اور نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس بہت ہے، اس لئے نہیں مانگتے۔

دینے والے کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے، وہ اللہ ہی کی امانت ہے اور اس نے احسان فرمایا کہ اسے دولت، علم، طاقت، حکومت یا اختیار دے دیا۔ اب وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہے تو اللہ ہی کا شکر ادا کر رہا ہے اور اس پہ مزید شکر واجب ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ اب آرزو اور تمنا یہ ہو کہ وہ اسے قبول فرمائے۔

پھر اللہ کے وہ بندے جو خود اللہ کے کام میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ کاروبار بھی کر سکتے تھے، مزدوری بھی کر سکتے تھے، روزی کمانے کے اسباب اختیار کر لیتے لیکن انہوں نے دینی امور کو ترجیح دی اور اس میں ایسے مصروف ہو گئے کہ اب ان کے پاس کاروبار کی فرصت نہیں۔ فرمایا: اللہ کی راہ میں جو خرچ کرتے ہو، اس کا سب سے بہترین مصرف یہ لوگ ہیں لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جنہوں نے دین کو پیشہ بنالیا ہے، وہ اس میں نہیں آتے۔ اس میں وہ لوگ آتے ہیں جو متوکل علی اللہ ہیں، جو کسی سے سوال نہیں کرتے۔ آگے اس کی وضاحت کر دی۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ نہ تو ان کے پاس فرصت ہے کہ وہ چل پھر کر اپنا کاروبار کریں یا کوئی روزی کا ذریعہ پیدا کریں یا مزدوری کریں۔ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ اللہ کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں، کسی اور سے سوال کرنا ان کی غیرت ایمانی گوارا نہیں کرتی۔ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لیکن اے مخاطب! جب تو ان کے چہرے دیکھے گا تو تجھے سمجھ آ جائے گی کہ یہ لوگ کتنے ضرورت مند ہیں، یہ کتنے فاقہ کش ہیں، ان کا لباس ایسا ہو چکا ہے کہ اسے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے لیکن لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا لوگوں سے لپٹ لپٹ کر نہیں مانگتے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ اور جو بھی اللہ کی راہ میں تم خرچ کرتے ہو، جو بھلائی بھی کرتے ہو، مال خرچ کرتے ہو، کسی کو نصیحت کی بات بتاتے ہو، اللہ کا دین سکھاتے ہو، خود سیکھتے ہو، تمہارے پاس اختیار

ہے تو حق و انصاف کرتے ہو اور لوگوں کو انصاف دلاتے ہو، کمزوروں کی مدد کرتے ہو تو جو بھی اللہ کی راہ میں نیکی کرتے ہو، یہ پختہ یقین رکھو کہ اللہ اس سے باخبر ہے۔ تم چھپ کر کرو، ظاہر کرو، رات کی تاریکی میں کرو یا دن کی روشنی میں کرو، اعلانیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو یا پوشیدہ کرو، کوئی ایسی بات نہیں جو اللہ کے ذاتی علم سے باہر ہو۔ ہر چیز کو اس کا علم محیط ہے۔

اللہ کے روبرو موجودگی کا احساس حاصل عبادت ہے

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۝ یقیناً حق تعالیٰ خود اس سے آگاہ ہے۔ یہی وہ بات ہے جو اک نگاہ میں آقائے نامدار ﷺ نے اپنے پروانوں کے دلوں میں اتار دی جو ایک نگاہ سے صحابی بن گئے۔ ان کے سینوں میں یہی یقین اتر گیا تھا کہ جو کام بھی وہ کرتے تھے، اس بات کو مدنظر رکھ کر کرتے تھے کہ میرا پروردگار مجھے دیکھ رہا ہے، میرا اللہ میرے ساتھ ہے، وہ میرے کام کو خوب دیکھ رہا ہے۔

فارس کے ساتھ جہاد میں ایک صحابی کے ہاتھوں ایک شہزادہ مارا گیا اس کے سر پہ سونے کا تاج تھا جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے تاج اٹھالیا کہ میدان جنگ میں گھوڑوں کے پاؤں تلے روندا جائے گا۔ امیر لشکر کے سپرد کر کے جہاد کے لئے واپس پلٹے تو امیر لشکر نے پیچھے سے آواز دی کہ یہ اتنا قیمتی تاج مجھے دیئے جا رہے ہو، اپنا نام تو بتاتے جاؤ کہ تم کون ہو؟ انہوں نے پلٹے بغیر جواب دیا کہ جس کے لئے میں کام کر رہا ہوں، وہ میرے نام سے واقف ہے۔ یہ وہ یقین محکم تھا جو آقائے نامدار ﷺ نے ان لوگوں کے سینوں میں اتار دیا جو اس سے قبل اللہ کے نام سے واقف بھی نہ تھے۔ آج بھی سارا ورع تقویٰ، ساری نیکی، ساری عبادت، سارے ذکر اذکار، سارے مراقبات کا حاصل اور کمال یہی ہے کہ بندے کو یہ یقین کامل نصیب ہو جائے کہ میں جو کر رہا ہوں، میرا پروردگار اسے جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ یہ بات ہم سب مانتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! ہر کلمہ گو، وہ گنہگار ہے یا نیک ہے، عالم ہے یا جاہل ہے، امیر ہے یا فقیر ہے، یہ بات مانتا ہے لیکن قرآن کریم فرماتا ہے کہ ماننے کا مزا تب ہے جب عملی زندگی میں بھی یہ دکھائی دے۔ جب بندہ عمل کرے تو اسے یہ احساس ہو کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، میرا اللہ میرے کام سے باخبر ہے۔ یہ یقین ایک ایسی کیفیت ہے جو اللہ کی نافرمانی سے بچانے کے لئے ڈھال کا کام دیتا ہے۔ جیسے کھانے کے لئے بھوک لگتی ہے، جیسے پینے کے لئے پیاس لگتی ہے، اسی طرح اطاعت الٰہی کے لئے طلب پیدا ہو جاتی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ نمازی کے آگے سے نہ گزرو۔ اس کی وجہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ فَاِنَّهٗ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ۔ وہ اپنے رب سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔ اگر یہ یقین نصیب ہو جائے، فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ

عَلِيۡمٌ۝ تو کون بدنصیب ہے جو ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار نہیں کرے گا۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا، اگر کسی کو یہ کیفیت نصیب ہو جائے کہ ایک نماز ادا کی اور پھر اسے طلب ہے کہ اب دوسری کا وقت آئے تو ادا کروں تو وہ ہمیشہ نماز میں ہی شمار ہوتا ہے یعنی عِنۡدَ اللہ وہ نماز سے خارج نہیں ہے۔ اس نے جمعہ کی نماز ادا کی اور اب اسے انتظار ہے کہ عصر کا وقت ہو تو پھر اللہ کے حضور پیش ہوں اور مجھے وہ لذت آئے جو لذت وصال ہے، مجھے بات کرنے کا مزا آئے، میں اپنے دل کا حال اپنے رب سے بیان کر سکوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے ہمیشہ نماز ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔

اللہ کی راہ میں انفاق ہو، دن بھر کے معمولات ہوں، زندگی کے مختلف امور ہوں، لوگوں سے تعلقات دوستی اور دشمنی ہو، یہ سب اللہ کے لئے ہوں۔ اللہ نے اسباب بنا دیئے ہیں، شعور دیا ہے، ہاتھ پاؤں دیئے ہیں تو یہ احساس ہو کہ روزی کماؤں تو اسے خود بھی استعمال کروں اور اللہ کی مخلوق کے بھی کام آ سکوں، راہ حق میں میرا سرمایہ بھی کام آئے، میری محنت بھی خرچ ہو اور اس یقین کے ساتھ کہ میں جو بھی کر رہا ہوں، اللہ اسے ذاتی طور پر جانتا ہے۔

اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ۝ اللہ کے وہ بندے جو اپنا مال شب و روز خرچ کرتے ہیں، ظاہراً بھی پوشیدہ بھی اور صرف مال ہی نہیں، سب کچھ اس کا دیا ہوا ہے۔ عقل و دانش بھی اس نے دی ہے، شعور و فکر بھی اس کی عطا ہے، جسم و جان بھی اس کی عطا ہے اللہ کی راہ میں اگر ہم جان بھی دیتے ہیں تو وہ ہماری تو نہ تھی، اس کی عطا کردہ تھی۔ اس کی دی ہوئی چیز تھی تو کسی کی دی ہوئی چیز کو لوٹا دینا کونسا احسان ہے!

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو

جو کچھ اس نے دیا ہے اسے سمجھنے سے انسان ابھی تک قاصر ہے۔ سائنس نے انسانی وجود اور اس کی ساخت کے بہت بڑے بڑے راز کھولے ہیں۔ بصارت اور سماعت کے پیچھے کیا ہے؟ دماغ کتنا بڑا کمپیوٹر ہے اور اس میں کیا کچھ ہے؟ اس دور میں سائنسی معلومات نے انسانوں کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ اس کے باوجود سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اگر ہم بڑا بلند بانگ دعویٰ بھی کریں تو شاید یہ دعویٰ کر سکیں کہ ہم صرف دس فیصد علوم کو جان سکے ہیں لیکن نوے فیصد ابھی تک ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ اتنی وسیع کائنات اور اتنا وسیع نظام ہے۔ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا‌ ۚ یہ سب تمہارے لئے، تمہاری خدمت کے لئے، تمہاری سہولت کے لئے اور تمہاری ضرورتوں کے لئے ہے۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ انسان کسی وقت یہ تصور کرے کہ میرے سوا دنیا میں

کوئی بھی موجود نہیں' میں اس جہان میں اکیلا ہوں تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ سورج کا طلوع ہونا' چاند کا سفر' ستاروں سیاروں کی گردش' ہواؤں کا چلنا' پھولوں کا کھلنا' جانوروں کا پیدا ہونا' جنگلات کا اگنا' دریاؤں کا بہنا' سمندروں میں موتیوں کا بننا' یعنی اتنی وسیع کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے' یہ سارا کچھ میرے اکیلے کے لئے ہے۔ اب بتاؤ ہم کس کس بات کا شکر کریں! کوئی سوچے سمجھے تو وہ اللہ کے کس کس احسان کا شکر ادا کرے گا! ہم تو جانتے نہیں کہ یہ ہوا کیسے بنتی ہے؟ کہاں سے آ رہی ہے' کہاں جا رہی ہے اور تر و تازگی بکھیرتی چلی جا رہی ہے۔ ہمیں تو یہ پتہ نہیں کہ یہ بادل کہاں سے بنا' ہمارے پاس کب پہنچا' ہمارے اردگرد پھیل رہا ہے۔ یہ پھول کیوں کھلا ہے' اس میں کتنے اجزا ہیں' کتنی پنکھڑیاں ہیں' اس میں یہ رنگ کہاں سے آیا' خوشبو کہاں سے آئی' اس میں تاثیر کہاں سے آئی کہ اس سے دل کو فرحت ملتی ہے' کھاؤ تو اس سے معدہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ یہ ساری چیزیں کہاں سے' کیسے بن رہی ہیں؟ تو اللہ کے کس کس احسان کو بندہ جھٹلا سکتا ہے۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝ کون کون سا احسان ہے جسے تم بھول سکتے ہو۔

تمہارے وجود کا ایک ایک بال اپنی خاصیت رکھتا ہے۔ وجود کا ایک ذرہ وجود سے الگ ہوتا ہے تو اس میں بھی مصلحت ہے۔ وجود کا حصہ بنتا ہے تو اس میں بھی مصلحت ہے۔ ہمیں یہ نہیں پتہ کہ وہ مصلحت کیا ہے۔ اپنی زندگی میں انسان کتنی غذا حاصل کرتا ہے۔ کتنے ذرات خاک سے غذا بنتے ہیں' غذا بن کر بندے کے وجود کا حصہ بنتے ہیں اور وجود کا کتنا حصہ مردہ ہو کر جسم سے الگ ہو جاتا ہے۔ کتنے بال اگ کر جھڑتے ہیں' کتنے ناخن بڑھ بڑھ کر کٹتے ہیں۔ وجود کی ہڈیاں دن بھر کی مشقت سے گھستی ہیں اور رات کو آپ آرام کرتے ہیں تو ان کی تعمیر ہو جاتی ہے۔ یہ سارے مادے آ جا رہے ہیں۔ ایک پورا کارخانہ لگا ہوا ہے اور ہمیں خبر تک نہیں۔ کون ہے جو اس سارے نظام کو چلا رہا ہے! ہر چیز میں ترتیب ہے اور اس میں سر مو فرق نہیں آتا۔ میرا حصہ آپ کو نہیں جاتا' آپ کا غلطی سے مجھے نہیں ملتا۔ باپ کا بیٹے کو نہیں جاتا' بیٹے کا باپ نہیں لے جاتا۔ کتنی مخلوق ہے اور کہاں تک ہے۔ کس کو کس طرح کیا پہنچ رہا ہے! آدمی احساس کرے تو اس کی نعمتوں کو گن نہیں سکتا۔ شکر تو تب کرے گا جب اسے یہ شعور ہو کہ مجھ پر کتنے احسانات ہیں۔

اجر میں مسلسل اضافہ ربوبیت کی شان ہے

جو اللہ کی راہ میں دولت' طاقت' علم اور اقتدار خرچ کرتے ہیں' راتوں کو دن کو' لوگوں کے سامنے لوگوں سے چھپا کر' کسی کا کوئی عمل خالی نہیں جائے گا۔ فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس ان کا بدلہ ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پرورش کرتی ہے' پالتی ہے۔ خالق تخلیق

فرماتا ہے یہ بھی اللہ کی صفت ہے، ربوبیت بھی اس کی صفت ہے۔ ربوبیت اتنی وسیع ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے کو وہی پال رہا ہے۔ یہاں اجر کو بھی ربوبیت سے جوڑ دیا۔ فرمایا: اللہ کی راہ میں بندہ جو عمل کرتا ہے، اللہ کی اطاعت میں جو عمل کرتا ہے، اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے یعنی جو نیکی تم اللہ کی راہ میں کرتے ہو وہ بڑھتی رہتی ہے۔ **فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ** ربوبیت نیکی کو بھی بڑھاتی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دنیا سے پردہ فرمانے کا وقت تھا۔ بیماری شدت اختیار کر گئی تو حضور ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے، منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: کسی نے مجھ سے کچھ لینا ہو، کسی کا مجھ پر کوئی احسان ہو، قرض ہو تو وہ مانگ سکتا ہے۔ طویل حدیث ہے۔ اس مجلس کے آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب سے میں نے دنیا میں قدم رنجہ فرمایا، تب سے لے کر آج تک مجھ پر جس کسی کا احسان تھا میں نے اتار دیا لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسانات کا بدلہ میرا پروردگار دے گا۔ اس شخص نے جان، مال، آبرو کوئی چیز بچا کر نہیں رکھی، اس نے سب کچھ مجھ پر نچھاور کر دیا۔

دولت او کشت ملت راچوں ابر
ثانی اثنین و غار و بدر و قبر

یعنی ملت اسلامیہ کا بیج ڈالا جا رہا تھا، ملت اسلامیہ اُگ رہی تھی، نوزائیدہ فصل تھی۔ جس طرح نوزائیدہ فصل کو بارش تقویت دیتی ہے، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دولت اسی طرح برسی اور اس نے ملت اسلامیہ کی نمو کو حیات بخش دی۔

اثْنَيْنِ دو میں کے دوسرے، وہ غار کے دو کے دوسرے، وہ بدر میں حضور کے بعد دوسرے، عریش بدر میں حضور ﷺ تھے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور روضہ اطہر میں آپ ﷺ کے بعد دوسرے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

تو کس نے کیا دیا! یہ اس کی دی ہوئی توفیق ہے۔ **اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ** جو اپنا مال، اپنی قوت شب و روز خرچ کرتے ہیں ظاہراً بھی اور خفیہ بھی **فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ** ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اس کی ربوبیت ہے کہ ان کا اجر لحہ بہ لحہ بڑھ رہا ہے، زیادہ ہو رہا ہے۔ **عِنْدَ رَبِّهِمْ** ان کے پروردگار کے پاس۔ **وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** کیسے خوش نصیب ہوں گے جنہیں نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا، نہ گزری ہوئی زندگی کا کوئی دکھ۔ نہ انہیں کوئی دکھ ہوگا کہ میری کوئی چیز ضائع ہو گئی ہے اور یہ ڈر بھی نہیں ہوگا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔ اللہ کے کیسے مقبول بندے ہوں گے!

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ
الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ
وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى
فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ
وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝

وقف لازم

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) نہ کھڑے ہونگے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہو جس کے حواس شیطان نے چھو کر کھو دیئے ہوں، یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا تجارت درحقیقت سود کی مانند ہے۔ حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا، اور سود کو حرام کیا، پس جس کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی پھر وہ باز آ گیا تو اس کے لئے ہے جو ہو چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو پھر (سود کی طرف) لوٹے تو وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ ہر ایک کفر کرنے والے (ناشکرے) گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، اور نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی، ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے، اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین

ہوں گے۔ اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم نہ چھوڑو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے خبردار ہو جاؤ، اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارا اصل زر تمہارے لئے ہے، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

بیع وشراء اور انفاق فی سبیل اللہ کے بعد اب معیشت کے ایک اور پہلو کا تذکرہ ہے جو ظہور اسلام کے وقت دنیا میں رائج تھا یعنی ربا یا سود۔

جوا، سود اور تجارت

سود یہ ہوتا ہے کہ آپ کسی کو رقم تو دیتے ہیں لیکن اس کی واپسی زیادتی کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں۔ فقہاء کے نزدیک جہاں خسارہ یقینی ہو، نقصان یقینی ہو اور نفع کا صرف امکان ہو یعنی نفع وہمی اور نقصان یقینی ہو تو یہ جوا ہوتا ہے۔ لوگ اکثر نفع کی امید پہ جوئے میں رقم لگاتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ اکثریت رقم ضائع کر بیٹھتی ہے۔ جہاں نفع یقینی اور نقصان موہوم ہو یہ سود ہوتا ہے یعنی ایک سو دیا ہے لیکن ڈیڑھ سو لینا ہے یا ایک سو بیس لینا ہے، ایک لاکھ دیا ہے لیکن ایک لاکھ بیس ہزار وصول کرنا یقینی ہے۔ اس میں ایک وہم ہو سکتا ہے کہ جسے دیا ہے وہ بندہ ہی مر جائے، بھاگ جائے یا کچھ ایسی صورت حال بن جائے تو یہ ایک امکانی صورت ہے ورنہ یقینی صورت یہ ہے کہ جو دیا ہے وہ زیادتی کے ساتھ وصول ہو گا، یہ سود ہے۔ جہاں نفع اور نقصان کی برابر امید ہو یہ تجارت ہے۔ اس میں نفع بھی ہو سکتا ہے، نقصان بھی ہو سکتا ہے۔

دنیا میں جتنے نظام ہائے معیشت ہیں ان میں اسلام کا اپنا معاشی نظام ہے جو سب سے اعلیٰ، سب سے آسان اور سب سے نفع بخش ہے۔ اسلام نے پہلے تو دولت حاصل کرنے کے ذرائع پہ پابندی لگائی ہے کہ معروف ذریعے سے دولت حاصل کی جائے، غیر معروف ذریعے سے نہیں۔ چوری، رشوت، یہ غیر معروف ذرائع ہیں۔ کاروبار، ملازمت، مزدوری، کاشتکاری یہ معروف ذرائع ہیں۔ معروف ذرائع سے محنت کر کے رزق حلال حاصل کیا جائے۔ اس وقت دنیا کے جتنے معاشی نظام ہیں، وہ دولت حاصل کرنے کے بعد اس پر کچھ سرکاری ٹیکس اور واجبات لگاتے ہیں۔ حکومت وہ واجبات وصول کرنے کے بعد پھر دولت کے متعلق نہیں

پوچھتی۔ وہ مالک کی اپنی ہے۔ وہ اسے غلط جگہ پہ لگاتا ہے' صحیح پہ لگاتا ہے' کیا کرتا ہے' اس سے حکومت کو کوئی سروکار نہیں۔ اس کے برعکس اسلام ایک ایک پائی کے خرچ ہونے تک آدمی کی رہنمائی کرتا ہے۔ صرف کمانے کی شرائط نہیں ہیں بلکہ اسلام نے خرچ کرنے کے بھی مقامات متعین کر دیئے اور دولت کو ضائع کرنے سے منع فرمایا۔

لَا تُسْرِفُوْا اسراف وہ ہوتا ہے جہاں محض تفنن طبع کے لئے یا عیاشی کے لئے خرچ کیا جائے اور اس کا کوئی فائدہ اپنی ذات کو ہو نہ اللہ کی مخلوق کو ہو۔ اسراف سے منع فرمایا لیکن کھانے پینے سے نہیں روکا۔ **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا** جائز حد تک اپنی ضروتیں پوری کرو' کھاؤ پیو۔ اللہ نے جتنی دولت دی ہے اس کے مطابق زندگی بسر کرو' اس کے مطابق لباس پہنو' اپنی حیثیت کے مطابق گاڑی رکھو' گھر بناؤ' منع نہیں فرمایا لیکن اسے ضائع نہ کرو۔ خرچ پر یہ پابندیاں اس لئے ہیں کہ دولت تمہارے پاس امانت ہے۔ اس وقت کمائی کے ذرائع میں ایک آسان ذریعہ سود تھا جو آج بھی پوری دنیا پہ رائج ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں مفلس مفلس تر ہو رہا ہے اور امیر امیر تر ہو رہا ہے۔

حرمت سود کا قرآنی استدلال

بعض لوگ عجیب سوال پوچھتے ہیں کہ انتہائی ضرورت اور مجبوری میں کیا سود لیا جا سکتا ہے؟ آدمی کے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہو تو وہ سود نہیں لیتا۔ ہمیشہ ضرورت مند ہی مار کھاتے ہیں اور ایسی ہی صورت میں اللہ پر بھروسہ کرنے کا امتحان ہے کہ اگر ضرورتیں مجبور بھی کریں تو حرام کی طرف نہ جائے۔ حلال اور جائز وسائل کی طرف جائے اور یہی آزمائش ہے۔

فرمایا: **اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا** جو لوگ سود کھانے سے باز نہیں آتے۔ **لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ** روز حشر وہ اس طرح کھڑے ہوں گے جیسے دنیا میں کسی کو جن نے پکڑ کر دیوانہ بنا دیا' کسی کو شیطان نے یا جن نے مس کر کے پاگل کر دیا ہو۔ اس لئے کہ دنیا میں یہ کہتے تھے: **اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ** کہ تجارت بھی تو سود کی طرح ہے۔ تجارت میں آپ پیسہ خرچ کرتے ہیں تو ساتھ پیسہ کماتے ہیں' اسی طرح سود میں بھی ہم پیسہ دیتے ہیں تو ساتھ پیسہ کماتے ہیں۔

اس کا جواب معاشی دلائل سے بھی ہو سکتا تھا کہ اس میں یہ بہتری ہے' اس میں یہ نقصان ہے یا مصالحانہ انداز سے بھی ہو سکتا تھا لیکن قادر مطلق نے یہاں حاکمانہ جواب ارشاد فرمایا: یہ سوچ ہی غیرت الٰہی کو للکارنے والی بات ہے۔ جب اللہ کی طرف سے ایک حکم آ جاتا ہے تو اس میں تاویلیں گھڑنے کی گنجائش باقی

نہیں رہتی۔ اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ جو فرما دیں وہاں تعمیل ارشاد کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ ایمان یہ ہے کہ وہاں سر تسلیم خم کیا جائے۔ جب سود خوروں نے یہ اعتراض کیا کہ تجارت بھی سود کی مانند ہے تو اللہ کریم نے فرمایا: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ مالک کائنات نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ حاکمانہ جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ حاکم ہے، مختار کل ہے، کائنات اس کی ہے، دولت اس کی ہے، مخلوق اس کی ہے، تم اس میں حجت کرنے والے کون ہوتے ہو! اس کی مرضی اس نے تجارت کو جائز قرار دے دیا اور سود کو ناجائز قرار دے دیا۔ لہٰذا سود کے معاملے میں کوئی جواز، کوئی دلیل، کوئی بہانہ، کوئی عذر رب کریم نے قبول نہیں فرمایا بلکہ حاکمانہ جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

یہاں علمائے تفسیر نے یہ بحث بھی کی ہے کہ اس آیہ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جن آدمی کو مس کر کے یا پکڑ کر دیوانہ بنا دیتے ہیں اور یہ مرض بھی انسانوں کو ہوسکتا ہے۔ جنات کے اثرات سے وقتی طور پر حواس مختل ہو جاتے ہیں، آدمی بے ہوش ہوسکتا ہے، اسے تکلیف ہوسکتی ہے، ایذا ہوسکتی ہے۔ جس طرح دنیا میں کسی کو جن نے پکڑا ہوا اور وہ دیوانہ ہوگیا ہو، روز حشر سود خور اٹھیں گے تو اسی طرح دیوانے ہوئے ہوں گے۔

سود پر عذاب کی مختلف صورتیں

صاحب تفسیر مظہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے معراج شریف کی حدیث بیان کرتے ہوئے سود خوروں کے بارے میں کچھ احادیث نقل کی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شب معراج دوران سفر میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ راہ میں پڑے تھے اور ان کے پیٹ پھول کر بہت بڑے ہو گئے تھے حتیٰ کہ وہ اٹھ نہیں سکتے تھے۔ ان کے پیٹوں کے اندر اژدہے، بچھو اور اس طرح ایذا دینے والی چیزیں باہر سے نظر آ رہی تھیں جو ان میں بھاگ دوڑ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد ایک طرف سے شور ہوا، کچھ لوگ بھاگتے ہوئے آ رہے تھے۔ انہوں نے اٹھنا چاہا لیکن اٹھ نہ سکے اور وہ انہیں روندتے ہوئے گزر گئے۔ آپ ﷺ نے جبرائیل امین علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہ بھاگنے والے کون ہیں تو انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! یہ جو راہ میں پڑے ہیں یہ سود کھانے والے ہیں اور جو انہیں روند کر گزر رہے تھے، یہ آل فرعون ہیں کہ انہیں صبح شام دوزخ پہ پیش کیا جاتا ہے اور صبح شام یہ بھاگ کر گزرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور واقعہ حدیث معراج میں بیان ہوا کہ خون کا دریا ہے اور اس میں کچھ لوگ غوطے کھا رہے ہیں۔ وہ بڑی تکلیف میں ہیں اور کنارے کی طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جب قریب آتے ہیں تو فرشتے انہیں ہنکا کر پھر واپس کر دیتے ہیں۔ استفسار پر جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ بھی سود خور ہیں۔ یعنی سود وصول کرنے کی مختلف

قسموں کے مطابق عذاب کی صورت بھی مختلف ہے۔ جس طرح کی صورت حال ہے، برزخ میں اس طرح کے عذاب ہو رہے ہیں جو حدیث معراج میں بیان ہوئے۔ اسی طرح جہنم کے واقعات میں بھی سود خوروں کے بہت سے عذابوں کا ذکر ہے جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

سود کے متعلق اللہ کا دوٹوک فیصلہ

قرآن حکیم نے فیصلہ کن ارشاد فرمایا، کہ اللہ حاکم و مختار ہے۔ تجارت کو اس نے حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا۔ **فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى** جسے اللہ کا یہ پیغام پہنچا، اللہ کا حکم پہنچا، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عالی پہنچے اور اس نے سود لینا بند کر دیا، سودی کاروبار چھوڑ دیا۔ **فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ** تو وہ توبہ اس کے پہلے گناہوں کے کفارے کے لئے کافی ہے۔ توبہ کیا ہے؟ زبان سے توبہ توبہ کہنا توبہ نہیں ہے۔ توبہ یہ ہے کہ جو غلطی ہم کر رہے ہیں وہ غلطی چھوڑ دی جائے، گناہ چھوڑ دیا جائے اور اللہ کریم سے عہد کیا جائے اور دعا کی جائے کہ اے اللہ! میں اس گناہ کو چھوڑتا ہوں، تو میرے گناہ معاف فرما، مجھے اس پہ استقامت بھی عطا فرما اور آئندہ مجھے اس سے بچا اور اس سے بچنے کی بھی کوشش کی جائے۔ تو جس نے توبہ کی **فَانْتَهٰى** جو باز آ گیا، جس نے سود لینا چھوڑ دیا تو اب تک جو وہ لے چکا ہے اللہ کریم نے وہ گذشتہ گناہ اس توبہ کے طفیل معاف کر دیا۔

وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اب اس کی توبہ کیسی ہے؟ حکومت کے ڈر سے ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں ہے یا رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہے؟ یہ دل کی بات ہے۔ **وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ** دل کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کس نے کیسی توبہ کی ہے۔ **وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ** لیکن جو پھر سے سود لینا شروع کر دے تو ایسے لوگ جہنم کے باسی ہیں۔

یہودی معیشت نے پھر سے دنیا کو سودی معیشت میں جکڑ دیا ہے۔ برصغیر پر جب انگریز قابض ہوا تو یہاں کی ساری معیشت بدل کر سودی معیشت رائج کر دی گئی۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** ! یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ نفاذ شریعت کے لئے دارالعرفان میں خیمہ بستی کی تحریک کے زیر اثر وفاقی وزیر مذہبی امور نے خود حاضری دی تھی اور سود کے خاتمہ کی تاریخ کا اعلان کیا۔ اس کا سبب جو بھی بنا، اس کا کریڈٹ حکام وقت کو جاتا ہے کہ انہوں نے اگر سود بند نہیں کیا تو بلاسودی بنکاری کی اجازت تو دے دی۔ ایسے بنک کھولنے کی اجازت دی ہے جو کاروبار کریں لیکن سود کا لین دین نہ کریں۔

اب اس کے بعد مسلمان شہریوں کی باری تھی لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ آج بھی ہمارے امرا، کاروباری حضرات، کارخانہ دار، زمیندار اور سرمایہ داروں کی اکثریت سود ہی کھا رہی ہے۔ پہلے تو ایک عذر تھا

کہ ملک کا سارا نظام سودی ہے لیکن بلاسودی بنکاری کی اجازت کے بعد اب کوئی زبردستی تو نہیں ہے کہ ہر بندہ خواہ مخواہ سود کھائے۔ جو سود نہیں لینا چاہتا وہ بلاسودی بنکاری میں اپنے پیسے رکھے لیکن ہمارے لہو میں، وجود میں حرام ایسا رچ بس گیا ہے کہ آج بھی زیادہ تر سرمایہ سودی بنکوں کے پاس ہے اور بہت کم ایسے خوش نصیب ہیں جنہوں نے اپنا سرمایہ وہاں سے نکال کر بلاسودی بنکوں میں رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کے دین سے ذاتی طور پر دور ہو چکے ہیں کہ برائی کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ سود کھانا ایک ایسا گناہ ہے جو نہ صرف عبادات کو بلکہ ایمان تک کو تباہ کر دیتا ہے۔ سود خور کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی، خواہ وہ کتنے روزے رکھے، کتنی تبلیغ کرے، کتنے سفر کرے۔ سود سے جو گوشت بنتا ہے وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اس کے لئے جہنم ہی موزوں جگہ ہے۔

سود خور کا ٹھکانہ جہنم ہے

سود خور کے لئے اللہ کریم نے فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○ وہی سزا جو کافر کی ہے، سود سے باز نہ آنے والے اور سود کھانے والے کے لئے بھی قرآن کریم نے وہی سزا تجویز فرمائی ہے کہ یہ دوزخ کے رہنے والے ہیں اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ خَلُوْدِ فِی النَّارِ کافر کے لئے ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی سود کھانے سے باز نہیں آتا تو اس کے ایمان کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ ایمان ایک دعویٰ ہے لیکن کردار اس کی گواہی دے گا کہ یہ حرام نہیں کھاتا، یہ مسلمان ہے۔ ایمان ایک دعویٰ ہے اور ہمارے اعمال اس کے گواہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ایک شخص کہتا ہے میں مسلمان ہوں لیکن وہ صرف تارک الصلوٰۃ ہے تو کافر ہو جائے گا، بغیر توبہ کے مر جائے تو اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رعایت فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ کرنا کہ میں مسلمان ہوں اور کلمہ پڑھنا بھی ایک عمل ہے اس لئے کافر شمار نہ کیا جائے۔ آخر میں وہ بھی رعایت نہیں کرتے کہ اگر بے عمل ہی مر جائے تو پھر اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ اگر ترک صلوٰۃ پہ یہ وعید ہے تو جو شخص سود کھاتا ہے، اس کے ایمان کی کیا ضمانت ہے! ہم نے لوگوں کو دیکھا ہے تبلیغ میں چلے بھی لگا آتے ہیں، مساجد میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، عمرے بھی کرتے ہیں لیکن سود نہیں چھوڑتے۔ سود کا نہ چھوڑنا ان تمام اعمال کو کھا جاتا ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں رہتا اس لئے کہ سود کھانا حاکمیت الٰہی کو چیلنج کرنا ہے۔ اللہ نے یہاں دلیل سے قائل نہیں فرمایا بلکہ حکماً تجارت کو جائز قرار دیا اور سود کو حرام کر دیا۔

دوسری بات فرما دی۔ **یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ** ؕ سود خور کو دنیا میں بھی سکون نہیں ملتا اس لئے کہ اللہ کریم سود کی کمائی کو مٹا دیتے ہیں۔ ایک شخص کروڑوں جمع کر لیتا ہے لیکن اسے ڈاکٹر کہتا ہے کہ تجھے صرف جو کی روٹی کھانی ہے۔ اب ان کروڑوں کو وہ آگ لگائے گا جب اسے پروردگار عالم ایک لقمہ کھانے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ دودھ پیتا ہے بیمار ہو جاتا ہے’ فروٹ کھاتا ہے بیمار ہو جاتا ہے’ کوئی اچھا کھانا کھاتا ہے بیمار ہو جاتا ہے۔ ایک سزا لگ گئی کہ تجھے یہ بھی نہیں کھانا’ یہ بھی نہیں کھانا’ اور مٹھی بھر چنوں پر گزارا کرنا ہے۔ بتائیں اس سود سے اسے کیا حاصل ہوا’ اس کے لئے اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑا۔ سوتا ہے تو نیند نہیں آتی۔ چلتا ہے تو ہڈیاں چٹختی ہیں’ کام نہیں کر سکتا۔ بات کرتا ہے تو زبان لڑکھڑا جاتی ہے۔ ایک مردہ لاش کی طرح زندگی گزارنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ فرمایا اللہ کریم سود کو مٹاتے ہیں۔ سود کھا کر’ حرام ذرائع سے دولت کما کر کوئی شخص نہ عزت حاصل کر سکتا ہے نہ سکون اور نہ صحت!

وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ اور اللہ کی راہ میں حلال ذرائع سے جو کمایا جاتا ہے’ جو خرچ کیا جاتا ہے’ دونوں طرح اللہ کریم اسے برکت دیتے ہیں۔ اسے کھانے کی اجازت بھی دیتے ہیں’ اسے صحت بھی دیتے ہیں’ اسے سکون بھی عطا کرتے ہیں’ دنیا میں بھی اسے اطمینان نصیب ہوتا ہے اور آخرت میں بھی۔

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ ۝ اللہ کریم کافروں سے کبھی محبت نہیں کرتے۔ جو اللہ کی عظمت کا انکار کر دیں’ ان سے اللہ محبت نہیں فرماتے۔ اسی طرح جو شخص اپنی زندگی گناہ کے لئے وقف کر دے اللہ اس سے بھی محبت نہیں کرتے۔ **کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ** ۝ کفر کرنے والے اور مسلسل گناہ کرنے والے۔ گناہ کا ہو جانا انسانی فطرت ہے اور بھول کر غلطی کر لینا تقاضائے بشریت ہے لیکن اپنی غلطی پہ توبہ کرے’ نادم ہو’ اللہ سے معافی چاہے۔ شیطان سے بڑا شکوہ ہے کہ جرم کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں شیطان نے کرا دیا لیکن آج کل ایسے جرائم ہو رہے ہیں جن پر شیطان بھی حیران ہوتا ہو گا کہ اس طرح کی بدمعاشی تو میں نے بھی نہیں سوچی تھی۔ اس طرح کے گھناؤنے جرائم ہو رہے ہیں کہ لوگ شیطان کو مات دے گئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے کہ جو شیطان جنوں میں سے ہے’ اس سے زیادہ خطرناک وہ شیطان ہے جو انسانوں سے بن جاتا ہے’ اس لئے کہ ابلیس دل میں وسوسہ ڈال سکتا ہے اور یہ ہاتھ پکڑ کر ارتکاب جرم کے لئے ساتھ لے جاتا ہے۔ اللہ کریم نے کفار کے ساتھ ان شیاطین کو بھی رکھا ہے جو انسانوں سے شیطان بن جاتے ہیں اور انہیں اثیم کہا ہے۔ کافر تو اعلانیہ اللہ کی ذات’ اس کی صفات اور حضور ﷺ کی رسالت کا انکار کرتا ہے۔ اثیم وہ ہے جو زبانی تو اعتراف کرتا ہے لیکن عملاً ساری عمر مخالفت کرتا ہے’ نافرمانی کرتا ہے’ گناہ

میں زندگی ضائع کر دیتا ہے۔ فرمایا ایسے لوگوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔

ایمان اور عمل صالح لازم وملزوم ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور ایمان کے بعد ان کا کردار صالح ہو جاتا ہے۔ **اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** قرآن حکیم میں جہاں ایمان کی بات ہوگی، ساتھ عمل صالح کی بات ہوگی۔ ایمان کی دلیل اللہ کی اطاعت ہے۔ یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی عظمت، حضور ﷺ کی رسالت اور ضروریات دین پہ ایمان لاتے ہیں، وہ ایمان ان کے کردار کو صالح بنا دیتا ہے۔ صالح اعمال کون سے ہیں؟ ہر آدمی کی سوچ مختلف ہے، ایک بندہ ایک عمل کو غیر صالح کہتا ہے تو ممکن ہے دوسرا اس عمل کو صالح کہہ دے۔ اس کی رائے مختلف ہو سکتی ہے چونکہ معلومات مختلف ہیں، ماحول مختلف ہے، ضروریات مختلف ہیں، قوت مشاہدہ مختلف ہے، تجربات مختلف ہیں تو کوئی ایک ایسا نقطہ، کوئی ایک ایسی بات چاہیے جس پہ کوئی اختلاف نہ کر سکے اور طے ہو جائے کہ یہ بات صالح ہے، یہ عمل صالح ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ہر وہ بات، ہر وہ کام جو آقائے نامدار ﷺ نے کرنے کا حکم دیا اور جس طریقے سے کرنے کا حکم دیا وہ عمل صالح ہے اور ہر وہ بات، ہر وہ کام جس سے حضور ﷺ نے روک دیا وہ غیر صالح ہے۔ معیار محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جس نے نقوش کف پائے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیا وہ ظلمت دنیوی میں بھٹک گیا۔ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** وہ لوگ جو ایمان لائے۔ **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** اور محمد رسول ﷺ کے غلام ہو گئے، ان کا کردار اطاعت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھل گیا۔

صلوٰۃ سے مراد اطاعت الٰہی ہے

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور وہ اللہ کی اطاعت کو قائم کرنے کا سبب بن گئے۔ ہم **الصَّلٰوةَ** سے صرف نماز مراد لیتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ **الصَّلٰوةَ** سے مراد اطاعت الٰہی ہے۔ چونکہ نماز کی حالت میں ہر حرکت وسکون اطاعت الٰہی کا مظہر ہے، تکبیر اولیٰ کہنے سے سلام پھیرنے تک ہر حرکت، ہر سکون، رکوع وسجود، قیام اطاعت الٰہی کے زمرے میں آتا ہے اس لئے اسے بھی صلوٰۃ کہہ دیا گیا۔ صلوٰۃ سے مراد انسانی کردار ہے۔ اگر کوئی رزق حلال کماتا ہے تو صلوٰۃ ہے۔ جائز ذرائع پہ خرچ کرتا ہے تو صلوٰۃ ہے، حتیٰ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن اپنے بیوی بچوں کو جو روزی کھلاتا ہے وہ بھی اس کا صدقہ شمار ہوتی ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ شمار ہوتی ہے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ بیوی بچوں کا نان ونفقہ تو اس پہ فرض تھا، اس کے ذمے تھا۔ فرمایا جو بات اللہ کریم کرنے کا کہیں اس کو پورا کرنا ہی تو عبادت ہے۔ اگر اس کے ذمے تھا اور اس نے حلال کما کر وہ فرض پورا کیا

تو یہی تو اطاعت ہے، یہی تو عبادت ہے اور اس پر بھی اسے ثواب ملے گا۔

دین اور دنیا میں اصولی فرق

مومن کی دنیا بھی دین ہے کہ دنیا کا جو کام بھی وہ کرتا ہے، وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کرتا ہے۔ کافر کا دین بھی دنیا ہے کہ کافر نے دین کے نام پر اگر کوئی رسم بنا رکھی ہے تو دنیاوی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے یعنی کافر کا دین بھی دنیا ہے اور مومن کی دنیا بھی دین ہے۔ تو فرمایا: ایمان لانے کا مزا تو یہ ہے کہ زندگی اطاعت کے سانچے میں ڈھل جائے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ جنہوں نے ایمان قبول کیا، اپنے کردار کو حضور ﷺ کی اتباع میں ڈھال لیا اور اللہ کی اطاعت کے پابند ہو گئے۔ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ اور جس طرح مال سے اللہ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اس طرح سے مال کو بھی خرچ کیا۔ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ ان کا بدلہ، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔

یہ بہت اہم نقطہ ہے کہ اجر کو ربوبیت سے متعلق فرمایا۔ ربوبیت اللہ کی وہ شان ہے جو تربیت کرتی ہے، پالتی ہے، بڑھاتی رہتی ہے یعنی ان کا جو بدلہ، ثواب، جو اجر ملتا ہے، جو کچھ انہوں نے کیا ہے، ربوبیت باری اس کو بڑھاتی رہتی ہے۔ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ نہ انہیں آئندہ کا کوئی ڈر ہوگا نہ انہیں گذشتہ کا کوئی رنج ہوگا کہ زندگی میں جو میں نے کیا، غلط کیا تھا یا آئندہ پتہ نہیں کیا مصیبت آئے گی۔ فرمایا جو لوگ یقین محکم سے اتباع پیامبر ﷺ اختیار کر لیتے ہیں، معاملات، عبادات اور معیشت میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں، جتنا انہوں نے کیا ہے، اتنا نہیں بلکہ جس قدر ان کا رب چاہتا ہے، اتنا زیادہ ان کو انعام ملے گا۔

ایمان اور سود کا ساتھ نہیں، سود رہے گا یا ایمان

یہاں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے بات شروع فرمائی گویا خطاب عالی ان لوگوں سے ہے جو اللہ پر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، حضور ﷺ کی غلامی کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتا ہے۔ اتَّقُوا اللّٰہَ اللہ سے تعلق کو خراب نہ ہونے دو، اس بات سے ڈرتے رہو کہ ایسا نہ ہو جائے کہ مجھ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جس سے اللہ کریم ناراض ہو جائیں۔ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا یہ حکم سننے کے بعد، آج کے بعد جو تمہارا سود باقی ہے، تم نے کسی سے لینا ہے، وہ چھوڑ دو۔ بات ختم ہوگئی۔ آگے فرمایا:

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ اگر واقعی تم ایمان والے ہو تو سود چھوڑ دو۔ بات شروع بھی ایمان سے کی کہ اے ایمان والو! اللہ کی ناراضگی سے ڈرو اور اگر سود لے رہے ہو تو سود لینا چھوڑ دو۔ تمہارا جو سود باقی بنتا ہے،

وہ بھی ترک کر دو اور آگے فرمایا اگر واقعی تم ایمان رکھتے ہو۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ یعنی ایمان مشروط ہو گیا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو سود چھوڑ دو اور اگر سود نہیں چھوڑو گے تو ایمان چھوٹ گیا۔ ایمان کے ساتھ ترک سود مشروط ہو گیا۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ کہ اگر تم مومن ہو تو سود چھوڑ دو، جو تمہارا بنتا ہے وہ بھی چھوڑ دو، آئندہ لینے کی بات نہیں ہو رہی۔ آج اسی وقت سے تمہارے سرمائے پہ جو سود بن رہا ہے، اسی وقت سے وہ بھی چھوڑ دو اور صرف اپنا اصل سرمایہ لے لو۔ اگر نہیں چھوڑتے تو پھر تم مسلمان نہیں ہو، پھر مومن نہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ اب آپ اندازہ کر لیجئے کہ ہم کس درجے کے مسلمان ہیں۔

سود خور کیلئے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے

پھر اس پر بس نہیں فرمایا۔ اگر تم سود سے باز نہیں آتے تو ایمان ضائع ہو جانے پہ ہی پر بس نہیں: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ سود کھانا نہیں چھوڑو گے تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہوئی تھی۔ لوگوں کو اللہ سے شکایت ہے، کہ اللہ کافروں کو تو روز فتح دیتا ہے لیکن مسلمان جہاں دیکھو، مر رہے ہیں۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ ہم مسلمان ہیں بھی کہ نہیں۔ کیا یہی ایک جرم کہ ہم بحیثیت قوم سود کھا رہے ہیں، ہمیں ایمان سے خالی کرنے کے لئے کافی نہیں! یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ جس سے اللہ اعلان جنگ فرمائے گا تو کیا اس پر فرشتوں کی فوجیں چڑھا دے گا یا رسول اللہ ﷺ اس کے لئے بد دعائیں کریں گے! نہیں، ہوگا یہ کہ وہ اس دار دنیا میں کہلاتا مسلمان ہو گا لیکن مار کافروں سے کھا رہا ہو گا۔ اللہ سے جو جنگ کرے گا اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ نام کا تو مسلمان ہو گا لیکن ذلیل کافروں کے جوتوں میں ہو رہا ہو گا۔ کافروں سے بھیک مانگ کر کھا رہا ہو گا، کافروں سے امداد کا طالب ہو رہا ہو گا، کافروں کی غلامی میں دم ہلا رہا ہو گا اور ذلیل و رسوا ہو رہا ہو گا۔

مسلمان کی تو یہ شان ہے کہ پوری دنیا پہ کفر چھایا ہوا تھا اور تین سو تیرہ کی فوج نے بڑے لشکر جرار کو شکست دے دی۔ چند نفوس قدسیہ نے مدینہ منورہ میں ایک ریاست قائم کی اور ربع صدی میں روئے زمین پر اسلام کی روشنی پھیلا دی، دلوں کو منور کر دیا۔ یہ بھی تو مسلمان تھے! آج کیا وجہ ہے کہ عورتیں بے آبرو ہوتی ہیں تو آسمان سے ہماری کوئی مدد نہیں ہوتی۔ کافروں پر کوئی افتاد نہیں پڑتی۔ بچے قتل ہوتے ہیں تو کسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ مسلمان بازاروں اور عبادت گاہوں میں، سڑکوں پہ قتل ہو جاتے ہیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا، کیوں؟ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ سود کھانے سے باز نہیں آتے ہو تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا

تمہارے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ اللہ کی جنگ ایسے ہوتی ہے کہ گھر سے مار پڑتی ہے، وجود سے مار پڑتی ہے، دل ساتھ چھوڑ دیتا ہے، دماغ ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ سب سے بڑی رسوائی یہ ہے کہ اسلام کے دعوے کے ساتھ کافروں کے آگے ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ کافروں کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ وہ کپڑے پہننا فخر سمجھتے ہیں جو کافر اتار کر پھینک دیتے ہیں۔ جوان کا بچتا ہے وہ کھا لیتے ہیں۔ دوا وہ ملتی ہے جو ان سے بچتی ہے۔ یہ سب اس لئے کہ ہم نے اللہ سے اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ ذلت ہمارا مقدر ہے۔ ہر شعبہ زندگی میں رسوائی ہو جاتی ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا اگر باز نہ آئے، اگر تم سود کھاتے ہی چلے گئے۔ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ تو پھر یہ جنگ تم پر مسلط تو ہوگی۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ اور اگر تم توبہ کر لو تو اصل مال کے مستحق ہو۔ جو اصل مال ہے وہ لے سکتے ہو۔ فقہاء کرام یہاں فرماتے ہیں کہ جو سود سے تائب نہیں ہوتا، حکومت اسلامی کے ذمے ہے کہ اس کی اصل رقم بھی ضبط کر لے چونکہ اصل بھی اس کے لئے ہے جو توبہ کرتا ہے۔ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ اصل سرمایہ بھی اسے ملے گا جو سود سے توبہ کرے گا، سود چھوڑ دے گا تو اصلی رقم لے سکتا ہے۔ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ تم کسی پر ظلم نہ کرو، تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ آج دنیا میں کہیں مسلمان کی پہچان بھی ہے! اس کے لباس سے، اس کے حلیے سے، اس کے قد و قامت سے، اس کے کردار سے، اس کی عبادات سے، اس کے کمانے کھانے سے کوئی پتہ چلتا ہے! جب ہم نے اپنی شناخت ہی گم کر دی تو یہ ایک عجیب فلسفہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ زندگی تو فرعون کی طرح جیئیں اور انجام موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ زندگی ہی انجام کا تعین کرتی ہے، جس راہ پہ ہم چل رہے ہیں وہ فرعون کی سی ہے تو پھر موسیٰ علیہ السلام جیسی موت کس طرح آئے! اللہ نے تو شرط لگا دی کہ اگر سود نہیں چھوڑتے تو صرف یہ نہیں کہ مسلمان نہیں ہو، تم بدترین لوگ ہو جن سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ اعلان جنگ کرتے ہیں۔ اللہ کی جنگ تو یہی ہوگی کہ ذلت ہوگی، مقدر میں رسوائی ہوگی۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ
نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ ٣٨ ع ٨
بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ص

وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ
عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ
عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ
بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا
رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ
اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا
دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْـَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ
عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً
حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ
وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا
فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰي سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ
اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا
تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع ۳۹ ۲

اور اگر وہ تنگدست ہو تو کشادگی ہونے تک مہلت دیدو' اور اگر (قرض) بخش دو تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اور اس دن سے ڈرو (جس دن) تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو پورا

پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔ (ان پر ظلم نہ ہو گا) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم ایک مقررہ مدت تک ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ کاتب تمہارے درمیان انصاف سے لکھدے اور کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے، جیسے اس کو اللہ نے سکھایا ہے، اسے چاہیئے کہ لکھ دے، اور جس پر قرض ہے وہ لکھاتا جائے اور اپنے رب اللہ سے ڈرے، اور نہ اس سے کچھ کم کرے۔ پھر اگر وہ جس پر حق (قرض) ہے وہ کم عقل یا کمزور ہے، یا وہ لکھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو چاہیئے کہ اس کا سرپرست انصاف سے لکھا دے۔ اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کرلو، پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (تاکہ) اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو ان میں سے ایک (دوسری) یاد دلا دے، اور گواہ انکار نہ کریں جب بلائے جائیں۔ اور تم لکھنے میں سستی نہ کرو (خواہ معاملہ) ایک میعاد تک چھوٹا ہو یا بڑا، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف ہے اور گواہی کے لئے زیادہ مضبوط ہے اور زیادہ قریب ہے کہ تم شبہ میں نہ پڑو، اس کے سوائے کہ سودا ہاتھوں ہاتھ کا ہو جسے تم آپس میں لیتے رہتے ہو تو کوئی گناہ نہیں کہ تم وہ نہ لکھو۔ اور جب تم سودا کرو تو گواہ کرلیا کرو اور نہ لکھنے والا نقصان کرے نہ گواہ اور اگر تم (ایسا) کرو گے تو یہ بیشک تم پر گناہ ہے۔ اور تم اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو قبضہ میں گروی رکھنا چاہیے، پھر اگر تم میں کوئی کسی کا اعتبار کرے تو جس شخص کو امین بنایا گیا ہے اسے چاہیے کہ لوٹا دے اس کی امانت، اور اپنے رب اللہ سے ڈرے۔ اور تم گواہی نہ چھپاؤ، اور جو شخص اسے چھپائے گا تو بیشک اس کا دل گناہگار ہے۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے جاننے والا ہے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے

اللہ کریم کو اپنی مخلوق بڑی پیاری ہے اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان کیا جائے تو اللہ کریم کی رضامندی نصیب ہوتی ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ مقروض سے رعایت کرنے والے یا قرضہ معاف کرنے والے یوم حشر کو اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے' انہیں خصوصی عزت دی جائے گی۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کے پاس نیکیاں ہوں گی' نماز روزہ ہوگا' عبادتیں ہوں گی۔ جب وہ بارگاہ الوہیت میں پیش ہوں گے تو ارشاد باری ہوگا کہ تم نے سجدے تو بہت کئے' عبادت تو کی لیکن میں بھوکا رہا اور تم پیٹ بھر کر کھاتے رہے' میری خبر نہیں لی' میں بیمار ہوا اور تم صحت مند بھی تھے خوشحال بھی تھے لیکن تم نے میری خبر گیری کی نہ میری مدد کی۔ وہ عرض کریں گے بار الہا! تیری ذات تو ان ساری چیزوں سے بالاتر ہے' بھوک پیاس یا بیماری تیری شان کے لائق نہیں تو ارشاد ہوگا کہ میرے وہ بندے جو تمہارے اردگرد بھوکے تھے' تم اگر ان کی خبر گیری کرتے تو ایسے ہی تھا جیسے تم نے میری خبر گیری کی۔ تمہارے پاس ایسے لوگ تھے جو بیمار تھے محتاج تھے' دوا خریدنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ وہ تڑپتے رہے لیکن تم نے ان کا حال نہیں پوچھا' ان کی مدد نہیں کی۔

نماز روزہ حج زکوٰۃ یا جتنی بھی عبادات ہیں' ان کا حاصل یہ ہے کہ بندے کی عملی زندگی سدھر جائے اور وہ قرآن کا پسندیدہ انسان بن جائے۔ وہ ایسا مسلمان بن جائے جیسا کتاب اللہ کا مطالبہ ہے کہ عبادات اصلاح احوال میں سب سے زیادہ معاون ہیں۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ عبادت' نماز روزے یا نیکیوں کا ثواب کیا ہے؟ فرمایا یہ برائی اور بے حیائی سے روک دیتی ہیں۔ ان کا ثواب یہ ہے کہ بندے کا کردار سدھر جاتا ہے اور اگر کوئی عبادت بھی کرتا ہے اور اعمال سدھرتے نہیں ہیں تو پھر اسے دیکھنا ہوگا کہ اس کی عبادت میں کوئی کمی ہے یا عقیدے میں کوئی خلل ہے؟ عبادت کا طریقہ خلاف سنت ہے یا کوئی خامی ہوگی کہ عبادت قبول نہیں ہو رہی۔ اگر عبادت قبول ہوتی تو اعمال یقیناً سدھر جاتے۔

کم و بیش یہی مفہوم اس حدیث مبارکہ کا بھی ہے کہ بعض لوگ عبادتیں تو کریں گے لیکن ایسا ہو سکتا ہے کہ انہیں عقائد کی پرواہ نہ ہو' عقائد میں خامی ہو یا عبادت کے طریقے میں خامی ہو تو جو اثر عملی زندگی پر مرتب ہونا چاہیئے تھا' وہ مرتب نہیں ہوتا۔ جس عبادت پہ تم فخر کرتے ہو' اس کا اثر تو دنیا میں تمہاری عملی زندگی

میں نظر آنا چاہیئے تھا۔ جب یہ نظر نہیں آیا تو تمہیں اس وقت فکر کرنی چاہیئے تھی کہ کہیں کوئی کمی یا خامی ہے، میں اس کی اصلاح کروں۔ اس وقت تم نے پرواہ نہیں کی۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ڈرو اس دن سے جب تمہیں اللہ کے روبرو پیش ہونا ہے۔ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اس دن ہر متنفس کو وہی ملے گا جو کچھ اس نے کمایا ہے یعنی اجر اعمال پر ہوگا۔ اللہ کی مخلوق کے ساتھ تمہارا سلوک کیسا تھا، تم لین دین میں کیسے تھے، تم بات کرنے میں کیسے تھے، تم معاملات میں کیسے تھے، تمہارا کردار کیسا تھا! جو عمل کسی نے کیا، اس پر اجر مرتب ہوگا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۝ اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی جائے گی۔ عین انصاف ہوگا۔ اللہ کریم مہربانی فرمائیں گے، درگزر فرمائیں گے لیکن درگزر کے لئے بھی اللہ پر یقین ضروری ہے اور وہ یقین ضروری ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا۔ اپنے طور پر اللہ کو مان لینا اور اپنی پسند سے صفات گھڑ لینا قابل قبول نہیں ہے۔ اللہ کی ذات اور صفات کے بارے جس طرح اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں، اس طرح سے یقین ضروری ہے۔

اسلام کے معاشی اصول لازوال ہیں

دنیا میں اسلام نے اس وقت معاشی نظام دیا جب کوئی معاشی نظام نہیں تھا اور دنیا کا لین دین لوٹ کھسوٹ دھوکا دہی، چوری اور ڈاکے پر تھا۔ طاقت کے بل پر جو کچھ کوئی چھین لیتا وہ اس کا ہو جاتا۔ تجارت میں بھی ہزار ہا فریب اور دجل تھے۔ اسلام نے ایک مبسوط معاشی نظام دیا اور یہ نظام معیشت صرف اس وقت کے لئے نہیں تھا بلکہ تب سے لے کر جب تک دنیا قائم ہے وہ معاشی اصول عالمگیر اور لازوال ہیں۔ یعنی اسلامی اصولوں میں گہرائی بھی ہے اور گیرائی بھی ہے۔ زمانے نے بڑی کروٹیں بدلیں۔ چودہ صدیوں میں بہت تبدیلیاں آئیں لیکن گذشتہ صدی کی آخری دو دہائیوں میں اتنی پے در پے تبدیلیاں آئیں کہ اس سے پہلے سوچی بھی نہیں جا سکتی تھیں۔ آج دنیا ایک گاؤں بن گئی ہے اور اسے گلوبل ویلج کہتے ہیں۔ بندے کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سیٹ ہے اور روئے زمین پر وہ جہاں چاہتا ہے بات کر لیتا ہے، اس پہ دنیا میں کہیں کچھ ہو رہا ہے، دیکھ لیتا ہے۔ اسی طرح لین دین کے بھی نئے طریقے آ گئے۔ اب ایک آدمی کمپیوٹر پہ بیٹھا ہے اور وہ دنیا میں کاروبار کر رہا ہے۔ کوئی سفر نہیں کرتا، کہیں آتا جاتا نہیں، بنک سے ادائیگی ہو جاتی ہے، جس چیز کا مطالبہ کرتا ہے وہ بھیج دیتے ہیں اور یہاں بیٹھے بیٹھے ڈیلیوری لے لیتا ہے۔ اتنی جدیدیت آئی کہ آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن اسلام کے لین دین کے اصول ایسے مضبوط، ایسے قابل عمل اور ناقابل تبدیل ہیں کہ یہ ساری تبدیلیاں ان اصولوں کو متاثر نہیں کر سکتیں۔ اس لئے کہ جتنی تبدیلیاں آتی ہیں، اصولوں میں نہیں، ذرائع میں

آتی ہیں۔ مثلاً حج کے ارکان تو اللہ کریم نے چودہ صدیاں پہلے ارشاد فرما دیئے اور آج بھی وہی ہیں۔ آج یہ تبدیلی آ گئی کہ ایک آدمی یہاں سے صبح عمرہ کرنے جاتا ہے اور دوسرے دن واپس آ جاتا ہے۔ اب سواری کے ذریعے بدلے ہیں لیکن اسلام نے جو اصول دیئے تھے' وہ نہیں بدلے' نہ وہ متاثر ہوئے ہیں۔ اسی طرح لین دین کے جو اصول تھے وہ آج بھی وہی ہیں اور قیامت تک وہی رہیں گے۔

ادھار لین دین کو ضبط تحریر میں لاؤ

لین دین میں ادھار تو آ جاتا ہے' فرمایا: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ** اے ایمان والو! جب تم لین دین کرتے ہو تو اس میں ادھار بھی آ جاتا ہے' تو جو معیاد مقرر کرتے ہو' جتنا پیسہ دیتے ہو' جس دن لوٹانا ہے' اسے لکھ لو۔ ایک تحریر بناؤ کہ میں اس شخص کو یہ چیز دے رہا ہوں' اس کے بدلے اس نے مجھے اتنے پیسے دینے ہیں یا اتنا مال دینا ہے یا متبادل دینا ہے اور کب دینا ہے' کس صورت میں دینا ہے' یہ لکھ لو۔

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ اور جو لکھنے والا ہے وہ پوری دیانت داری سے لکھے۔ اس لکھنے میں کوئی لفظ ایسا داخل نہ کرے جس میں دینے والے یا لینے والے کو نقصان پہنچتا ہو یا جو ان کا معاملہ آپس میں طے ہوا ہے اس میں کوئی تبدیلی آتی ہو' یا بات بدل جاتی ہو۔ وہ اللہ کو حاضر ناظر جان کر پوری دیانت داری سے لکھے۔ **وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ** اور کوئی لکھا پڑھا آدمی دستاویز لکھنے سے انکار بھی نہ کرے۔ یہ نہ کہے کہ بھئی لین دین تمہارا ہے' میں نہیں لکھتا اس لئے کہ **كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ** اللہ نے اسے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت دی ہے' اسے انکار نہیں کرنا چاہیے' اسے لکھنا چاہیے۔ **وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ** دیکھیں اسلام نے کن باریکیوں تک اسے طے فرما دیا کہ جس کے ذمے رقم پڑ رہی ہے' جس نے ادا کرنی ہے وہ خود بول کر لکھوائے' کاتب اندازے سے نہ لکھے چونکہ رقم اسے ادا کرنی ہے اور وقت مقررہ کا اسے پتہ ہے۔ لہٰذا جس کے ذمے ادائیگی ہے وہ خود بولے کہ اتنی چیز ہے' اتنی رقم ہے یا یہ جنس ہے۔ میں نے فلاں ابن فلاں کو ادا کرنی ہے' فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو' فلاں دن کو ادا کروں گا۔

ادھار کا ایک اور طریقہ ہے' ہم چیز لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فصل پر پیسے دیں گے' گندم ہوگی تو پیسے دیں گے' یہ جائز نہیں ہے۔ یعنی جب لکھتے ہو تو وقت دن مہینہ اوقات معین کرو۔ اس کی فصل ہو یا نہ ہو' اس کو فصل سے پیسے آئیں یا نہ آئیں' اس کا باغ بکے یا نہ بکے' یہ درست نہیں ہے۔ جب لین دین کرتے ہو تو وہ تحریر کیا جائے اور اس میں جس کے ذمے دینا ہے وہ خود بول کر کاتب کو لکھوائے کہ میرے ذمے اس شخص کی اتنی رقم ہے فلاں

مہینے کی فلاخ تاریخ کو میں اسے ادا کروں گا۔ اگر وہ لکھوا نہ سکتا ہو' اتنی سمجھ نہ رکھتا ہو یا ضعیف آدمی ہو یا بولنے کی قدرت نہ رکھتا ہو' جیسے کوئی گونگا ہو یا کوئی غیر ملکی ہے کہ جس زبان میں لکھنے والا لکھ رہا ہے وہ اس زبان سے ہی واقف نہیں ہے تو وہ اپنی زبان میں بولے گا اور لکھنے والا اپنی زبان میں لکھے گا۔ اس صورت میں اس کا کوئی ولی ہو فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ پھر اس کا کوئی ولی ہو' اس کا کوئی وارث ہو۔ اس کا باپ بیٹا' کوئی بھائی یا جسے وہ اپنا وکیل مقرر کرتا ہے' وہ بھی اس میں آ جاتا ہے کہ میرا یہ نمائندہ ہے' میری جگہ یہ بولے گا اور کاتب لکھ لے گا۔

لین دین کے معاملات پر عورت اور مرد کی گواہی

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ لکھنے کے بعد اس پر تم مسلمانوں میں سے دو مرد گواہ ہوں جو عادل ہوں' عاقل اور بالغ ہوں چونکہ شہادت کے لئے عدل شرط ہے۔ کوئی ایسا آدمی جس کے ذمے چوری یا ڈاکہ ہو' کوئی ایسا آدمی جس کے ذمے جھوٹ بولنے کی تہمت ہو' وہ شہادت کے قابل نہیں ہے۔ اگر دو مرد اس وقت موقع پر میسر نہ ہوں فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ۔ تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں ضرور ہوں۔ گواہی دینے والا ایک مرد ہو اور دو عورتیں ہوں تو اس طرح بھی دو گواہوں کی شرط پوری ہوگئی۔ اس پہ ہمارے ہاں بڑی لے دے ہو رہی ہے کہ عورت کو برابری کے حقوق نہیں دیئے اور قرآن نے عورت کی شہادت آدھی قرار دے دی۔ قرآن حکیم نے جہاں یہ حکم دیا ہے کہ عورتیں دو ہوں وہاں اس کی مصلحت بھی خود ارشاد فرما دی ہے۔ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ عورت اور مرد اللہ کی نظر میں دونوں برابر ہیں۔ دونوں اللہ کے سامنے جوابدہ ہیں۔ جزا و سزا دونوں کے لئے ہے۔ جنت بھی عورت اور مرد دونوں کے لئے ہے اور دوزخ بھی مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے۔ کیوں بھول جائے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی تخلیق کے اعتبار سے مرد اور عورت کے وجود میں فرق ہے۔ ان کے اوصاف میں فرق ہے اور ان کی ذمہ داریوں میں فرق ہے۔ چونکہ کاروبار' رزق کمانا اور بچوں کا پیٹ پالنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ عورت اس میں بہت کم مداخلت کرتی ہے جب تک وہ مجبور نہ ہو جائے۔ کوئی مرد کمانے والا نہ رہے تو عورت اس میدان میں آ سکتی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو اسلام نے روکا نہیں ہے۔ چونکہ عورتوں کو اس شعبے سے سابقہ ہی کم پڑتا ہے' تو ایک دفعہ گواہ بنانے کے بعد شاید برسوں گزر جائیں اور اسے یاد رہے یا نہ رہے۔ مرد کا چونکہ روز کا یہ کام ہے' اسے یاد رہتا ہے۔ فرمایا یہ اس لئے نہیں کہ عورت کوئی کم تر مخلوق ہے' یہ اس لئے ہے کہ یہ شعبہ عورت کا نہیں ہے' خواتین ہوں تو دو رکھو۔ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا ۔ اگر ان میں سے ایک بھول جائے فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ تو دوسری خاتون اسے یاد دلا دے۔

اسلامی مساوات

اسلامی مساوات یہ ہے کہ اپنے حق کے حصول میں ساری مخلوق برابر ہے۔ غریب ہو یا امیر، طاقتور ہو یا کمزور، مرد ہو یا عورت، مساوات اسلامی یہ ہے کہ جس کا جو حق بنتا ہے وہ اس کو مل جائے۔ ہمارے ہاں مساوات کا شور ہے لیکن شور بپا کرنے والوں نے اس معاملے میں تو مساوات نہیں کی کہ جو الاؤنسز اسمبلی کے اراکین کو ملتے ہیں، وہ الاؤنسز اس اسمبلی میں نوکری کرنے والے ملازمین کو بھی ملیں۔ کیا اس پہ شور کیا جائے گا کہ یہ ظلم ہے یا ناانصافی ہے! اس پر تو کوئی بات نہیں کرتا۔ آخر وہ سرکاری ملازم جو اسمبلی میں ملازمت کرتے ہیں یا وہ پولیس والے جو اسمبلی ہی کی چوکیداری کرتے ہیں، انہیں وہ پیسے کیوں نہیں دیئے جاتے جو ایک ایم این اے، سینیٹر یا صوبائی ممبر کو دیئے جاتے ہیں۔ انہیں وہ سہولتیں کیوں نہیں دی جاتیں جو ممبران کو دی جاتی ہیں۔ اس ضمن میں آج مساوات کے دعوے دار یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے کام کا صلہ لیتے ہیں اور ہم اپنے کام کا صلہ لیتے ہیں۔ پھر مساوات تو وہی ہوئی کہ جس کا جو حق بنتا ہے وہ اس کو بلاتکلف مل جائے، یہ مساوات ہے۔ بحیثیت خاتون جو عزت واحترام اس کا حق ہے، جو مالی معاملات میں اس کا حق ہے، جہاں بھی جو بھی اس کا حق ہے، اس لئے نہ مارا جائے کہ وہ عورت ہے، بول نہیں سکتی۔ بلاتکلف بغیر کسی رکاوٹ کے اس کا حق اس کو پہنچنا چاہیے۔ اسی طرح مرد کا جو حق بنتا ہے وہ اس کو پہنچنا چاہئے تو یہ مساوات ہے۔ آپ ایک گھر میں مزدور، مستری لگاتے ہیں تو عمومی قاعدہ یہ ہے کہ مستری کی ایک دن کی مزدوری مزدور سے دوگنا ہوتی ہے۔ یہ آج سے نہیں، جب سے ہم دیکھ رہے ہیں، ان دونوں کی مزدوری میں مساوات نہیں ہے۔ کاریگر کا اپنا کام ہے، وہ اپنے کام کی اجرت لیتا ہے اور مزدور اپنے کام کی اجرت لیتا ہے۔ مساوات یہ ہے کہ نہ مستری کے پیسے مارے جائیں اور نہ مزدور کے مارے جائیں، دونوں کا جو حق بنتا ہے وہ بلاتکلف دونوں کو مل جائے۔ یہ مساوات ہے اور یہی دنیا میں چل سکتی ہے۔ جس مساوات کا ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے، یہ ناقابل عمل ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں عورتوں کے حقوق کی علمبردار وہ عورتیں ہیں جن کے باورچی عموماً مرد ہوتے ہیں، ان کے کپڑے مرد دھوتے ہیں، ان کے کپڑے مرد استری کرتے ہیں۔ ان کو خریداری کے لئے پیسے مرد دیتے ہیں جن سے یہ بناؤ سنگھار اور زیورات خریدتی ہیں اور پھر عورت کی آزادی کا نعرہ لگاتی ہیں۔ وہ خواتین جو ہمارے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں وہ تو دن بھر گھر کا کام بھی کرتی ہیں، بچے بھی سنبھالتی ہیں، فصل میں بھی ہمارا ہاتھ بٹاتی ہیں، نہایت عزت واحترام سے رہتی ہیں اور انہیں یہ شکایت بھی نہیں ہوتی کہ ہمیں مساوی حقوق حاصل نہیں۔ یہ شکایت اللہ جل شانہٗ سے دوری، دین سے محرومی اور اخلاق رزیلہ کا سبب بن

جاتی ہے، فسادات کی جڑ بن جاتی ہے ورنہ اسلام نے عملی مساوات معین فرما دی ہے۔ خواتین کا چونکہ یہ شعبہ نہیں ہے، بہت کم خواتین اس وقت کاروبار کرتی تھیں اور آج بھی یہی عالم ہے، اس لئے دو خواتین کو گواہ رکھا جائے تاکہ اگر ایک کو یاد نہ رہے، کوئی بات بھول جائے تو دوسری اسے یاد کرا دے۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ ۔ اور گواہوں کو جب شہادت کے لئے طلب کیا جائے تو گواہی دینے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اصول یہ ہے کہ وہ جب گواہ مقرر ہوئے ہیں تو جو حق بات ہے، وہ بیان کریں۔

وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ اور ایک بات یاد رکھو! لین دین بار بار کرتے ہو تو بار بار لکھنے سے اکتا مت جانا۔ کتنی خوبصورت بات ارشاد فرمائی! ہوسکتا ہے دن میں تم دس سودے کرتے ہو تو بار بار لکھو تاکہ کل کوئی غلط فہمی نہ ہو، کسی کا نقصان نہ ہو، کسی فساد کی بنیاد نہ بن جائے۔ اگر تحریر ہوگی تو جھگڑا نہیں ہوگا، کسی کا حق نہیں مارا جائے گا۔ اگر کسی نے مال خریدا اور اس کی نقد قیمت دے دی، اسے حاضر مال مل گیا تو کوئی حرج نہیں اگر تم نہیں لکھتے چونکہ آئندہ کوئی مطالبہ باقی نہیں رہا۔ رقم کا مطالبہ ختم ہوگیا، اسے پوری رقم مل گئی اور مال والے کا مطالبہ ختم ہوگیا، اسے مال مل گیا۔ جو نقد لین دین کرتے ہو موقعہ پر سرمایہ بھی دے دیتے ہو اور مال بھی وصول کر لیتے ہو، اسے ضبط تحریر میں نہ لاؤ تو کوئی حرج نہیں۔ اسے بھی لکھ لو تو اچھی بات ہے، پھر کبھی بات ہو تو تحریر پاس ہو لیکن جہاں بھی ادھار ہوگا، وہاں تحریر ہونا ضروری ہے اور یہ بھی یاد رکھو! **وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ** لین دین میں گواہ بھی ضرور رکھا کرو۔ یہ ساری چیزیں وہ ہیں جو بعد میں جھگڑوں کو جنم دینے سے روکتی ہیں اور انسان کو امن اور معاشرے کو تقویت پہنچاتی ہیں۔

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ اور ایک بات یاد رکھو! لکھنے والے کاتب پر یا گواہ پر دباؤ مت ڈالو۔ بعد میں کوئی ایسا نہ کرے کہ گواہوں کو دھمکی دیتا پھرے کہ گواہی نہ دینا یا کاتب کے پیچھے دوڑے کہ تم نے کیوں لکھا، یہ ناجائز ہے۔ کسی گواہ کو کسی لکھنے والے کو مرعوب نہ کیا جائے، انہیں ایذا نہ دی جائے۔ **وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ** اگر ایسا کرو گے تو یہ بہت بڑا گناہ ہوگا۔ اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ** اللہ کی عظمت کا خیال کرو۔ تمہیں خالق کے سامنے جواب دینا ہے، لہٰذا اللہ کی عظمت کو نگاہ میں رکھو۔ **وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝** اور اللہ تمہیں یہ سارے معاملات اس لئے تعلیم دے رہا ہے کہ اللہ ہر چیز سے آشنا ہے، ہر چیز سے آگاہ ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

ان قوانین کو سامنے رکھ کر نگاہ دوڑایئے، ہمارے جتنے جھگڑے ہوتے ہیں ان کی بنیاد انہی اصولوں کی خلاف ورزی پر ہوگی۔ کہیں تحریر نہیں ہوگی، کہیں گواہ نہیں ہوں گے، کہیں کوئی کوتاہی ہوگی اور کہیں دوسری

ہو گی۔ کہیں کسی نے رقم لے لی ہو گی اور مال ویسا نہیں دیا ہو گا جیسا وعدہ کیا تھا۔ کوالٹی میں فرق آ گیا ہو گا کہیں مقدار میں فرق آ گیا ہو گا۔ اسلام نے یہ معاشی نظام اس وقت دیا جس وقت دنیا تہذیب سے بالکل نا آشنا تھی۔ آج دنیا کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تہذیب کی عظیم بلندیوں کو سر کر چکی ہے لیکن آج بھی اسلام کے زریں اصول اتنے ہی ضروری اور کار آمد ہیں جتنے روز اول تھے اور انشاء اللہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے چونکہ اللہ کی یہ کتاب قیامت تک کے بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے ہے۔

رہن کی صورت استفادہ جائز نہیں

لین دین میں ایک صورت تو یہ ارشاد فرمائی کہ اگر ادھار دیں تو وہ لکھ لیں اور وقت کی تعیین ہو۔ اور کسی وقت سفر میں ہیں یا کوئی ایسی صورت ہے کہ کوئی لکھنے والا نہیں ملتا اور ادھار مطلوب ہے تو اس کے بدلے کوئی چیز رہن رکھی جا سکتی ہے۔

فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ ادھار لینے والا جتنا ادھار لے رہا ہے' اتنی قیمت یا اس سے زیادہ قیمت کی چیز رہن رکھ دیتا ہے کہ میں پیسے ادا کر کے اپنی چیز واپس لے لوں گا۔ رہن میں شرعی طریقہ یہ ہے **فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ** جو چیز جس کے پاس رہن رکھی جاتی ہے' وہ اس کے قبضے میں دی جاتی ہے اور جب تک مقروض وہ قرض ادا نہیں کرتا اور اپنی چیز واپس نہیں لیتا' وہ اس پر قابض رہ سکتا ہے لیکن اسے استعمال نہیں کرے گا۔ ہمارے ہاں کاشتکار زمین کا ٹکڑا رہن رکھ دیتے ہیں تو راہن یا جس کے پاس رہن رکھا' اس کو زمین پر قبضہ رکھنے کا حق حاصل ہے۔ اب اگر اس زمین کو وہ استعمال کرتا ہے تو شرعی طریقہ یہ ہے کہ کاشت یا محنت کی بٹائی تو لے گا لیکن جو حصہ مالک کا بنتا ہے وہ مالک کو دے یا قرضہ میں سے منہا کرتا جائے۔ یعنی جو چیز رہن رکھی جاتی ہے' اس سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا اور اگر استفادہ کیا جائے تو مالک کے حصہ سے استفادہ صرف اس صورت میں درست ہو گا کہ اسے قرض سے منہا کرتے رہیں۔

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ اور جب تم ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہو تو بندہ مومن کو نہیں چاہئے کہ دوسرے مسلمان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائے۔ جب اس نے تم پر اعتماد کیا ہے تو اس کا حق پورا پورا ادا کریں اور اس کے اعتماد کو بحال رکھیں۔ معاشرے کی بقاء کے لئے اور معاشرے میں بھلائی کو اور نیکی کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس آدمی پر جو اعتماد کیا گیا وہ اس کا حق ادا کرے اور اس کے مطابق کام کرے۔

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ اور اس معاملے میں اللہ کریم کی عظمت کا خیال رکھے' کل اسے اللہ کے حضور جواب

دینا ہے۔ کوئی بھی فعل ہو' اس کا اثر ایک تو شخصی یا ذاتی ہوتا ہے جو دو بندوں پہ ہوتا ہے' جن کے مابین معاملہ ہو لیکن ہر عمل کا ایک اثر معاشرے پر بھی ہوتا ہے کہ اردگرد جو لوگ دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں اگر اس نے ایسا کرلیا تو اس کا کسی نے کیا بگاڑا' میں بھی کرلوں گا تو کیا ہوگا۔ دوسرے لوگ برائی کی ترغیب بہت جلدی حاصل کرتے ہیں' برائی کو دیکھتے ہی لوگ اپنانا شروع کر دیتے ہیں لیکن نیکی کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ ایک اتنا عظیم جرم ہے کہ اس معاملے میں عظمت الٰہی کا خیال رکھنا چاہیے اور اللہ کی مخلوق کو فساد میں مبتلا نہیں کرنا چاہیے۔ آدمی کو یہ دیکھنا چاہیے کہ مجھ پر جو اعتماد کیا گیا ہے' مجھے جس چیز کا امین بنایا گیا ہے' میں پوری دیانت داری سے اپنا فرض ادا کروں اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب بندے میں ایمان ہو' آخرت کا یقین ہو' اللہ کے روبرو حاضری کا یقین ہو اور اللہ کے سامنے جواب دہی کا یقین ہو۔

صفت ربوبیت اعمال کو ان کے انجام تک پہنچاتی ہے

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ط صرف يَتَّقِ اللّٰهَ نہیں فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہاں فرمایا: اس سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے۔ یہاں صفت ربوبیت کو بیچ میں لایا گیا کہ رب وہ ہے جو ہر چیز کو اس کے انجام تک پہنچاتا ہے' تخلیق کرتا ہے تو اسے پروان چڑھاتا ہے' پالتا ہے تو وہ اعمال کو بھی ان کے نتیجے تک پہنچائے گا۔ یہ اس کی شان ربوبیت کا تقاضا ہے کہ جہاں گندم کا بیج بویا گیا ہے وہاں گندم کی فصل ہو' جہاں جو بوئے گئے ہیں وہاں جو اور جہاں کیکر اگائے گئے ہیں وہاں کیکر ہوں' تو جب بھی کوئی بندہ غلطی کرتا ہے' برائی کرتا ہے یا دھوکا دیتا ہے تو اسے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ کائنات رب العٰلمین کی ہے۔ وہ رب ہے' وہ ہر چیز کو پالتا ہے اگر میں برائی کر رہا ہوں یا کانٹے بو رہا ہوں تو یہی کانٹے مجھے نتیجے میں کئی گنا زیادہ ہو کر ملیں گے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط اور جس چیز کے تم گواہ ہو' لین دین کے یا کسی واقعہ کے تو شہادت کو اور گواہی کو چھپاؤ نہیں چونکہ شہادت یا گواہی چھپانا انصاف کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے برابر ہے۔ جو شہادت جس کے پاس ہے' اسے چھپائے نہیں۔ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ط اگر چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار رہو گا۔ شہادت کو چھپانے کا اثر اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ دلوں کو تاریک کر دیتا ہے' دل کو گنہگار کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دل گنہگار بھی ہوتے ہیں' دل نیک بھی ہوتے ہیں۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ اور یہ بات یاد رکھو کہ تمہارے ہر عمل سے اللہ کریم واقف و آگاہ ہے۔ تمہارا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو اللہ کریم سے پوشیدہ ہو کراماً کاتبین لکھتے ہیں' اعمال نامہ لکھا جاتا ہے' یہ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اللہ کریم ذاتی طور پر ہر عمل' ہر سوچ اور ہر فکر سے آگاہ ہے۔ دل میں آنے والے وساوس سے بھی

آگاہ ہے۔

وساوس اوران کا علاج

نبی کریم ﷺ کے طفیل امت کو شیطانی وساوس کے حساب سے بری قرار دیا گیا۔ اگر دل میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے تو ان کو رد کرنے پر جہاد کا ثواب ہے۔ دل میں وسوسے آنا گناہ نہیں ہے، اس کا حساب نہیں ہوگا لیکن وسوسے لانے اور خود غلط سوچنے کا حساب ہوگا کہ اللہ سوچوں سے بھی واقف ہے۔ وساوس کا آنا اور بات ہے، وساوس کا لانا دوسری بات ہے۔ وساوس کی بیماری اس لئے بڑھتی ہے کہ شیطان دل میں ایک وسوسہ ڈالتا ہے لیکن ہم اسے رد کرنے کی بجائے خود سوچنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ ایک وسوسہ کئی نئے وساوس کو جنم دیتا ہے۔ اس طرح وساوس لانا جرم بن جاتا ہے، ازخود اس طرح سے سوچنا جرم بن جاتا ہے اور اس کا محاسبہ ہوگا۔ اللہ اس سے واقف ہے۔ ہاں، شیطان کی طرف سے وسوسہ آتا ہے تو اس کی معافی دی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کو شیطانی وساوس کا حساب نہیں دینا پڑے گا۔ رب کریم نے معاف فرما دیا لیکن حق یہ ہے کہ جب کوئی شیطانی وسوسہ آتا ہے تو اسے رد کیا جائے۔ کم از کم اس پہ توجہ نہ کی جائے، اسے بھلا دیا جائے ورنہ دنیا میں اس کا اور کوئی علاج نہیں ہے۔

وساوس بیماری کی شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک شخص کو وسوسہ آیا کہ پاکی نہیں ہوئی اور وہ سارا دن ہاتھ ہی دھوتا رہتا ہے۔ اس وسوسے کو پکڑے رکھتا ہے کہ پاک نہیں ہوا۔ غسل کیا ہے تو چھ چھ بار غسل کرتا ہے۔ نماز پڑھ چکا ہے اور وسوسہ ہوا کہ وہ ہوئی ہے کہ نہیں، پھر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ ایک دفعہ وسوسہ آیا تو شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اسے رد کیا جائے۔ ایک شخص نے وضو کیا، اب اسے وضو کرنے کا تو یقین ہے کہ میں نے وضو کیا لیکن ٹوٹنے کا یقین نہیں ہے۔ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ تمہارا وضو ٹوٹ گیا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ دوبارہ وضو نہ کرے بلکہ یقین پر عمل کرے۔ ٹوٹنے کا وسوسہ ہے، کرنے کا یقین ہے تو یقین پر عمل کرو۔ وسوسے کو رد کر دے، یہ وسوسے سے نکلنے کا علاج ہے۔ اگر اس وسوسے کو لے کر بیٹھ جائے گا اور بار بار وضو کرے گا تو اور وساوس آتے جائیں گے، بڑھتے جائیں گے حتیٰ کہ نفسیاتی طور پر وہ بیمار ہو جائے گا۔ سائیکو کیس ہو جائے گا اور ہر معاملے میں وساوس آنے شروع ہو جائیں گے۔ اس طرح بعض لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے وسوسہ ہوتا ہے کہ سلام تو پھیر لیا لیکن پتہ نہیں چار رکعات پڑھیں کہ تین رکعات پڑھیں؟ آپ نے چار کی نیت کی، آپ نے چار پڑھ لیں۔ اب وسوسہ آتا ہے تو اسے رد کر دو، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ آپ رد کر دیں گے تو آہستہ آہستہ وسوسہ آنا ختم ہو جائے گا۔

چہار گانہ فرائض نبوت

نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی ہے جس کا مفہوم ہے کہ ہر گناہ دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا کر دیتا ہے لیکن توبہ نصیب ہو، اللہ سے استغفار کرے، آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرے تو اللہ کریم وہ صاف کر دیتے ہیں۔ اگر توبہ نہیں کرتا، مسلسل گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو وہ نقطہ بڑھتے بڑھتے دل کو سیاہ کرتا رہتا ہے اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، اس پر مہر لگا دی جاتی ہے، توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی۔ دلوں کی تبدیلی میں یہ سب سے بڑی تبدیلی ہے اور جب تک دل تبدیل نہیں ہوتا انسانی مزاج، کردار نہیں بدلتا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انسانی وجود میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ **اذا صلحت صلح الجسد کله.** اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو تمام وجود کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ **واذا فسدت** اور اگر اس میں فساد پیدا ہو جائے **فسد الجسد کله** ۔ سارا انسانی وجود تباہ ہو جاتا ہے۔ **الا وھی القلب** ۔ اور خوب جان لو کہ یہ انسان کا قلب ہے۔

قلب کی اصلاح وجود کو کس طرح تبدیل کرتی ہے؟ یہ آقائے نامدار ﷺ کی برکات نبوت میں ہے، فرائض نبوت میں ہے **يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** چہار گانہ فرائض نبوت جو کتاب حکیم نے بیان فرمائے ہیں، ان میں ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینا اور جو قبول کرے اس کے دل کو پاک کرنا۔ **وَيُزَكِّيْهِمْ** اللہ کا نبی ﷺ ان کا تزکیہ کرتا ہے، ان کے قلوب کو پاک فرماتا ہے اور دلوں کو پاک کرنے کے بعد انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ کتاب اللہ کا قرآن ہے۔ حکمت قرآن کی وہ تعبیر ہے جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی، جو آپ ﷺ کے عمل عالی سے، آپ ﷺ کے کردار عالی سے، آپ ﷺ کے فرمان سے ظاہر ہے یعنی قرآن اور سنت۔ حضور اکرم ﷺ نے دلوں کو کس طرح سے پاک کیا۔ دعوت الٰہی، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کی ساری روئیداد ملتی ہے لیکن دعوت کے بعد جو تزکیہ، دلوں کی پاکیزگی کی بات ہے، اس کا کوئی تذکرہ زیر بحث نہیں آتا کہ یہ کیسے ہو گیا۔ تعلیم کتاب و حکمت نے اپنا وقت لیا۔ تیئس برس تک قرآن حکیم نازل ہوتا رہا۔ حضور اکرم ﷺ ارشادات عالیہ سے، اپنے کردار عالیہ سے اس کی تشریح فرماتے رہے اور حضور ﷺ کے سامنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پر عمل کیا جس کی حضور ﷺ نے تصدیق فرمائی تو گویا تعلیم کتاب و حکمت مکمل ہو گئی۔

حضور اکرم ﷺ نے کس کس طرح دعوت دی اور اس میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں، اور کہاں کہاں حضور ﷺ تشریف لے گئے اور اس کی کیا کیا صورت بنی، یہ بھی سیرت میں موجود ہے لیکن تزکیے کی بات نہیں آتی۔ یہ اس لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ کی برکات نبوت میں تزکئے پر کوئی وقت لگا نہیں، کوئی محنت نہیں ہوئی۔ جسے بھی نور ایمان نصیب ہوا، اگر حضور اکرم ﷺ کی ایک نگاہ عالی اسے نصیب ہوگئی تو اس کا تزکیہ مکمل ہوگیا اور وہ صحابی بن گیا یا اس کی نگاہ حضور ﷺ پر پڑی تو ایک نگاہ میں وہ تزکئے کے اس مقام پر پہنچ گیا کہ جہاں ساری دنیا کی ولایت بھی جمع کی جائے تو اس مقام عالی تک نہیں پہنچ سکتی، اس لئے کہ وہ صحابیت پہ سرفراز ہوگیا۔

منصب صحابیت

صحابی اگرچہ صحبت سے مشتق ہے کہ نبی کریم ﷺ کا صحبت یافتہ لیکن یہ لغوی معنی ہے۔ صحابی کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسانی عظمتوں کی وہ معراج جہاں کوئی غیر صحابی قدم نہیں رکھ سکتا۔ اخلاص میں، امانت میں، دین میں، عقیدے میں، عمل میں، ظاہر میں، باطن میں جتنے کمالات انسانی ہوتے ہیں، ان کمالات کی اس بلندی پر فائز ہوگیا جس پر کوئی غیر صحابی قدم نہیں رکھ سکتا۔ تزکئے کا یہ عالم بارگاہ رسالت ﷺ سے نصیب ہوتا تھا۔ جس طرح تعلیم کتاب کا عمل جاری رہا، تعلیم حکمت کا عمل جاری رہا، دعوت الی اللہ کا عمل جاری رہا اسی طرح تزکئے کا عمل بھی جاری ہے اور جب تک دنیا قائم ہے، انشاء اللہ العزیز جاری رہے گا۔ یہ چہارگانہ فرائض نبوت اسی طرح اپنی پوری عظمت، پوری قوت، پوری آب و تاب سے چمکتے رہیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے استفادہ کرنے والے خوش نصیب کبھی زیادہ ہو جائیں یا کبھی کم ہو جائیں لیکن یہ نعمت دنیا سے نہیں مٹے گی اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ ہی کی نبوت جاری و ساری ہے اور ہمیشہ جاری و ساری رہے گی۔ حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ یہ برکات نبوی جاری ہیں۔ صحابہ کرام کی ایک صحبت نے تابعین بنا دیئے، تابعین کی صحبت نے تبع تابعین بنا دیئے اور تبع تابعین کے بعد سکھانے اور سیکھنے کی ضرورت پڑی لیکن تزکئے کا عمل بحمد للہ اہل اللہ میں جاری رہا۔ ایک پورا طبقہ ہے جسے ہم ولی اللہ مانتے ہیں۔ ولایت کا خاصہ یہی ہے کہ یہ برکات نبوت انہوں نے حاصل کیں، ان کے قلوب منور ہوئے اور وہ دوسروں کے قلوب منور کرتے چلے گئے۔ نیکی اور گناہ کی حقیقت کو سمجھنے سے پہلے تزکیہ ضروری ہے اس لئے کہ قرآن حکیم نے تعلیم کتاب وحکمت سے پہلے تزکیئے کو رکھا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ
تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ
عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ
اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ
الْمَصِیْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا
اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ
عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا
طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۫ وَاغْفِرْ لَنَا ۫ وَارْحَمْنَا ۫ اَنْتَ مَوْلٰىنَا
فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع ۴۰ ۳ ۸

اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اگر تم ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہے۔ یا تم اسے چھپاؤ' اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر جس کو وہ چاہے بخش دے اور جس کو وہ چاہے عذاب دے۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ رسولؐ نے مان لیا جو کچھ اس کے رب کی طرف سے اس کی طرف اترا اور مومنوں نے (بھی مان لیا)۔ سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر' ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! تیری بخشش چاہیے اور تیری طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش (کے مطابق)' اس کے لئے (اجر) ہے جو اس نے کمایا' اور اس پر (عذاب) ہے جو اس نے

کمایا۔ اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ' اگر ہم بھول جائیں یا ہم چوکیں۔ اے ہمارے رب! ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسے تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ اے ہمارے رب! ہم سے نہ اٹھوا جس کی ہم کو طاقت نہیں۔ اور ہم سے درگزر کر' اور ہمیں بخش دے' اور ہم پر رحم کر' تو ہمارا آقا ہے' پس ہماری مدد کر کافروں کی قوم پر۔ (آمین)

خلاصۂ تفسیر ومعارف

قناعت کیسے حاصل ہو

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ ایک بات یقیناً جان لو! جو کچھ ارض وسما میں ہے' اللہ کریم کی ذات کے علاوہ جو کچھ جہاں کہیں ہے' وہ سب اللہ کا ہے۔ فرمایا: تمہارا تو کچھ بھی نہیں' تم کس غرض سے گناہ کرتے ہو' تم کس لئے جھوٹ بولتے ہو' تم کس لئے دوسرے کی چیز کو چھینتے ہو' اس کا فائدہ کیا ہوگا' وہ تمہاری تو نہیں ہے؟ تم آج ہو' کل نہیں ہوگے۔ آج تمہارے پاس ہے کل کسی اور کے پاس ہوگی۔ اقتدار' دولت' زمین' مال و اسباب' آپ نے دیکھا جو کبھی کسی کے پاس تھا وہ آج ہمارے پاس ہے اور کل کسی اور کے پاس ہوگا۔ ہمارا تو نہیں ہے' سب اللہ کا ہے۔ لہٰذا اللہ کریم کی تقسیم پہ مطمئن رہو۔ دنیا عالم اسباب ہے۔ اسباب کا اختیار کرنا فرض ہے۔ جس طرح نماز فرض ہے' روزہ فرض ہے' اسی طرح اسباب کا اختیار کرنا بھی فرض ہے۔ رزق حلال کے لئے' اپنے تحفظ کے لئے' کاروبار حیات کے لئے اسباب کا اختیار کرنا اطاعت الٰہی ہے لیکن اسباب نتائج پیدا نہیں کرتے۔ نتائج اللہ کے دست قدرت میں ہیں' نتائج وہ پیدا کرتا ہے۔

یہاں آدمی پھنس جاتا ہے۔ کوئی اسباب میں الجھ جاتا ہے اور اللہ کو بھول جاتا ہے کہ یہ سب میری دانش وعقل سے ہوا۔ قارون نے کہا تھا کہ اللہ کے نام پر زکوٰۃ کیوں دوں' یہ خزانہ تو میں نے اپنی دانش سے جمع کیا۔ بندہ اس میں الجھ جاتا ہے کہ یہ میری عقلمندی' میری محنت ہے کہ میں نے کرلیا' میں دوسروں سے بہت بہتر ہوں۔ کوئی دوسروں سے بہتر نہیں ہے' سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ اس نے کسی کو کس حال میں رکھا ہے دوسرے کو مختلف حال میں رکھا ہے۔ ہر حال میں' جہاں کوئی ہے' وہاں اپنا فرض منصبی جو اس کے ذمے ہے' دیانت داری سے ادا کرے اور اس بات پہ یقین رکھے کہ مجھے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ جتنے وسائل کم ہوں

گے' اتنی ذمہ داریاں کم ہوں گی۔ جس کے پاس جتنے کم وسائل ہوتے ہیں' اس پر اتنی ذمہ داریاں کم ہوتی ہیں اور دنیا میں وہ اتنا آسانی سے رہتا ہے۔ جتنے اسباب و وسائل بڑھتے جاتے ہیں' ذمہ داریاں بڑھتی جاتی ہیں۔ ہر ذمہ داری اپنا وقت لیتی ہے حتیٰ کہ آدمی اتنا مصروف ہو جاتا ہے کہ اس کے پاس اپنے لئے بھی وقت نہیں بچتا۔ اللہ نے جو کچھ بھی دنیاوی وسائل عطا فرمائے اور جس قدر عطا فرمائے' ان پر قناعت اختیار کرو کیونکہ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ جو کچھ آسمانوں زمینوں میں ہے' جو کچھ کائنات میں ہے' جہاں بھی جو کچھ ہے' سب اللہ کا ہے۔

ہمارے ظاہر و باطن کو اللہ خوب جانتا ہے

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ تم کچھ بھی چھپا لیتے ہو' کوئی کام چوری سے کر لیتے ہو تو مخلوق کو دھوکا دے سکتے ہو لیکن خالق کو نہیں۔ لوگوں سے چوری کر سکتے ہو' اللہ سے نہیں۔ تم کوئی بہت پوشیدہ بات دل میں رکھ لیتے ہو' تم نے وہ لوگوں سے تو چھپائی ہوئی ہے لیکن اللہ کے سامنے عیاں ہے۔ تمہارا چھپانا یا ظاہر کرنا اس کے لئے برابر ہے اور وہ تم سے سب کا حساب لے گا۔ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ پھر اس کی مرضی جسے چاہے معاف کر دے۔ وہ چاہے تو ایک معمولی جرم پہ سزا دے' اسے معاف نہ کرے۔

چونکہ یہ خطاب مومنین سے ہے تو کفر اور شرک کی مغفرت کی بات ختم ہوگئی۔ اللہ کریم نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ جو کفر و شرک پر مرے گا' اسے نہیں بخشا جائے گا قرآن میں اس کا اعلان فرما دیا لیکن جسے نور ایمان نصیب ہے اور وہ کبھی گناہ کرتا ہے' کچھ نیکی کرتا ہے اور اس کی زندگی اسی طرح ڈگمگ چلتی رہتی ہے تو ہر چھوٹی سے چھوٹی بات' ہر عمل' ہر فکر اور ہر نیت کا حساب ہوگا۔ اب اس کی مرضی' وہ کرم فرمائے تو بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دے اور گرفتار کر لے تو کسی چھوٹے سے جرم میں کر لے' کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ علمائے کرام دو قسم کے گناہ لکھتے ہیں۔ بعض چھوٹے گناہ ہیں' وہ صغیرہ ہیں اور بڑے بڑے کبیرہ ہیں لیکن بالآخر فرماتے ہیں کہ ہر گناہ کبیرہ ہی ہے کہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ گناہ کا حجم نہیں دیکھا جاتا' دیکھا یہ جاتا ہے کہ یہ نافرمانی کس ہستی کی ہے۔ جب اللہ کی نافرمانی ہے تو کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جسے قابل توجہ نہ سمجھا جائے' جس کے لئے توبہ نہ کی جائے۔

اللہ کریم کی عظمت سے بندے کو ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے کہ میرے ظاہر و باطن' سوچ' فکر' کلام اور میرے اعضا و جوارح سے ہونے والے کام' ہر چیز کو اللہ ذاتی طور پر جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ میں ابھی امتحان گاہ میں ہوں' آزمائش میں ہوں۔ اس نے ختم ہونا ہے تو مجھے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے کردار کا جواب دینا ہے۔ آگے اس کی مرضی' چاہے تو بڑے بڑے گناہ معاف کر دے۔ نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کا

مفہوم یہ ہے کہ مومن کو اللہ اپنے دست قدرت کے زیر سایہ لے لے گا‘ پردے میں رکھے گا‘ پھر اسے بتائے گا تو نے یہ کیا‘ تو نے یہ نافرمانی کی‘ تو نے یہ جرم کیا‘ حتیٰ کہ وہ سوچے گا کہ میں اتنے جرم کر چکا ہوں تو اب نہیں بچ سکتا۔ ارشاد ہوگا کہ ہم نے دنیا میں بھی تیری پردہ داری کی‘ میدان حشر میں بھی تجھ سے پردے میں بات کی اور اب تجھے معاف کرتا ہوں‘ وہ ایسا کریم ہے۔ کافر کو رسوا کیا جائے گا‘ اس کا ہر جرم اسے سر عام بتایا جائے گا۔ صرف سزا ہی نہیں‘ سزا کے ساتھ رسوائی بھی اس کا مقدر ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ کا ایک دوسرا ارشاد عالی ہے کہ جس پر یہ سوال ہو گیا کہ تو نے یہ کیوں کیا‘ وہ جہنم ضرور جائے گا خواہ تھوڑی دیر کے لئے جائے یا زیادہ دیر کے لئے جائے۔ اس کیوں کا کوئی جواب‘ کوئی جواز کسی کے پاس نہیں ہے کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کیوں کی اور جسے گناہ یاد دلا کر اس کریم نے معاف کر دیا تو اس کی مرضی۔ یہی بات یہاں ارشاد فرمائی ہے۔ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اس کی مرضی‘ ہر بندے کا اس کے ساتھ ایک ذاتی تعلق ہے۔ ہر بندے کا اس کی ذات کے ساتھ ایک یقین ہے۔ ہر بندے کو اس کے کرم پر بھروسہ ہے۔ اب کس کو کتنا بھروسہ ہے‘ کس کو کتنا یقین ہے‘ یہ وہی جانتا ہے تو جسے چاہے گرفتار کر لے اور جسے چاہے بخش دے‘ وہ قادر ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح وہ چاہے کرے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایمان کا حق ادا کر دیا

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ اللہ کے نبی ﷺ نے ہر اس بات پر یقین کا حق ادا کر دیا جو اللہ کی طرف سے اس پر نازل ہوئی اور یہ یقین کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ روئے زمین پر اللہ کا ایک بندہ تھا‘ محمد رسول اللہ ﷺ۔ جب کوئی اللہ کے نام سے واقف نہیں تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ رب کون ہے۔ صدیوں کی تاریکی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے تشریف لے گئے پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ جسے عہد فترت کہتے ہیں۔ کوئی حق بتانے والا نہیں تھا۔ لوگ کفر میں مبتلا تھے‘ اپنی خدائی‘ اپنی بادشاہت اور سلطنت کے دعوے دار تھے۔ ہر ایک نے اپنا اپنا مذہب بنا رکھا تھا جسے وہ جان سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ اللہ کے نبی ﷺ پر وحی الٰہی کا جو لفظ آیا‘ کسی تردد‘ کسی خوف اور سوچ بچار کے بغیر اللہ کے رسول ﷺ نے برملا اس کا اعلان کر دیا۔ فرمایا: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ ‘ میرے نبی ﷺ نے ایمان لانے کا حق ادا کر دیا۔ بتا دیا کہ کس طرح سے احکام کی تعمیل کی جاتی ہے اور کس طرح یقین کیا جاتا ہے۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ اس کے پروردگار کی طرف سے جو انعامات اس کو ملتے گئے‘ جو احکام نازل ہوتے گئے حضور ﷺ نے اس پر یقین کا حق ادا کر دیا۔

مشرکین مکہ جمع ہوئے کہ یہ شخص اپنی بات کرنے سے باز نہیں آتا اور اس کی بات دن بدن پھیل رہی ہے۔ لوگوں تک بات پہنچتی رہے گی تو ہمارے آباؤ و اجداد کے بنائے ہوئے مذہب کا کیا ہوگا۔ سرداران قریش مشورہ کرکے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: ہم پورے جزیرہ نمائے عرب کے قبائل کے سرداروں کو جمع کرکے ان کے مشورہ سے آپ ﷺ کو بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم جزیرہ نمائے عرب کے سارے لوگ مل کر آپ ﷺ کے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ دوسرے کسی کے پاس اتنی دولت نہ ہوگی یا آپ ﷺ کسی بڑے خاندان یا کسی خوبصورت لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ ہمیں بتائیں، جہاں آپ ﷺ کہیں گے، جس کا آپ ﷺ نام لیں گے، وہ خاتون دلوا دیں گے۔ دولت بھی دلوا دیں گے، آپ ﷺ کو حکمران بھی بنا دیں گے لیکن آپ ﷺ جو یہ بات کر رہے ہیں، یہ کہنا بند کر دیجئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم آسمان سے چاند لا کر میرے ایک ہاتھ پر رکھ دو اور سورج لا کر دوسرے ہاتھ پہ رکھ دو لیکن میں پھر بھی وہ کہتا رہوں گا جو مجھ پر اللہ وحی کے ذریعے نازل فرماتا ہے۔

صحابہ کا ایمان مثالی ہے

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ میرے رسول ﷺ نے یقین کا حق ادا کر دیا **وَالْمُؤْمِنُوْنَ** ؕ اور اللہ کے ایمان دار بندوں نے بھی۔ صاحب تفسیر مظہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ **اَلْمُؤْمِنُوْنَ** سے مراد تو صحابہ کرام ہیں جنہوں نے یقین کرنے کی حد کر دی، جانیں لٹا دیں، گھر چھوڑ دیئے، زمینیں، جائیدادیں چھوڑ دیں اور مہاجر بن گئے۔ بیٹے قربان کر دیئے، گھر لٹوا دیئے لیکن اس بات سے پیچھے نہیں ہٹے کہ ہم اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ ہیں، نبی ﷺ برحق ہے اور ہمیں اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ ہم اس کے رسول ﷺ کے قدموں میں اور اس کے ہم رکاب اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ صحابہ کرام کے بعد قیامت تک آنے والے مومن اس **اَلْمُؤْمِنُوْنَ** میں شامل ہیں جنہیں اتباع صحابہ نصیب ہوا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ جنہوں نے مہاجر و انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتباع کیا، انہیں یہ دولت نصیب ہوئی۔ **اَلْمُؤْمِنُوْنَ** کے پہلے مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جنہوں نے ایمان لانے کا، یقین کرنے کا حق ادا کر دیا۔ میرے رسول ﷺ نے حق ادا کر دیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی، جنہوں نے حضور ﷺ کی بات پر دو عالم سے ہاتھ اٹھا لیا۔ صحیح وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ سب نے اللہ پر یقین کیا، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے تمام رسولوں کی رسالت پر یقین کیا۔ **لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ** ۟ اس کے کسی رسول کو اس کے

مرتبہ رسالت سے گرایا نہیں، کسی نبی کی نبوت کا انکار نہیں کیا، کسی نبی کی نبوت میں کچھ شبہ نہیں کیا، سب نبیوں کو نبی مانا، سب رسولوں کو رسول مانا، سب کتابوں کو کتاب مانا اور تمام ضروریات دین کو مانا۔ تمام نبیوں کو نبی مانا جائے گا لیکن اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کا ہوگا۔ باقی سب کا اپنا زمانہ تھا، اپنا وقت تھا۔ اپنے وقت میں اللہ کے برحق نبی تھے اور آج بھی اللہ کے برحق نبی ہیں۔ قیامت کو اٹھیں گے تو اللہ کے برحق نبی ہوں گے لیکن بعثت عالی ﷺ کے بعد اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کا ہوگا۔

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ اور انہوں نے اپنے عمل اور قول سے ثابت کر دیا کہ اے اللہ! ہم نے تیرا حکم سنا اور سر تسلیم خم کر دیا۔ ہم نے ارشاد سنا اور اس کی تعمیل کر دی۔ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا اے اللہ ہم انسان ہیں، تیری عظمت کجا اور ہمارا کردار کجا! ہم پورے خلوص سے بھی عمل کریں تو وہ عمل تیری بارگاہ کے لائق نہیں ہوتا۔ ہماری نیکیاں اس قابل نہیں ہیں کہ ہم تیرے سامنے پیش کر سکیں۔ ہم سے کوتاہیاں بھی ہو جاتی ہیں غُفْرَانَكَ اے اللہ! ہم تجھ سے تیری بخشش کے طلبگار ہیں۔ ہم جو بھی ہیں، ہم جیسے بھی ہیں، ہم نے جو گناہ کیا وہ بخش دے، جو نیکی کی وہ قبول فرما لے۔ ہم تجھ سے تیری بخشش کے طلبگار ہیں۔ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ اور ہمیں یقین محکم ہے کہ ہم نے واپس تیری بارگاہ میں، تیرے روبرو حاضر ہونا ہے۔

انسان اپنی استطاعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لوگوں نے یہ جو بات بنا لی ہے کہ نیکی بہت مشکل ہے، فرمایا جو کام کوئی کر نہیں سکتا اس کے بارے تو اس سے پوچھا ہی نہیں جائے گا۔ مشکل تو تب تھی کہ کوئی ایسا کام کرنے کا کسی کو کہا جاتا جو وہ نہیں کر سکتا تھا۔ نماز سب سے افضل عبادت ہے اور دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ اگر وضو نہیں کر سکتا، بیماری کا خوف ہے تو تیمّم کر لے، اس میں کیا مشکل ہے! کھڑا نہیں ہو سکتا تو بیٹھ کے پڑھ لے۔ زمین پہ نہیں بیٹھ سکتا تو کرسی پہ بیٹھ کے پڑھ لے۔ نہیں بیٹھ سکتا تو لیٹ کر اشارے سے پڑھ لے۔ فرمایا میں وہ قبول کر لوں گا لیکن جو کام وہ نہیں کر سکتا اس کے بارے تو پوچھوں گا ہی نہیں۔ جو شخص دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتا اس کے بارے پرسش نہیں ہوگی۔ جو کر سکتے ہو، جس کی طاقت ہے، اگر وہ میرے حکم اور میری مرضی کے خلاف کرو گے تو پرسش ہوگی۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ کسی کو اللہ ایسی تکلیف نہیں دیتا جس کی اس کو طاقت نہ دی ہو۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ اور کسی کی نیکیاں چھین کر دوسرے کو نہیں دیتا۔ کسی کی خطائیں چھین کر دوسرے پر مسلط نہیں کرتا۔ جو وہ کرتا ہے اس کے اپنے لئے ہے۔ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ اور اس کا خمیازہ خود اس کو بھی بھگتنا ہوگا۔ پھر وہی بتایا، سمجھایا کہ میری بارگاہ میں درخواست اس طرح پیش کیا کرو۔

اللہ سے کیا مانگو اور کس طرح مانگو

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ جب میری بارگاہ میں بات کرو تو اس انداز سے کرو کہ تو ہمارا پروردگار ہے، تو نے ہمیں پیدا کیا، تو نے توفیق بخشی تو نیکی کر سکے، ہم سے خطائیں بھی ہوئیں، کوتاہیاں بھی ہوئیں، اے اللہ! تو ہمارا پروردگار ہے، اگر ہم سے بھول ہوئی یا جان بوجھ کر ہم نے خطا کر دی، دونوں صورتوں میں ہمارا مواخذہ نہ فرما، ہمیں معاف فرما دے۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ اے اللہ پہلی قوموں پر جو مشکل امتحانات آئے تھے، ہمیں ان امتحانوں سے بچا۔ قوموں کی قومیں گناہ کے جرم میں مسخ ہو گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل نے توبہ کی خواہش کی تو فرمایا: جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا ہے، انہیں وہ قتل کر دیں جنہوں نے سجدہ نہیں کیا۔ وہ تلواریں لیں اور ان کے سر قلم کر دیں، تب توبہ قبول کر لوں گا۔ کسی کا بیٹا تھا، کسی کا باپ تھا، کسی کا بھائی، ایک ہی قبیلے کے لوگ تھے لیکن انہیں خود ایک دوسرے کو قتل کرنا پڑا۔ توبہ کے لئے کتنی بڑی شرط رکھ دی! تو فرمایا یہ بھی عرض کیا کرو: اے اللہ، اے ہمارے پروردگار! **رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ** ہم پر کوئی ایسا سخت حکم نہ بھیج دے جیسے ہم سے پہلی قوموں پر بھیجے گئے۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ اور کوئی ایسا بار بھی دنیا میں ہم پہ نہ ڈال جسے برداشت کرنے کی ہم میں قوت نہ ہو۔ **وَاعْفُ عَنَّا ۔ٚ** ہم سے درگزر فرما۔ **وَاغْفِرْ لَنَا ۔ٚ** ہمیں بخش دے اے مالک۔ **وَارْحَمْنَا ۔ٚ** ہم پر رحم فرما۔ **وَاعْفُ عَنَّا ۔ٚ** ہم سے درگزر فرما۔ ہم خطا کار ہیں، ہم معیار پر پورے نہیں اترتے۔ ٹوٹی پھوٹی نیکیاں اور ان کے ساتھ بڑے بڑے گناہ ہیں۔ اے اللہ! ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما۔ تیری رحمت ہی ہمارے گناہوں کا سدباب کر سکتی ہے۔

اَنْتَ مَوْلٰىنَا اس لئے کہ تو ہی تو ہمارا مالک ہے۔ تجھی سے ہمیں سب کچھ لینا ہے۔ **فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝** اور اے اللہ! ان لوگوں پر ہمیں غالب رکھ جو تیری عظمت کا انکار کرتے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کے پیچھے نہ چلا، ان پر ہمیں غالب رکھ۔

اللہ سے یہ مانگا بھی جائے اور اس بات کا خیال بھی رکھا جائے کہ مسلمان کی ظاہراً باطناً ایک اپنی شناخت ہے۔ ایمان کے ساتھ، قلبی کیفیات کے ساتھ، اعمال و کردار کے ساتھ اسے کافر پر غالب ہونا چاہیے، کافر سے مغلوب نہیں ہونا چاہیے۔

سورۃ آل عمران مدنی

ایاتُها (۲۰۰) رُکُوعُها (۲۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ② نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۙ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى
لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④

الم! اللہ! اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ ہے، (سب کا) سنبھالنے والا ہے۔ اس نے آپ ﷺ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو اس سے پہلی (کتابوں کی) تصدیق کرتی ہے، اور اس نے توریت اور انجیل اتاری، اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کیلئے، اور اس نے فرقان (حق کو باطل سے جدا کرنے والا قرآن) اتارا، بیشک جنہوں نے اللہ کی آیتوں سے انکار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا۔

خلاصۂ تفسیر ومعارف

سورۂ آل عمران ترتیب میں قرآن حکیم کی دوسری سورۃ ہے اور نزول کے اعتبار سے مدنی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔

حروف مقطعات

الٓمّٓ ۝ حروف مقطعات ہیں اور ان کے بارے ارشاد ہے کہ ان کے مفاہیم اللہ جانتا ہے یا اللہ کا رسول ﷺ۔ حضور اکرم ﷺ کی شان میں ارشاد ہے۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ؕ آپ ﷺ پر قرآن نازل کرنا‘ آپ ﷺ کو یاد کرانا اور اس کے مفاہیم بیان کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ لہٰذا کوئی ایسا مفہوم نہیں جو نگاہِ اطہر ﷺ سے پوشیدہ ہو۔ ہمارے لئے ان پر ایمان لانا ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں ایک ایک لفظ برحق اور اللہ کا کلام ہے۔ جن حروف کا ہمارے کردار کے ساتھ تعلق ہے اور ہمیں ان پر عمل کرنا ہے تو یقیناً ہر بندے کے لئے ان کا مفہوم سمجھنا بھی آسان ہے۔

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ اللہ کے بندے جنہیں اللہ کریم نے علم میں راسخ قرار دیا ہے‘ وہ لوگ ہیں جنہیں علم لدنی نصیب ہوتا ہے۔ کمال اتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل جن قلوب کو قلب اطہر ﷺ سے برکاتِ نبوی ﷺ نصیب ہوتی ہیں‘ ان میں بھی بڑے کم خوش نصیب ہوتے ہیں جنہیں علم لدنی سے حصہ ملتا ہے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اہل اللہ میں سے جن لوگوں کو حروف مقطعات کی سمجھ آتی ہے‘ انہیں بھی بیان کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ جان سکتے ہیں‘ بیان نہیں کر سکتے‘ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے عوام کے لئے بیان نہیں فرمایا۔ گویا دین نام ہی اتباعِ رسالت ﷺ کا ہے۔ جہاں کوئی حضور ﷺ کے اتباع سے نکلے گا‘ وہ دین سے بھی نکل گیا۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ اللہ کو سزاوار ہے اور اس کے علاوہ کسی کو یہ سزاوار نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ؕ اس لئے کہ وہ ”اَلْحَیُّ“ ہے۔ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے‘ اسے زندگی کے لئے کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں‘ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ ”اَلْقَیُّوْمُ“ وہ خود اپنی ذات میں ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے قائم ہے۔ اسے قائم رہنے کے لئے کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے وہ اکیلا ہی عبادت کا مستحق ہے۔ اللہ کریم کے علاوہ جتنی بھی مخلوق ہے‘ فرشتے ہوں‘ انبیاء کرام ہوں‘ اولیاء اللہ ہوں یا وہ چیزیں ہوں جنہیں جہلاء پوجتے ہیں‘ ہر شے اپنی زندگی میں اللہ کی محتاج ہے۔ حیات کے لئے بھی‘ اپنی بقاء کے لئے بھی اللہ کی محتاج ہے۔ جسے زندگی دیتا ہے اسے حیات ملتی ہے‘ جس سے لے لیتا ہے اس سے چلی جاتی ہے۔ جس چیز کو قائم رکھتا ہے وہ قائم رہتی ہے۔ جسے مٹا دیتا ہے وہ مٹ جاتی ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں‘ کوئی ایسی ہستی نہیں جو اللہ کی مدد کے بغیر اپنا وجود قائم رکھ سکے یا اللہ کی دی ہوئی زندگی کے علاوہ زندہ رہ سکے۔ لہٰذا عبادت کا حق اس اکیلے کو ہے جو اپنی ذات میں زندہ ہے‘ اپنی ذات سے قائم ہے‘ جو زندگی میں‘ قائم رہنے میں کسی کا محتاج نہیں ہے لیکن باقی ساری کائنات اس کی

محتاج ہے۔ لہٰذا عبادت اس اکیلے کی ہوگی۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ اس نے آپ ﷺ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی۔ اسی مالک ومختار نے آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی۔ بِالْحَقِّ حق کے ساتھ‘ واقعیت کے ساتھ‘ جس کا ایک ایک حرف حق ہے اور جو اپنے اندر واقعیت رکھتی ہے یعنی ایسا ہی ہوگا‘ ایسے ہی واقع ہوگا جیسا قرآن نے بتا دیا۔ اس کے سارے اصول‘ قواعد اور ضوابط نزول سے لے کر قیام قیامت تک قابل عمل اور قابل اتباع ہیں۔ اس میں کوئی حیلہ نہیں چلے گا‘ اس میں کوئی ہیرا پھیری نہیں چلے گی۔

حق متضاد نہیں ہوسکتا

ارشاد فرمایا جا رہا ہے نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ۔ اس پر زور دیا جا رہا ہے کہ اللہ کی کتاب حق ہے۔ اس کے خلاف جہاں بھی ہوگا‘ جو بھی ہوگا وہ باطل ہوگا۔ حق دو نہیں ہوسکتے‘ دو باتیں سچ نہیں ہوسکتیں۔ قرآن کے مقابلے میں جو بات کی جائے گی وہ باطل ہوگی‘ اس کے خلاف جو ہوگا وہ باطل ہوگا اور قرآن وہ حق ہے جو مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ جتنی کتابیں اللہ نے پہلے نازل فرمائیں ان سب کی بھی تصدیق فرماتا ہے۔ وَأَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ۝ اس رب نے تورات اور انجیل نازل کی تھی۔ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے۔

پہلی کتابوں سے بھی دیکھ لیں‘ ہر کتاب نے الوہیت باری کی تصدیق کی۔ ہر کتاب میں دو طرح کی باتیں ہیں‘ ایک کا تعلق خبر سے ہے اور ایک کا تعلق حکم سے ہے۔ خبر ہے: اللہ وحدہٗ لاشریک ہے‘ اللہ کا نبی برحق ہے‘ آخرت ہے‘ حساب کتاب ہے‘ جنت و دوزخ ہے‘ فرشتے ہیں‘ یہ ساری خبریں ہیں۔ خبر میں کہیں تضاد نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک ہر نبی نے جو خبر دی ہے وہ ایک ہے۔ احکام اوقات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ پہلی امتوں کے احکام مختلف تھے‘ ان کے بعد میں آنے والوں کے لئے مختلف تھے۔ بعد میں آنے والوں کو وقت‘ استعداد‘ علم‘ ضروریات اور زمانے کے حالات کے مطابق احکامات دیئے گئے۔

انسانیت ترقی کر رہی تھی‘ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ جب انسانیت جوان ہوگئی تو محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور وہ احکام آئے جو کبھی تبدیل نہیں ہوں گے چونکہ اب انسان اس سے آگے نہیں بڑھے گا۔ وہ اپنی تکمیل کر چکا۔ روئے زمین پر انسانوں کے لئے ایک سے احکام نازل ہو گئے لیکن قرآن پہلی کتابوں کی تکذیب نہیں کرتا۔ قرآن کی صداقت کی دلیل یہ بھی ہے کہ انہی صداقتوں کو دہراتا ہے جو آدم علیہ السلام سے

لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک کم و بیش سوا لاکھ اللہ کے ان بندوں نے پیش کیں جن کی زندگیاں مثال تھیں۔ جو پاکباز، پاک نیت، پاک طینت، پاک کردار، مثالی انسان اور اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ اتنی مقدس ہستیاں کسی غلطی پہ متفق نہیں ہوسکتیں جو ساری انسانیت کے سر کا تاج ہوں۔ ایسے مثالی انسان جن کی نظیر کوئی غیر نبی نہیں بن سکتا، اتنے نیک اور پاکباز انسان جن کی پاکیزگی کو فرشتے ترستے ہیں اور حسرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، وہ سارے پاکباز کسی غلطی پر متحد نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا قرآن حکیم حق ہے۔

وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اور اس نے قرآن نازل کر دیا۔ نزول قرآن سے لے کر قیام قیامت تک قرآن ہی کتابِ ہدایت ہے اور اس کے نزول سے لے کر ہمیشہ کے لئے اب عمل قرآن حکیم پر ہوگا۔ دنیا میں قومیں دو ہیں۔ مومن اور کافر، اللہ کو تسلیم کرنے والے، اللہ کی بات کو تسلیم کرنے والے، اللہ کے انبیاء کو ماننے والے اور ان کے منکر، آگے ان کی اقسام ہیں۔ جس پہ آپ کا ملک بنا اور ہندوستان تقسیم ہوا وہ بھی دوقومی نظریہ تھا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ ۔ کفر ایک ہی ملت ہے، ایک ہی قوم ہے۔ کوئی چھوٹا کافر ہے، کوئی بڑا کافر ہے، کوئی سفید ہے، کوئی سیاہ ہے۔ جیسے کتوں کے رنگ، ان کی مختلف نسلیں ہیں لیکن سارے کتے ہوتے ہیں۔ کوئی کچھ کرتا ہے، کوئی کچھ کرتا ہے، کسی کا رنگ کچھ ہے، شکل کچھ ہے لیکن کتا ہونے میں شک نہیں ہے، اسی طرح ہر طرح کا کفر ایک ہے۔ دنیا میں دو ہی قومیں ہیں، حق کے ماننے والے اور حق کا انکار کرنے والے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۔ اللہ کا انکار تو بہت بڑی بات ہے، اللہ کے نبی ﷺ کا انکار تو بہت ہی بڑی بات ہے، اللہ کے ارشادات کا جو انکار کرے گا وہ بھی ویسا ہی کافر ہے جیسے اللہ کی ذات کا انکار کرتا ہے یا اللہ کے نبی ﷺ کا انکار کرتا ہے۔ اس لئے یہاں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۔ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ ان کے لئے بڑی سخت سزائیں ہیں۔

وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اللہ غالب ہے اور وہ یقیناً انتقام لیتا ہے۔ کفر کو معاف نہیں فرماتا۔ اگر کوئی کفر سے توبہ کر لے تو اس کی رحمت وسیع ہے لیکن کفر پر قائم رہے اور کفر پر مر جائے تو اس کے لئے معافی کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ جس طرح کا اور جتنا کفر اس نے کیا، وہ اس کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔

اللہ کریم ایمان پر زندہ رکھے، ایمان پہ موت نصیب فرمائے اور اپنے ایماندار بندوں کے ساتھ حشر نصیب فرمائے۔ آمین

اجتہاد

کہتے ہیں دنیا نے بہت ترقی کر لی۔ ہماری آنکھوں کے سامنے بڑی ترقی ہوئی ہے۔ ہم نے بچپن میں بھی موٹریں دیکھی ہیں لیکن جو موٹریں آج ہیں ان کا تصور تک نہیں تھا۔ جہاز تھے لیکن آج کے جہاز کا تصور نہیں تھا۔ آج کمپیوٹرائزڈ گاڑیاں آ گئیں۔ انسان کہاں سے چلا اور دیکھتے دیکھتے کہاں پہنچ گیا۔ چودہ صدیوں میں کتنی تبدیلیاں آئیں لیکن قرآن حکیم اپنے نزول سے لے کر قیام قیامت تک کے لئے قابل عمل ہے۔

ماضی کے طرزِ حیات ترک ہو گئے۔ اسلحہ' ناقابل استعمال ہو گیا۔ اس زمانے کے لباس آج نہیں۔ جو جوتے اس زمانے میں پہنے جاتے تھے' آج کوئی نہیں پہنتا۔ آج وہ سواریاں نہیں رہیں جو اس زمانے میں تھیں لیکن کیا بدلا؟ وسائل Means بدلے ہیں لیکن انسانی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ انسان اس وقت بھی اسی طرح مرد و زن سے پیدا ہوتا تھا' آج بھی اسی طرح ماں اور باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ انسان کو اس وقت بھی بھوک لگتی تھی' آج بھی لگتی ہے۔ انسان کو تب بھی نیند آتی تھی' آج بھی آتی ہے۔ انسان تب بھی بیمار ہوتا تھا صحت مند ہوتا تھا' آج بھی بیمار ہوتا ہے صحت مند ہوتا ہے۔ انسان تب بھی سفر کرتا تھا' آج بھی کرتا ہے لیکن وسائل بدل گئے ہیں۔ گھوڑے پہ' اونٹ پہ سفر کرتا تھا' آج جہاز پہ کرتا ہے لیکن سفر کا مقصد نہیں بدلا۔ ملازمت' حصول روزگار' تجارت' سیر' وغیرہ' مقاصد اس وقت بھی یہی تھے۔ انسان' انسانی مزاج اور انسانی ضرورتوں میں قیامت تک کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اسی طرح بندوں کو بھوک بھی لگے گی' غذا کی ضرورت ہوگی' دوا کی ضرورت ہوگی' روزگار کی ضرورت رہے گی۔ انسان کی ضرورتیں وہی رہتی ہیں' صرف تکمیل ضرورت کے ذرائع اور وسائل میں تبدیلی آتی ہے۔ قرآن نے زندگی کے اصول بیان فرمائے ہیں اور زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہمارا رشتہ کمزور ہو گیا ہے' اس لئے ہمیں سمجھنے اور اتباع میں دِقت ہوتی ہے۔

اجتہاد کا دروازہ کسی نے بند نہیں کیا لیکن اجتہاد مجتہد کرتا ہے اور مجتہد وہ ہوتا ہے جس کو عربی زبان پر عبور ہو' عربی گرائمر' صرف و نحو پر عبور ہو' حدیث مبارکہ پر عبور ہو' قرآن حکیم' اس کی تفسیر' اس کے نزول اور اس کے احکام پر عبور ہو اور اس کے ساتھ اس میں یہ بھی استعداد ہو کہ مسائل کا استنباط کر سکے یعنی کوئی مثال ڈھونڈ کر اس کو منطبق کر کے حکم حاصل کر سکے۔ اگر یہ سارے علوم بھی آتے ہوں اور قوت استنباط نہ ہو تو اجتہاد نہیں کر سکتا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے چوٹی کے عالم تھے۔ عربی زبان پر بھی عبور تھا۔ قرآن حکیم اور حدیث پاک کے اسرار و رموز بھی اللہ نے بخشے تھے۔ صرف و نحو اور علم کلام پہ بھی عبور تھا۔ جذب القلوب میں لکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تو بارگاہ نبوی ﷺ میں اپنے لئے اجتہاد کی اجازت مانگی۔ جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ غور کر کے دیکھ لو، آئمہ اربعہ نے کہیں کوئی کسر چھوڑی نہیں ہے۔ تمہیں کوئی ایسا مسئلہ نظر آتا ہو جس میں انہوں نے رہنمائی نہیں کی تو اجتہاد کر لینا ورنہ چاروں میں سے جو پسند آئے اس راستے کو اپنا لو۔ یہ تو ان کی بات ہے جنہوں نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں اجتہاد کے لئے عرض کی۔ اب اگر ایسے لوگوں کو اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے تو آج کی اسمبلی کے اراکین، جن کے علوم پتہ نہیں کتنے وسیع ہیں، کس طرح مجتہد بن سکتے ہیں!

قرآن حکیم کے احکام مذاق نہیں، اللہ کا براہِ راست حکم ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد بھی اللہ کا حکم ہے اور دونوں کا انکار کرنے والا ایک جیسا کافر ہے۔ قرآن کا منکر جیسا کافر ہے، حدیث کا انکار کرنے والا بھی ویسا ہی کافر ہے۔ حدیث اور قرآن میں صرف یہ فرق ہے کہ قرآن کلام بھی اللہ کا ہے، مفاہیم بھی اللہ کے ہیں جبکہ حدیث میں مفاہیم و معانی تو اللہ کی طرف سے ہیں لیکن ارشاد محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝** میرا نبی ﷺ اپنی پسند سے کلام نہیں فرماتا، جب تک میری طرف سے وحی نازل نہیں ہوتی اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ بھی وحی الٰہی ہے۔ اس میں کلمات نبی کریم ﷺ کے ہیں، الفاظ حضورِ اکرم ﷺ کے ہیں لیکن معانی اللہ ہی کے ہیں۔ اس لئے قرآن کو وحی متلو اور حدیث کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

آج کوئی نادان اٹھ کر معانی تراشنے لگے تو وہ درست نہیں ہوگا۔ جب ایک آیۂ کریمہ نازل ہوتی اور بڑے بڑے اہل زبان خدمت عالی میں شرف باریابی رکھتے تو حضور ﷺ فرماتے، اس کا مفہوم جانتے ہو، معانی جانتے ہو؟ سارے سر جھک جاتے اور عرض کرتے: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ اس کے معانی اللہ جانتا ہے اور اللہ کا رسول ﷺ جانتا ہے، جو آپ ﷺ فرمائیں گے وہی اس کے معنی ہیں۔ حضور ﷺ جو معنی ارشاد فرماتے اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عمل کرتے، حضور ﷺ اس عمل کی تصدیق فرماتے کہ یہی اس کا مفہوم ہے اور وہ عمل دین بن جاتا۔ اس لئے قرآن کریم نے یہ کہہ دیا کہ مہاجر و انصار نے قرآن کو سمجھا اور وہ مثالی مسلمان ہیں۔ قرآن نے قیامت تک آنے والے تین گروہ ارشاد فرمائے۔ مہاجر و انصار اور تیسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے خلوص دل سے ان کا اتباع کر لیا۔ **وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ** یعنی

قرآن وحدیث کو مہاجر وانصار نے سمجھا' مزاج شناس رسول ﷺ وہ تھے اور ان کے بعد قیامت تک آنے والا ہر وہ شخص جو ان کا اتباع خلوص دل سے کرے' دل کی گہرائیوں سے کرے۔ لہٰذا دین بازیچہ اطفال نہیں ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دین پر بحث کا رواج ہے۔

ایک ساتھی مجھ سے پوچھنے لگے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر ہیں تو اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ میں نے کہا بھائی! مجھے تو وہ لوگ بھی نہیں ملتے جو اللہ کو حاضر و ناظر سمجھیں۔ کہتے تو سارے ہیں لیکن کوئی ایک بندہ نکال کے لاؤ جس کا کردار یہ ثابت کرے کہ وہ اللہ کو حاضر ناظر سمجھتا ہے۔ اللہ کے سامنے کوئی جھوٹ بول سکتا ہے؟ اللہ کے روبرو کوئی سود کھاتا ہے؟ اللہ روبرو موجود ہو تو کوئی برائی کرتا ہے' چوری کرتا ہے' قتل کرتا ہے' ڈاکہ ڈالتا ہے؟ مجھے تو یہ سمجھ آتی ہے کہ لوگ اللہ کو حاضر ناظر نہیں سمجھ رہے۔ پہلے اللہ کو منواؤ پھر یہ اگلی بحث کریں گے۔ اپنی زندگی میں بھی چاہتے ہو تو پہلے اللہ کو حاضر و ناظر جانو کہ جہاں میں ہوں وہاں اللہ موجود ہے اور مجھے دیکھ رہا ہے۔ جب سمجھو گے کہ اس پر عمل کر لیا تو اگلا مسئلہ پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ الَّذِيْ
يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ هُوَ
الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ
مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ
وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ
اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ
لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا
رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۹ ع ۹

وقف النبی ﷺ
وقف منزل

بیشک اللہ سے چھپی ہوئی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں کوئی چیز۔ وہی تو ہے جو (ماں کے) رحم میں تمہاری صورت (نقشہ) بناتا ہے، جیسے وہ چاہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زبردست ہے حکمت والا۔ وہی تو ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی، اس میں محکم (پختہ) آیتیں ہیں، وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہہ (کئی معنی دینے والی)، پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے سو وہ فساد (گمراہی) کی غرض سے اور اس کا (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے اس سے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں، اور اس کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور مضبوط (پختہ) علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور نہیں سمجھتے مگر عقل والے (صرف عقل والے سمجھتے ہیں)۔ اے ہمارے رب! ہمارے دل نہ پھیر اس کے بعد جبکہ تو نے ہمیں ہدایت دی، اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عنایت فرما، بیشک تو سب سے بڑا دینے والا ہے۔ اے ہمارے رب! بیشک تو لوگوں کو اس دن جمع کرنے والا ہے (جس میں) کوئی شک نہیں۔ بیشک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

نزول قرآن تاریخ انسانیت میں کوئی عجیب یا نئی بات نہیں ہے۔ جس طرح پہلے انبیاء و رسل پر کتابیں نازل ہوئیں، اسی طرح اللہ کریم نے آقائے نامدار ﷺ پر قرآن حکیم نازل فرمایا۔ جو لوگ اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں، اللہ کی کتاب کا انکار کرتے ہیں، ان کے لئے سخت ترین عذاب ہے، **لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ** چونکہ یہ انکار بہت بڑا جرم ہے، اس کی سزا بھی بہت زیادہ ہے اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اللہ کریم بڑا غیور ہے۔ جب کوئی بندہ محتاج ہو کر، مخلوق ہو کر، اس کے عالم میں رہ کر، اس کا رزق کھا کر، اس کی نعمتیں استعمال

کر کے اس کی نافرمانی کرتا ہے، اس کے ارشادات کا انکار کرتا ہے تو اللہ کریم بہت زبردست انتقام لیتا ہے۔ پھر اسے اللہ کی سزا سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ؕ کوئی جرم کر کے اس سے اپنا جرم چھپا نہیں سکتا۔ اس کی ذات ایسی ہے کہ کوئی چیز آسمانوں میں یا زمینوں میں، کائنات کے کسی گوشے میں، دنیا کے کسی حصے میں، شب و روز کے کسی وقت میں، ہزاروں لاکھوں پردوں کے اندر ہو، زیر زمین چلی جائے، بالائے آسمان ہو، دنیا کے کسی گوشے کسی کونے میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، اللہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے، سب کچھ اس کے سامنے ہے۔ کوئی یہ سمجھے کہ اس کی نافرمانی کر کے اس کے عذاب سے بچ جائے گا یا اپنے جرم کو چھپا لے گا تو یہ اس کی کوتاہ فہمی ہے۔ اس نے عظمت الٰہی کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ ایسا مالک ہے کہ ہر چیز اس کے سامنے ہے۔ پھر انسان کو سمجھانے کے لئے ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وہی خالق اور وہی مالک ہے، وہی قادر مطلق ہے جو رحم مادر میں جیسا وہ چاہتا ہے تمہاری شکل صورت بناتا ہے، تمہارا قد کاٹھ بناتا ہے۔ تمہاری عقل کو، تمہاری دانش کو، تمہاری استعداد کو ہر چیز کو پیدا فرماتا ہے اور اس کا ایسا عجیب نظام ہے اور اس کے اتنے وسیع علوم ہیں جن کی کوئی حد نہیں ہے۔ آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آج تک دنیا پیدا ہو رہی ہے اور انسان کے دو ہاتھ ہیں، دو پاؤں ہیں، دو کان ہیں، دو آنکھیں ہیں، ناک ہے ایک سا حلیہ ہے لیکن کوئی بندہ کسی دوسرے سے نہیں ملتا۔ وہ ایسا قادر ہے کہ ہر پیدا ہونے والے کو باوجود انسان ہونے کے جداگانہ شکل دے دیتا ہے دو آدمیوں کی عقلی استعداد ایک جیسی نہیں ہوتی، دو آدمیوں کی علمی استعداد ایک جیسی نہیں ہوتی، دو آدمیوں کا زندگی گزارنے کا طریقہ، سلیقہ اور استعداد ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ایک ہی ماں کے پیٹ سے دو بچے پیدا ہوتے ہیں۔ باپ بھی ایک ہوتا ہے، ماں بھی ایک ہوتی ہے لیکن ایک بہت امیر کبیر ہو جاتا ہے، ایک غریب رہ جاتا ہے، ایک بہت پڑھ لکھ جاتا ہے ایک ان پڑھ رہ جاتا ہے۔ ایک میں علوم کو جاننے کی بہت استعداد ہوتی ہے، دوسرے میں نہیں ہوتی۔

وہ قادر ہے، اس سے کون سی چیز چھپاؤ گے؟ تمہیں علم نہیں ہوتا، تمہارے باپ کو علم نہیں ہوتا جو تمہاری تخلیق کا سبب ہے، تمہاری والدہ کو علم نہیں ہوتا کہ اس کے پیٹ میں کیا بن رہا ہے؟ بیٹا ہے بیٹی ہے، خوش شکل ہے بدشکل ہے، خوش نصیب ہے بدنصیب ہے، لمبی عمر والا ہے کم عمر والا ہے، کیسا ہے؟ زندگی کیسے گزارے گا، اس کے ساتھ کیا پیش آئے گا؟ کوئی نہیں جانتا لیکن وہ ان تمام باتوں سے واقف ہے اور اپنے دست قدرت

سے اسے شکل بھی دے رہا ہے، اسے تمام خصوصیات بھی عطا کر رہا ہے۔ انسان کو سمجھانے کے لئے فرمایا کہ ان باریکیوں سے وہ ذات واقف ہے جو شکم مادر میں تمہاری عقل، شکل اور استعداد ترتیب دے رہی ہے۔ بھلا اس کی دنیا میں آ کر تم کون سا کام اس سے چھپا لو گے! کون سی بات ہے جو اس سے چھپا لو گے! تمہاری ہر حرکت، ہر سوچ، کچھ بھی اس کی ذات سے پوشیدہ نہیں ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ کوئی ایسا نہیں ہے جس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے سوائے انؐ کے۔ اِلٰهَ وہ ہستی ہوتی ہے جس کی اطاعت غیر مشروط کی جائے، بغیر کسی عار، بغیر کسی شرط، بغیر کسی اعتراض کے مکمل اطاعت۔ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝ اور وہ غالب ہے، قادر ہے۔ یہ اس کی حکمت ہے کہ لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور وہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ یہ اس کی حکمت ہے کہ اس نے یوم حساب مقرر کر دیا۔ یہ اس کی حکمت ہے کہ اسی کی دی ہوئی طاقت سے لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور وہ برداشت کرتا رہتا ہے۔ اس پر دلیر نہ ہو جانا چاہیے کہ میں نے اتنے جرم کیے اور میرا کچھ نہیں بگڑا۔ جرم پر ضرور بگڑے گا سوائے اس کے کہ توبہ کر لی جائے اور اللہ توبہ قبول فرمالے ورنہ بھاگنے کا راستہ کوئی نہیں ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ۔ اے میرے حبیب ﷺ! اسی قادر مطلق نے جو خالق کائنات، انسانوں کا بنانے والا، پیدا کرنے والا، رزق دینے والا، زندگی دینے والا، سارے اوصاف دینے والا مالک ہے، اس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی۔ جو کتاب نازل فرمائی ہے اس میں آیات دو طرح کی ہیں۔ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ۔ اس میں کچھ آیات ایسی ہیں جو بالکل واضح ہیں، جن کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔ ان سے جو بات مراد ہے وہ سیدھی سیدھی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ۔ کتاب کی بنیاد اور اساس تو وہی ہیں۔ عمل انہی پہ کرنا ہے۔

متشابہات سے وابستہ حکمت الٰہی

قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو کتاب ہدایت ہے، جسے پڑھنا، سمجھنا اور سمجھ کر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ نازل ہی اسی لئے ہوئی ہے۔ یہ زندگی کا ایک نصاب ہے، ایک لائحہ عمل ہے کہ زندگی کس طرح گزاری جائے۔ لہٰذا چاہیے تو یہ کہ اس کی ہر بات سمجھ میں آتی جائے لیکن اس میں کچھ حقائق ایسے بھی ہیں جو انسانی عقل میں نہیں آتے لیکن اللہ نے قرآن میں ان کا اندراج فرما دیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ انسانی عقل میں نہیں آتے تو قرآن میں نازل کرنے سے کیا مراد تھی؟ یہ ضروری نہیں ہے کہ مریض نسخے کے اجزا سے بھی واقف ہو لیکن دوا اسے فائدہ دیتی ہے۔ ان آیات پر ایمان لانا اور ان کی تلاوت روشن قلب کی ضرورت ہے۔ یہ آیات روشنی مہیا کرتی ہیں اگرچہ عقل انسانی میں نہ آئیں، جیسے یہ آیۂ کریمہ: ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ

فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ ۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۔ انسانی عقل میں نہیں آتا' اللہ عرش پر کیسے جلوہ افروز ہے۔ ظاہری ترجمہ سے تو پتہ چلتا ہے جیسے اللہ عرش پہ بیٹھا ہے۔ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے' عرش پہ کہاں بیٹھا ہے! انسانی عقل نہیں سمجھ سکتی۔ نہ ذات باری کو عقل سمجھ سکتی ہے' نہ صفات باری کو عقل سمجھ سکتی ہے۔ اس لئے کہ عقل مخلوق ہے اور دائرہ تخلیق کے اندر جو چیز بھی آئے گی وہ مخلوق ہوگی۔ چونکہ عقل خود مخلوق ہے تو اس کی گرفت میں' اس کے دائرہ کار میں جتنی چیزیں آئیں گی وہ مخلوق ہوں گی۔ خالق اس کے دائرہ کار سے باہر ہے' بالاتر ہے' اس کی سمجھ سے اس کی رسائی سے بالاتر ہے۔ اب اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ سے کیا مراد ہے' اس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے لیکن ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا تلاوت کرنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اس کے ساتھ جو تجلیات ذاتی کا نزول ہوتا ہے' جو جلوے اس کے ساتھ نازل ہوتے ہیں' جو جمال الٰہی اس کے ساتھ نازل ہوتا ہے' وہ قلب مومن کی ضرورت ہے۔

بات چیت اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کی ہوگی تو بندے نے نہ اس عرش پر چڑھنا ہے' نہ جا کر دیکھنا ہے اور نہ یہ اس کی ضرورت ہے۔ اس کی ضرورت تو یہ ہے کہ جو قرآن اللہ نے نازل فرمایا اس پر بلا اعتراض ایمان لائے' اس کی تلاوت کرے اور اس سے استفادہ کرے' اس سے فائدہ حاصل کرے نہ یہ کہ اس پہ اعتراض کرنا شروع کردے۔

فرمایا آیات دو طرح کی ہیں۔ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ ایک آیات وہ ہیں جو متشابہات ہیں۔ جیسے ایک متشابہہ ہے کہ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی' اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ اب نبی کریم ﷺ کے ہاتھ کے متعلق تو بات سمجھ میں آ گئی' جنہوں نے بیعت کی آپ ﷺ کے دست شفقت پہ' آپ ﷺ کے دست عالی پہ' اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا۔ ان کے ہاتھ بھی' سمجھ آ گئی لیکن يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے' اب اللہ کا ہاتھ عقل انسانی کیسے سمجھے؟ کیا اللہ کا ہاتھ انسانوں کی طرح ہے؟ کیا اللہ ایک جسم ہے' اس کے ہاتھ پاؤں ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ یہ متشابہات ہیں۔ جیسے اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کے بارے میں علماء حق نے کہا کہ اس سے مراد زمین و آسمان کا سیکرٹیریٹ یا وہ جگہ ہے جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں' جہاں سے فیصلے نازل ہوتے ہیں' اسی طرح يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ کے بارے میں علما نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی تائید و نصرت ان کے ساتھ ہے۔ جیسے کسی بندے پر نبی کریم ﷺ کا دست شفقت ہے تو اس سے مراد ہے کہ آپ ﷺ کی تائید' آپ ﷺ کی نصرت' آپ ﷺ کی شفقت' آپ ﷺ کا کرم' آپ ﷺ کی مہربانیاں اس بندے کے ساتھ

ہیں۔ یہ آیت متشابہہ ہے، عقل انسانی اس کو اپنے علم کے اندر نہیں لا سکتی مگر اس کی تلاوت بھی ضروری ہے اور اس پر ایمان بھی ضروری ہے۔

گمراہی کا سبب دلوں کی کجی ہے

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں میرے حبیب ﷺ! فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ جن کے دلوں میں کجی آ جاتی ہے، ٹیڑھا پن آ جاتا ہے، جن کے دل صحیح نہیں رہتے، جن کے دلوں کی کیفیت وہ نہیں ہے جو قلب مومن کی ہونی چاہیے، وہ ان آیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو متشابہات ہیں اور ان کا مقصد اللہ کے کلام پہ اعتراض کرنا یا مختلف اعتراضات کے ذریعے فتنہ بپا کرنا اور غلط تاویلیں تراشنا ہوتا ہے۔ یہ جو نئے فرقے بن رہے ہیں ان سب نے اس طرح کی غلط تاویلیں تراش رکھی ہیں۔

اسلام کا سادہ سا ایک نظام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تریسٹھ برس حیات مبارکہ بسر فرمائی جس میں تیئس 23 برس عہد نبوت ہے۔ تیئس برس میں قرآن نازل ہوتا رہا اور حضور ﷺ اس پر عمل فرماتے رہے۔ لوگ ایمان قبول کرتے رہے، نبی کریم ﷺ انہیں تعلیم فرماتے رہے اور وہ اس پر عمل کرتے رہے جس کی حضور ﷺ نے تصدیق فرمائی کہ یہ اسلام ہے اور یہ قرآن کا مقصود ہے۔ آج ایک آدمی کھڑا ہو کے کہتا ہے کہ یہ نماز روزہ تو فضول رسمیں ہیں، یہ تو ظاہر والوں کے لئے ہیں۔ باطن والوں کے لئے کیا ہے؟ باطن والوں کے لئے ہے کہ ڈھول بجاؤ، پٹاخے چلاؤ، اچھل کود کرو اور بس کیفیت وارد ہو جائے گی۔ بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ لوگ اس بات کو مانتے ہیں، ایسا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم ولی اللہ ہو گئے۔

یہ کیوں ہوتا ہے؟ فرمایا: فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ۔ پھر لوگوں کے دل ٹیڑھے ہو چکے ہوتے ہیں، دل بگڑ چکے ہوتے ہیں، وہ متشابہہ آیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، ان کی غلط تاویلیں کرتے ہیں، ان کے غلط معنی لیتے ہیں اور یوں دنیا کو گمراہ کرتے ہیں۔ زمین پر فتنہ پیدا کرتے ہیں۔ فرمایا یہ دلوں کے ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ۔ ان کی تاویل و تعبیر اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ یہ اللہ کا کام ہے، وہ خود جانتا ہے۔ عقل انسانی کی ایک حد ہے، وہاں تک عقل سمجھ سکتی ہے اور اس سے آگے وہ سمجھ نہیں سکتی۔ جس طرح ایک عام ڈاکٹر کی بات ہم مانتے ہیں۔ وجود ہمارا ہے لیکن ہمیں اپنے آپ کے بارے میں پتہ نہیں۔ طبیب یا نباض نبض پہ ہاتھ رکھ کے کہتا ہے کہ آپ ٹھنڈا پانی پینا چھوڑ دو، آپ فلاں چیز کھانا چھوڑ دو اور ہم چھوڑ

دیتے ہیں۔ وجود تو ہمارا ہے لیکن اس کے کہنے پہ ہم کیوں عمل کر رہے ہیں؟ ہمیں یقین ہوتا ہے کہ وجود کی ساخت' اس کی ضرورتوں سے وہ ہماری نسبت زیادہ جانتا ہے۔ اس کی بات مانیں گے تو وجود سلامت رہے گا' نہیں مانیں گے تو ہم بیمار ہوں گے' مر جائیں گے۔ جب قرآن یا دین کی بات آتی ہے تو ایسا کون ہے جو اس طرح جانتا ہے جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں۔ یہاں سرِ تسلیم خم کیوں نہیں ہوتا کہ جو اللہ کے حبیب محمد ﷺ نے فرما دیا وہ میری سمجھ میں آئے تو بھی درست ہے' میری سمجھ میں نہ آئے تو میری سمجھ ناقص ہے لیکن حضور ﷺ کا فرمایا ہوا حق ہے۔ اگر انسان ارشاد باری اور فرمودات نبوی ﷺ کا اپنی عقل سے تجزیہ کرنے لگ جائے کہ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے میں مانتا ہوں لیکن یہ میری سمجھ میں نہیں آتی' میں نہیں مانتا یا حضور ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا لیکن میری سمجھ میں تو اس طرح آتا ہے' میں اس طرح مانوں گا تو یہ سارے کا سارا کفر ہے۔

اہل دانش کی سوچ

وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ۔ جنہیں اللہ صحیح علم اور راسخ علم دیتا ہے وہ تو سادہ سی بات کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ اول و آخر سارا قرآن ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے' اسی نے نازل فرمایا۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ لیکن نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جن کے سمجھنے کی استعداد درست ہوتی ہے۔ اُولُوا الْاَلْبَابِ صاحب دانش' صاحب عقل۔ قرآن حکیم نے ہر اس بندے کو صاحب خرد قرار دیا ہے جو حضور اکرم ﷺ کی غلامی بے چون و چراں کرتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا کہ آپ ﷺ اللہ کے برحق رسول ہیں' اس سے بڑا عقل مند اور کوئی ہے ہی نہیں' یہ بہت بڑا دانش ور ہے اور جس نے آپ ﷺ کی صداقت کو نہیں پہنچانا' خواہ وہ کتنا ہی بڑا فلسفی ہو' اس میں شعور نہیں ہے' اس میں عقل نہیں ہے' وہ بے وقوف ہے۔ جو حقیقت جاننا چاہئے تھی وہ تو یہ جان نہیں سکا' اب اگر اس نے سونف اجوائن کی خصوصیات یاد کر لیں' اس نے سائنس کے کلیے یاد کر لیے' اس نے چند ایجادات کا طریقہ سمجھ لیا تو کیا سمجھا! بنیادی اور ضروری بات تو وہ تھی جو حق آشنائی کی تھی۔ اگر اللہ کے حبیب ﷺ کو پہچانتا تو اللہ کی پہچان کا دروازہ کھل جاتا' وہ اللہ کو پہچانتا۔ معرفت الٰہی اور معرفت پیامبر ﷺ ہی دانش کی بنیاد ہے۔

حقیقت قلب

قرآن کریم دین کا سارا مدار بالآخر قلب پہ لے آتا ہے۔ قلب میں شعور بھی ہے' قلب سنتا بھی ہے' قلب سیدھا بھی چلتا ہے' قلب میں ٹیڑھاپن بھی آ جاتا ہے' قلب میں انکار بھی آ جاتا ہے' قلب میں نور ایمان

بھی آتا ہے اور یاد رہے! انسان صرف یہ فزیکل سٹرکچر (Physical Structure) نہیں ہے، انسان صرف یہ جسم ہی نہیں ہے، اس کے اندر ایک لطیفہ ربانی ہے جسے روح کہا گیا ہے جو امر الٰہی سے ہے، جو عالم امر سے ہے اور جب روح اس جسم سے نکل جاتی ہے تو یہ مردہ ہو جاتا ہے یعنی اصل انسان اس کے اندر ہے۔ سائنس نے بڑی دیر روح کا انکار کیا لیکن اب سائنس کو بھی ماننا پڑا۔ مثلاً ایک آدمی مر جاتا ہے تو اس کے سارے اعضاء و جوارح کام کرنے سے رک گئے۔ آنکھ دیکھنے سے رک گئی، دل دھڑکنے سے رک گیا لیکن اگر خراب ہونے سے پہلے اس کی آنکھ نکال کر محفوظ کر لی جائے، دل نکال کر محفوظ کر لیا جائے، گردہ محفوظ کر لیا جائے اور کسی زندہ انسان کو لگا دو تو وہاں وہ آنکھ دیکھنے لگ جاتی ہے، دل دھڑکنے لگ جاتا ہے، گردہ کام کرنے لگ جاتا ہے۔ تو اب سائنس کو بھی ماننا پڑا کہ اس روح کے نکلنے سے جسم خراب ہوتا ہے۔ کوئی چیز ہے جس نے اسے چھوڑ دیا تو یہ خراب ہو گیا۔ اگر دوسرے بندے میں روح ہے اور مرنے والے کی آنکھ اسے لگائی تو آنکھ نے دیکھنا شروع کر دیا لیکن مرنے والے میں تو نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ اندر کوئی چیز ہے جو اسے استعمال کرتی ہے، جس کی وجہ سے یہ اپنا کام کرتی ہے تو سائنس کو بھی تو ماننا پڑ گیا کہ کوئی روح ہے۔ اب تو سائنس دان بھی اس بات پہ بھی آ گئے ہیں کہ یہ جن بھوت بھی کچھ ہیں جو انسانوں میں گھس کر انہیں خراب کرتے ہیں۔ یعنی جب انہیں روح کے متعلق ایک یقین نصیب ہوا کہ روح واقعی ہے تو اب اس سے بھی آگے چل پڑے ہیں۔ بہر حال غرض اس بات سے نہیں ہے کہ سائنس کس بات کو مانتی ہے، غرض اس بات سے ہے کہ قرآن جو کہتا ہے وہ حق ہے۔ وہ سائنس کی سمجھ میں آئے تو بھی حق ہے، نہ آئے تو بھی حق ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے روح کی بات ارشاد فرمائی تو یہ بات حق تھی۔ سائنس نے اگر آج مانا تو کیا آج تک یہ بات غلط تھی؟ نہیں بلکہ آج تک سائنس غلط تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آئی لیکن بات حق تھی۔ اسی طرح قرآن کریم کا ایک ایک لفظ حق ہے، کسی کی سمجھ میں آتا ہے تو یہ اللہ کا احسان ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو یہ اس کی سمجھ کا قصور ہے لیکن قرآن بہر حال حق ہے۔

متشابہات کے بارے میں فرمایا: وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ ۘ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ ۔ اگر وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ کو اس کے ساتھ جوڑا جائے تو مراد یہ ہوگا کہ ان آیات کی تاویل اللہ جانتا ہے، اللہ کے حبیب ﷺ جانتے ہیں اور وہ لوگ جانتے ہیں جنہیں رسوخ فی العلم یعنی جنہیں برکات نبوت نصیب ہیں، جنہیں علم لدنی نصیب ہوا۔ جن کے علوم راسخ ہیں، اللہ انہیں ان کا مفہوم سمجھا دیتا ہے۔ ہر آدمی کو نہ وہ معراج علم نصیب ہوتی ہے، نہ ہر آدمی کو وہ شعور نصیب ہوتا ہے، نہ ہر آدمی کی سمجھ میں بات آتی ہے۔

ان کے برعکس وہ لوگ جن کے دل میں ٹیڑھا پن آ جاتا ہے تو عقل بھی ٹیڑھی ہو جاتی ہے، سمجھ بھی ٹیڑھی ہو جاتی ہے، نگاہ بھی ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ خوبصورت چیزیں بدصورت نظر آنے لگتی ہیں، اچھے کام برے لگتے ہیں اور برے کام اچھے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یعنی دل کا ٹیڑھا پن یہ ہے کہ برائی کر کے خوش ہوتا ہے اور فخر کرتا ہے کہ میں نے اتنے آدمی قتل کر دیئے، میں نے اتنے ڈاکے ڈالے، لوگوں کا مال لوٹا، عزتیں لوٹیں۔ اسے فخر ہے، مجلس میں بیٹھ کر کہتا ہے میں اتنا جواں مرد ہوں، میں نے یہ کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ دل ٹیڑھا ہو گیا، اس کے ساتھ نگاہ ٹیڑھی ہو گئی، سمجھ ٹیڑھی ہو گئی، عقل ٹیڑھی ہو گئی، شعور ٹیڑھا ہو گیا۔ اسے چیزیں الٹی نظر آنا شروع ہو گئیں، برائیاں خوبصورت لگنے لگیں۔ نیکی کی بات کرو تو اس پہ بھڑک اٹھتا ہے، نیکیاں اچھی نہیں لگتیں، یہ دل کا ٹیڑھا پن ہوتا ہے۔ اللہ اتنا کریم ہے کہ بیماری کا ذکر فرماتا ہے اور اس کا علاج بھی ارشاد فرماتا ہے۔ بیماری ہے دل کا ٹیڑھا ہونا، اس کی پہچان بتائی کہ وہ محکمات پر توجہ نہیں دیتا، قرآن کے واضح احکام کی تو پرواہ نہیں کرتا اور متشابہات یعنی جو چیزیں سمجھ میں نہ آنے والی ہوں ان پہ بحث شروع کر دیتا ہے۔ یہ دل کی بیماری ہے، پھر ان کی غلط تعبیریں اور غلط تاویلیں کرتا ہے اور انہیں غلط معنی پہناتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کا دل ٹیڑھا ہے، اسے برائی بھلی لگنے لگتی ہے اور نیکی سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

دلوں کے ٹیڑھے پن کا علاج

اس کا علاج کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کو مانو، اللہ کے رسول ﷺ کو مانو، اللہ کی بارگاہ میں آؤ اور کہو: اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔ حالانکہ تو نے ہم پر بڑا کرم کیا، ہمیں ہدایت نصیب فرمائی یعنی ایمان لانے کے بعد بھی بندۂ مومن کا دل ٹیڑھا ہو سکتا ہے۔ اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ ایک بندے کے والدین نیک ہیں، اہل علم بھی ہیں، پارسا بھی ہیں۔ بندہ ان کے گھر میں پیدا ہوتا ہے، پلتا بڑھتا ہے اور وہ کسی کافرانہ عقیدے کی پیروی کرنے لگتا ہے، گمراہ ہو جاتا ہے یعنی اس کا دل ٹیڑھا ہو گیا۔ اللہ نے اسے ایک ہدایت یافتہ گھر میں پیدا کیا تھا۔ پیدا ہونے پر اس کے کان میں اذان کہی گئی، اللہ کی واحدانیت کی، رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی آواز آئی، شہادت کی آواز آئی لیکن بگڑ گیا۔ فرمایا یہ دعا کیا کرو:

> اے ہمارے پروردگار! لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔ اے اللہ جب تو نے ہم پر یہ احسان فرمایا کہ ہمیں کلمہ حق نصیب فرمایا، ہمیں نبی کریم ﷺ کا دامان رحمت نصیب فرمایا تو اب ہمارے دلوں کو ٹیڑھے پن سے بچا، تو ہی قادر ہے، تو ہی کریم ہے، تو ہی

سنبھال سکتا ہے، ہمیں ہمارے نفس کے حوالے نہ کر، عقل کے حوالے نہ کر، ہماری حفاظت فرما، ہمارے دلوں کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! تو ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ آمین!

اس کا مطلب ہے کہ آدمی سے بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں اللہ اس کے دل کو ٹیڑھا کر دیتا ہے یعنی دل کی کجی ایک عذاب الٰہی ہے، اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ لوگ نماز نہیں پڑھتے، مسجد میں نہیں آتے تو ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ایسی بات نہیں ہے کہ لوگ نماز نہیں پڑھتے، اللہ کریم ان سے خفا ہے، ان کو اپنی پیشانی اپنے دروازے پر رکھنے کی توفیق نہیں دیتا۔ یہ اپنے اپنے شعور کی بات ہے۔ تم انسان ہو لیکن جس سے ناراض ہو جاؤ اسے اپنے گھر میں آنے دیتے ہو! دھمکی دیتے ہو کہ خبردار! آئندہ میرے گھر مت آنا۔ بیٹے سے بگڑ جاؤ تو کہتے ہو میرا گھر چھوڑ دو، یہاں سے نکل جاؤ۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ ان سے ناراض ہو گیا ہے، وہ ان کو اپنے در پر پیشانی رکھنے نہیں دیتا۔ اگر سوچا جائے تو کتنی بڑی بات ہے کہ اللہ کریم کسی سے اتنے خفا ہیں کہ اسے اپنے در پہ کھڑا ہی نہیں ہونے دیتے، اسے اپنی بارگاہ میں سجدہ ہی نہیں کرنے دیتے۔

بعض اوقات ایسی گستاخانہ بات منہ سے نکل جاتی ہے جس پر اللہ کریم ناراض ہو جاتے ہیں اور دل ٹیڑھا ہو جاتا ہے، دل ٹیڑھا کر دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ ہم کوئی ایسا کام کر بیٹھتے ہیں جس سے اللہ کریم خفا ہو کر دل ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ بعض دفعہ ہم اتنا الٹ پلٹ سوچتے ہیں جو خلاف شریعت ہوتا ہے اور وہ سوچیں بھی ہماری گمراہی کا سبب بن جاتی ہیں۔ یاد رکھیں! سوچوں کا آنا اللہ کی طرف سے معاف ہے۔ شیطان کوئی خیال ڈال رہا ہے اور بندہ دفاع کر رہا ہے تو یہ جہاد ہے لیکن از خود بیٹھ کر برائی سوچنا شروع کر دے تو یہ جرم ہے اور اس کی سزا ملتی ہے۔ بعض اعمال، بعض الفاظ، بعض سوچیں ایسی ہوتی ہیں جو اللہ کریم کی ناراضگی کا سبب بنتی ہیں اور جب اللہ کریم ناراض ہوتے ہیں تو دل ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ دل کے ٹیڑھا ہونے سے سارا نظام الٹ جاتا ہے۔ آنکھیں برائی کو بھلا دیکھتی ہیں، بھلائی کو برا دیکھتی ہیں، دماغ برائی سوچ کر خوش ہوتا ہے اور بھلائی کی بات کرو تو بگڑتا ہے۔ ہاتھ پاؤں برائی کی طرف اٹھتے ہیں، نیکی کی انہیں توفیق نہیں ہوتی۔ اسی لئے فرمایا کہ یہ درخواست کیا کرو:

> ''اے اللہ! اے میرے پروردگار، اے میرے خالق، اے میرے مالک، اے مجھے تمام نعمتیں دینے والے رب! جب تو نے مجھے مومنین کے گھر میں پیدا فرما دیا، نورِ ایمان عطا کر دیا تو اب میری حفاظت فرما۔ اب اس کے بعد میرا دل ٹیڑھا نہ فرما، مجھے

توفیق عطا فرما کہ میں تیری اطاعت کروں اور تو مجھ سے راضی رہ، میرے دل کو ٹیڑھا نہ کر۔''

وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اللہ! میں کچھ بھی نہیں، اگر میں کوئی نیک عمل کرتا ہوں تو یہ تیری دی ہوئی توفیق ہے۔ میرا تو اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر میں نے کچھ نیکی سمجھ لی تو یہ تو نے سمجھا دی، اگر مجھے علم نصیب ہوا تو تیری عطا سے، اگر میں بیان کرتا ہوں تو تیرا کرم ہے۔ میرا تو اس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ میں جان بھی دے دوں تو وہ بھی میری کب ہے؟ پلے سے کیا دیا؟ کچھ بھی نہیں۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

فرمایا یہ دعا کیا کرو: وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اے اللہ! اپنی طرف سے ہم پر اپنی رحمت خاص مبذول فرما، ہم پر انعام فرماتا رہ، اپنی رحمت، اپنا کرم فرماتا رہ۔ تیرے کرم سے بات بنی ہوئی ہے وگرنہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، میری کوئی حیثیت نہیں۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ اس لئے کرم فرما کہ تو بہت بڑا اکرم فرمانے والا ہے، تیری شان کے لائق ہے۔ تو درگزر فرماتا ہے، تو معاف فرماتا ہے، تو کرم فرماتا ہے۔ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، میرا دامن خالی ہے، میرے پلے کچھ بھی نہیں ہے، تیرے ہی کرم کا آسرا ہے۔ اپنی رحمت خاصہ سے میری حفاظت فرما، مجھے دین پہ قائم رکھ، مجھے ہدایت پہ قائم رکھ، ہدایت پہ زندہ رکھ، ہدایت پہ موت نصیب فرما اور اپنے ہدایت یافتہ بندوں کے ساتھ میرا حشر فرما۔

اس لئے کہ: رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ یقیناً تو تمام لوگوں کو ایک ایسے دن اکٹھا کرنے والا ہے جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ قیامت پر پکا یقین انتہائی ضروری ہے۔ جیسے قرآن کے بارے میں آیا: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ ۔ رَيْبَ ہوتا ہے شک کا ادنیٰ سا درجہ۔ چھوٹے سے چھوٹا شک رَيْبَ ہوتا ہے۔ اگر قرآن کی حقانیت میں اتنا سا شک بھی ہے تو ایمان ضائع ہو گیا۔ اسی طرح یوم حساب یا قیامت میں اگر ذرا سا بھی شبہ ہو تو ایمان ضائع ہو گیا۔ تو فرمایا یہ دعا کرو: ''اے اللہ! اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اے اللہ! تو ہی وہ ہستی ہے جو حشر کے دن، جس کے قیام میں رائی برابر شبہ نہیں، اس دن تو ہی وہ ہستی ہے جو تمام لوگوں کو اکٹھا کرنے والی ہے اور یہ تیرا وعدہ ہے کہ قیامت قائم ہو گی۔''

یہ دنیا تو دار عمل ہے۔ ہر کوئی عمل کر رہا ہے لیکن جو نعمتیں آسمان سے برس رہی ہیں، جو زمین سے اگ رہی ہیں، جو فضاؤں میں پھیلی ہیں، ان سے سب استفادہ کر رہے ہیں۔ سورج کی روشنی سے، ہوا کے چلنے سے، زمین کی نباتات سے، جانوروں سے کافر مومن گنہگار نیک سارے موج کر رہے ہیں تو پھر نیکی اور برائی کا بدلہ

کیا ہے؟ کیا بدکار بھی عیش کرتے رہیں، مومن بھی عیش کرتے رہیں؟ ایک نیک آدمی کا بھی وہی حال ہو اور ایک برے آدمی کا بھی وہی حال ہو؟ فرمایا: نہیں یہ عارضی سا وقت ہے۔ دار الابتلاء ہے، امتحان گاہ ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب یہ سارا نظام تہس نہس کر دیا جائے گا۔ کچھ باقی نہیں رہے گا۔ پھر ایک چٹیل میدان میں ساری مخلوق جمع ہوگی۔ وہاں محاسبہ ہوگا کہ کس نے کیا کیا اور اس کے مطابق درجہ بندی کی جائے گی۔ اس کے مطابق نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۝ اس لئے کہ وعدہ خلافی کرنا تیری شان کے خلاف ہے۔ تو نے وعدہ کیا ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔ نیکی کا نیک اجر ہوگا، برائی کا برا اجر ہوگا۔ لہٰذا اے میرے پروردگار! میں کمزور ہوں، میرا علم ناقص ہے، میری رائے کمزور ہے، میں چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہک جاتا ہوں، پھسل جاتا ہوں، لالچ میں پڑ جاتا ہوں۔ تو مجھے ان ساری مصیبتوں سے بچا، اپنی رحمت خاصہ سے نواز اور میرے دل کو ٹیڑھا ہونے سے بچا، میرا دل ٹیڑھا نہ فرما۔ اللہ کریم ہم سب پہ رحم فرمائے، ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور ٹوٹی پھوٹی عبادتیں قبول فرمائے۔ ایمان پہ زندہ رکھے، ایمان پہ موت دے اور ایمان داروں کے ساتھ حشر فرمائے۔ آمین!

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ⑪

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا، ہرگز نہ ان کے مال اور نہ ان کی اولاد، اللہ کے سامنے کچھ بھی ان کے کام آئیں گے، اور وہی دوزخ کا ایندھن ہیں۔ جیسے فرعون والوں کا معاملہ ہوا اور وہ جو ان سے پہلے تھے، انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا، اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ط جو لوگ کفر کرتے ہیں، اللہ کی بارگاہ میں ان کے مالدار ہونے، صاحب اولاد ہونے یا دنیا میں بڑے وسائل کا مالک ہونے کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں ایمان کی اہمیت ہوگی اور ایمان صرف اقرار کا نام نہیں ہے۔ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ ایسا یقین دل میں اتر جائے جو اعمال کو اس یقین کے مطابق ڈھال دے۔ ایمان سے مراد یہ ہے کہ عملی زندگی اس ایمان کی تعبیر بن جائے۔ کفر کیا ہے؟ اللہ کریم پر ایمان نہ لانا اور جب کوئی اللہ کو نہیں مانتا تو پھر وہ اپنی مرضی کرتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے کسی بت کو سجدہ کرے یا کسی کو بھی نہ کرے، یہ اس کی مرضی۔ اپنی امیدیں کسی کے ساتھ وابستہ کرے، یہ اس کی مرضی۔ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے، یہ اس کی مرضی۔ جس طرح قارون سے کہا گیا کہ تیرے پاس جو مال ہے، یہ اللہ کا دیا ہوا ہے، تجھ پر بھی زکوٰۃ فرض ہے اور تجھے چاہیے کہ جو حصہ اللہ نے مقرر کیا ہے، وہ غرباء میں بانٹ دے۔ اس نے کہا: اس میں اللہ کا کیا ہے، یہ تو میری اپنی دانش مندی ہے، میں نے اپنی عقل سے کمایا ہے، کاروبار سے کمایا ہے، اس میں اللہ کا کیا دخل ہے؟ اللہ بے نیاز ہے، اس نے سارے مال و دولت سمیت اسے غرق کر دیا۔

اللہ بے نیاز ہے، اس کی بارگاہ میں مال و دولت کی حیثیت اسباب دنیا کی ہے۔ حلال اور جائز طریقے سے اللہ نصیب کرے تو ضرور حاصل کرو، ان سے فائدہ اٹھاؤ، انہیں استعمال کرو لیکن شرعی حدود کے اندر اور عظمت الٰہی دھیان میں رہے۔ اگر افلاس آ جائے، تنگ دستی آ جائے تو بھی مرضی باری پہ شاکر رہنا چاہیے۔ فراخی کے لئے دعا کریں۔ بندہ دعا کرے کہ اے اللہ! میں کمزور ہوں، میں اتنی سختی برداشت نہیں کر سکتا، مجھ پر آسانیاں فرما۔ اللہ ہی سے رجوع کرے۔ فراخی ہو یا تنگی، اس کا ایمان اللہ پر ہو اور اللہ ہی سے رجوع کرے ورگرنہ مال و دولت یا اولاد اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ اس سارے مال و دولت، طاقت، قوت اور اختیار و اقتدار کے باوجود کافر دوزخ کی آگ کا ایندھن ہیں۔ اس سے نہیں بچ سکتے۔ میدان حشر میں وہ رشوت دے کر نہیں چھوٹ سکے گا۔ اس کی فوج وہاں اس کے ساتھ نہیں ہوگی۔ کوئی بارگاہِ الوہیت میں اس کی طرف سے کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ کفر ایک ایسی مصیبت ہے جو بہر حال بندے کو دوزخ میں لے جائے گی اور اسے دوزخ کا ایندھن بننا پڑے گا۔

تاریخ سے عبرت حاصل کرو

مثال کے طور پر ارشاد فرمایا: كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ ۔آپ کے پاس تاریخ میں بے شمار قصے موجود ہیں، آل فرعون کا قصہ ہی دیکھ لو۔ کتنی بڑی طاقت تھی! فراعنہ نے مصر پر اپنی خدائی کے دعوے کے ساتھ صدیوں حکومت کی۔ ہر آنے والا فرعون سجدے کرواتا رہا۔ اس قدر طاقت تھی، اس قدر وسائل تھے کہ بنی اسرائیل کو صدیوں بیگار پہ لگائے رکھا۔ ان کی کئی نسلیں گزر گئیں لیکن انہیں انسانی حقوق نہیں دیئے۔ جانوروں کی طرح ان سے بیگار لیتے اور زندہ رہنے کے لئے کچھ کھانے کو دے دیتے کہ سانس کا رشتہ باقی رہے۔ تاکہ مشقت کرتے رہیں۔ بڑے بڑے شہر بنوائے، محلات بنوائے، باغات بنوائے، عجیب وغریب تعمیرات کرائیں۔ اہرام مصر آج بھی جو دنیا کے سات عجائبات میں سے ہیں۔ بڑے بڑے بت ترشوائے۔

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ ۔فرعون سے پہلے بھی جو لوگ بہت بڑی سلطنتوں کے مالک رہے، بہت بڑی بادشاہتوں کے مالک رہے، فرعون سے پہلے بھی بعض نے خدائی کے دعوے کئے۔ طاقت کے نشے میں آکر اپنے آپ کو سجدے کرواتے رہے۔ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اقتدار اور مال ودولت کے نشے میں انہوں نے اللہ کی بات نہیں مانی، میری باتوں کو جھٹلایا، تکذیب کی۔

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ ۔اللہ کریم نے ان کے جرائم میں ان کو پکڑ لیا۔ پھر کسی کی طاقت، کسی کی سلطنت، کسی کی حکومت کام نہ آئی۔ کون تھا جو اپنی قوت سے عذاب الٰہی کو دور کرتا؟ کون تھا جو اللہ کے عذاب سے جان بچا سکا؟ کوئی بھی نہیں۔ بعض قومیں زمین میں دھنسا دی گئیں اور ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ بعض پر آسمانوں سے آگ برسی، بعض پر تیز ہوائیں چلیں اور انہیں اڑا کر رکھ دیا۔ ہوا جو زندگی کا سبب تھی، ان کی موت کا سبب بن گئی۔ پانی زندگی کے وسائل میں سے ہے، وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی ہے لیکن نوح علیہ السلام کی قوم کے لئے پانی موت کا سبب بن گیا۔ جو چیزیں زندگی دینے والی تھیں، وہ تباہ کرنے والی بن گئیں۔ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ اللہ کی سزائیں بہت سخت ہیں۔ اپنے سے پہلے طاقتور اور مغرور لوگوں کو دیکھئے، جنہوں نے کفر کیا۔ ان کا حشر دنیا میں کیا ہوا اور آخرت میں کیا ہوگا۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات پہ یقین کیجئے کہ آخرت میں ایسے لوگ اللہ کے شدید عذاب کے سامنے ہوں گے۔

تقسیم وسائل

وسائل کی فراوانی اللہ کے قرب کی دلیل نہیں

دنیا میں ایک عمومی معیار چلا آ رہا ہے کہ کسی بھی فرد کی اہمیت یا اس کی عزت و عظمت کا اندازہ اس کے مال و دولت' اسباب و وسائل اور اقتدار و اختیار سے لگایا جاتا ہے اور اکثر اس سطحی رائے کا اظہار کر دیا جاتا ہے کہ اس پر اللہ کا بہت کرم ہے' اس پر اللہ کی بہت مہربانی ہے۔ قرآن کریم نے اس کی تردید فرمائی ہے کہ مال و دولت کا ہونا' دنیوی اختیارات کا ہونا' یہ اللہ کی پسندیدگی کی دلیل نہیں ہے۔ یہ ایک نظام کائنات ہے جو رب العلمین نے بنایا ہے اور ہر شخص اپنی آزمائش میں ہے۔ کسی کو وافر رزق دے دیا گیا' اس کا امتحان اس میں ہے۔ کسی پر غربت و افلاس مسلط کر دیا' اس کی آزمائش اس میں ہے کہ اس غربت و افلاس میں بھی میری ذات سے وابستہ رہتا ہے یا روٹی کے چند ٹکڑوں کے عوض یا چند سکوں کے عوض مجھے چھوڑ کر دوسروں کے در پہ چلا جاتا ہے۔ کسی کو اقتدار و اختیار دے دیا' اس میں بھی اس کی آزمائش ہے کہ خود اپنی من مانی کرتا ہے یا اقتدار ہونے کے باوجود میری اطاعت کرتا ہے اور اس اقتدار کو میری امانت سمجھتا ہے۔ کسی کو بے بسی دے دی' کسی کو مجبوری دے دی کہ اس مجبوری و بے بسی میں میری ذات پہ اعتماد کرتا ہے یا میری ذات کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف لپکتا ہے۔ اس کارگاہِ حیات میں اللہ کریم نے مختلف امتحانات بنا دیئے ہیں۔

فراوانی رزق اور تنگی دونوں میں آزمائش ہے

کسی کی آزمائش اس طرح سے ہے کہ اسے بے شمار نعمتیں دے دیں' اقتدار و اختیار دے دیا۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ○ وہ سمجھتا ہے کہ میں اللہ کا بڑا مقبول ہوں' مجھ پر اللہ کا بڑا احسان ہے لیکن یہ ساری آزمائش ہے کہ اس طاقت یا اس اختیار یا دولت کو وہ کس طرح صرف کرتا ہے اور عظمت الٰہی کو دھیان میں رکھتا ہے یا نہیں رکھتا۔ کسی کی آزمائش یہ ہوتی ہے کہ اس پر رزق کی تنگی بھیج دی جاتی ہے۔ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ۔ اس افلاس میں' اس تنگی میں وہ اللہ پر اعتماد کرتا ہے یا اس سے گھبرا کر غیر اللہ کی طرف لپکتا ہے اور اللہ کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے۔

منفی طرز عمل

یہ جو رواج ہو گیا ہے کہ اپنے سے اوپر امراء کو دیکھتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ جائز ناجائز حیلے سے ان کی

طرح کا امیر کبیر بن جائیں' یہ درست نہیں ہے۔ حضرت مولوی سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑی مزے کی باتیں کرتے ہیں' اللہ ان پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں فرمائے۔ فرماتے ہیں میرے پاس جوتے نہیں تھے۔ مسجد سے باہر نکلا تو لوگ اپنے اپنے جوتے پہن رہے تھے۔ دل میں ایک حسرت پیدا ہوئی کہ بارِ الٰہی! میں ہی ایسا ہوں جو ننگے پاؤں باہر جاؤں گا۔ فرماتے ہیں مسجد سے نکلا تو آگے ایک آدمی آ رہا تھا جس کا ایک پاؤں ہی نہیں تھا۔ کان پکڑ لئے کہ بارِ اللہ! تیرا شکر ہے تو نے دو پاؤں تو دیے۔ یہ بھی تو تیری مخلوق ہے جس کا ایک پاؤں ہی نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے ایک ارشاد عالی کا مفہوم ہے کہ اپنے سے نیچے دیکھا کرو کہ اللہ کا شکر ادا کر سکو۔ اپنے سے اوپر نہ دیکھا کرو۔ نیچے دیکھا کرو کہ تم جہاں بھی ہو' تم سے نیچے بھی تو اللہ کی مخلوق بسر کر رہی ہے۔ اگر جائز اور حلال وسائل سے دولت کمانا منع ہوتی' دولت رکھنا منع ہوتی تو اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی۔ دولت مند ہوں گے تو زکوٰۃ دیں گے لیکن جائز وسائل سے حاصل کرے اور حاصل کرنے کے بعد یہ یقین ہو کہ یہ میری نہیں ہے۔ اللہ کریم کا مال ہے جو میرے پاس امانت ہے۔ مالک کا مال ہے جہاں اس نے خرچ کرنے کی اجازت دی ہے' وہاں خرچ کرے' جہاں روک دے وہاں رک جائے۔

ایمان کس طرزعمل کا متقاضی ہے

ایمان یہ ہے کہ کائنات اللہ کی ہے۔ مجھے اس نے پیدا کیا ہے اور اس کائنات میں یہ ساری چیزیں میرے لئے سجا دی ہیں۔ کسی دعوت میں جاتے ہیں تو میزبان انواع واقسام کے کھانے چن دیتا ہے۔ میز بھرے ہوئے ہیں لیکن اس میں یہ اجازت تو نہیں کہ آپ ایک بھری ہوئی پلیٹ کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا دیں' گلاس کو گرا دیں' کوئی کھا رہا ہے تو اس سے چھین لیں۔ یہ سب آپ ہی کے لئے ہے لیکن دعوت کے آداب ہیں۔ جن کو اس نے مدعو کیا ہے' یہ سب کھانے انہیں لوگوں کے لئے ہیں' وہ بچا کر واپس نہیں لے جانا چاہتا۔ ایک آدمی اپنی پلیٹ میں ڈال کر کھا رہا ہے تو آپ جہاں کھانا کھا رہے ہیں اپنی پلیٹ میں وہاں سے ڈالیں۔ کسی اور کا چھینیں گے تو ساری محفل بدمزہ ہو جائے گی۔ اس طرح آپ وہاں گلاس توڑنا شروع کر دیں یا چمچے اٹھا کر جیبوں میں ڈالنا شروع کر دیں' پیالیاں چرانے لگ جائیں گے تو دعوت تو نہ رہی۔ دنیا کا نظام بھی ایسا ہے۔

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ کائنات کی ساری نعمتیں صرف تمہارے لئے ہیں لیکن جس نے نعمتیں دی ہیں اس کی عظمت کا بھی خیال رہے' اپنی ضرورتوں کا بھی خیال رہے اور اس کی اس مخلوق کا بھی خیال رہے جو تمہارے ساتھ اس کے دسترخوان پر موجود ہے۔ آپ اگر پاکستان کے ضائع ہونے والے کھانے کا حساب کریں تو اگر ایک حصہ کھایا جاتا ہے تو کم از کم نو حصے ضائع ہوتا ہے۔ کسی دعوت میں دیکھ لیں' کہیں چار مہمان

آ جائیں تو ہماری قوم اپنی ضرورتیں پوری نہیں کرتی۔ میزبان کو بھی شوق ہے کہ لوگ مجھے بہت بڑا سمجھیں۔ وہ قرض لے گا، ادھار لے گا۔ تجھے بڑا بننے کی کیا ضرورت ہے؟ تو وہی کچھ ہے جو کچھ تجھے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ تیرے پاس جو وسائل ہیں، ان میں رہ کر تو وہ خدمت کر سکتا ہے۔

امیر آدمی کسی کو بہت ہی اعلیٰ اور قیمتی افطاری دیتا ہے تو ضرور ثواب پائے گا لیکن فقیر کسی کو آدھی کھجور بھی دے دے تو اس کا ثواب زیادہ ہے کہ اس کے پاس تو ایک ہی کھجور تھی۔ گویا امیر اپنی ساری دولت کسی کو نصف کر کے دے دے تب اس کو وہ ثواب ملے گا۔ اس کی ساری دولت تو ایک کھجور تھی، اس نے آدھی کھجور دی تو گویا اس نے اپنا آدھا سرمایہ دے دیا۔ امیر کروڑ پتی ہے، اس نے ایک لاکھ بھی خرچ کر دیا تو اس نے آدھا سرمایہ تو خرچ نہیں کیا۔ اللہ کے نزدیک تو کردار کی قیمت ہے، اجناس کی نہیں۔ اجناس تو اس نے پیدا کر کے خود بکھیر دیں۔ وہ مالک ہے، مٹی کو سونا بنا دے، قادر ہے۔ ہر ذرے کو غلہ بنا دے، قادر ہے۔ ہر ذرے کو پھلی بنا دے، قادر ہے۔ اس کی بارگاہ میں، اس کے خزانوں میں کوئی کمی تو نہیں۔

اللہ کی نعمتوں کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ جو اپنے آپ کو مفلس کہتا ہے اس کے پاس بھی تو بے پناہ نعمتیں ہیں۔ اس کے وجود کے ایک ایک حصے میں کروڑوں خصوصیات ہیں۔ اس کی جلد سے لے کر ہڈی تک ایسی خصوصیات ہیں جنہیں سائنس ابھی تک دریافت نہیں کر پائی۔ اس کے وجود میں حس موجود ہے، سماعت موجود ہے، نظر موجود ہے۔ کتنی خصوصیات دماغ میں ہیں۔ ایک دماغ ہی کی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ایک چھوٹے سے اس تھیلے میں اللہ نے کیا کچھ بند کر دیا ہے؟ کتنی سوچیں، کتنی فکریں، کتنے کام، کتنے طریقے، کتنے سلیقے، کتنی زبانیں، کتنی باتیں! کیا یہ ساری نعمتیں اس کے پاس موجود نہیں؟

اسباب دنیا کی اس کی اپنی تقسیم ہے، جو آزمائش و ابتلاء ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ جہاں کوئی ہے، جس حال میں ہے، وہ اللہ سے وابستہ ہے یا اللہ کو بھول چکا ہے۔ ایمان پورے اعمال اور پوری زندگی کو محیط ہے۔ اس لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ روزانہ استغفار کرتے رہا کرو۔ جو کچھ اللہ نے عطا کیا ہے، ہزار کوشش کے باوجود ہم شکر ادا نہیں کر سکتے، کوتاہی رہ جاتی ہے۔ انسان کو ہمیشہ بخشش کے لئے اللہ سے آرزو کرتے رہنا چاہیے۔

یہ ضروری نہیں کہ مسلمان کے کپڑے ہمیشہ پھٹے ہوئے ہوں یا مسلمان ہمیشہ خراب حال میں رہیں۔ کافر تو عیش کریں اور مسلمان ہمیشہ افلاس کا شکار رہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ علوم جدیدہ حاصل کریں۔ اچھی ملازمتیں کریں۔ اچھے سائنٹسٹ بنیں۔ اچھے ڈاکٹر بنیں۔ زیادہ دولت کمائیں تا کہ اللہ کی مخلوق کو زیادہ

فائدہ پہنچا سکیں‘ غریب لوگ ان سے مستفید ہو سکیں۔ جو چیزیں اللہ نے مسخر کرنے کے لئے بنائیں ہیں‘ ان کی تسخیر کریں۔ تسخیر عالم میں مسلمانوں کو کافروں سے آگے ہونا چاہیے۔

جدید ٹیکنالوجی میں مسلمان آج بھی سب سے آگے ہیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام تحقیق اور ایجادات میں آج بھی مسلمان کافروں سے آگے ہیں‘ یہ الگ بات ہے کہ مسلمان ریاستوں میں انہیں کوئی مقام نہیں دیتا اور کافر ریاستیں انہیں لے جاتی ہیں‘ انہیں اچھی تنخواہیں دیتی ہیں اور ان سے فائدہ حاصل کرتی ہیں۔ جب بغداد پہ بمباری ہوئی تو میری ملاقات ایسے لوگوں سے بھی ہوئی جو امریکہ میں رہتے ہیں اور ٹیکنیکل لوگ ہیں۔ وہ افسوس کر رہے تھے کہ یہ ساری ٹیکنالوجی ہم جانتے تھے‘ ان جہازوں میں یہ سارے وسائل اور اسباب ہم ہی نے لگائے تھے جنہوں نے ہمارے ملک اور ہمارے بھائیوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کافر آج بھی جدید ٹیکنالوجی میں پیچھے ہے لیکن مسلمان مسلمان نہیں رہا۔

پاکستان کے سائنس دان‘ اساتذہ‘ ڈاکٹرز‘ انجینئرز جو دنیا کے کافر ملکوں میں امریکہ‘ برطانیہ‘ یورپ‘ جاپان یا فار ایسٹ کے ملکوں میں کام کر رہے ہیں‘ اگر صرف ان کو پاکستان میں بلا لیا جائے تو پاکستان ماڈرن ٹیکنالوجی میں دنیا کا سب سے اعلیٰ اور صف اول کا ملک بن سکتا ہے کہ کوئی دوسرا ملک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

یہ ملک ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے۔ پاکستان کی سرزمین کو اللہ نے اتنے خزانوں کا امین بنایا ہے کہ میرے ذاتی تجزیے کے مطابق پوری دنیا میں جو انسانی زندگی کے وسائل ہیں ان کا اسی فیصد پاکستان اور اسلامی ریاستوں میں ہے۔ مغرب کے تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ ساٹھ فیصد ہے۔ پوری دنیا کے وسائل کا ساٹھ فیصد کیا کم ہوتا ہے؟ ہمارے پاس جو یہ خطہ زمین ہے‘ اس چھوٹے سے ٹکڑے میں صحرا سے لے کر دنیا کی بلند ترین پہاڑی چوٹیاں موجود ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ یہاں سارا سال‘ ہر موسم رہتا ہے۔ شدید موسم بھی ہیں‘ معتدل بھی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر قسم کی کھیتی‘ پھل اور نباتات ہیں۔ ہر قسم کا جانور پایا جاتا ہے۔ جہاں دنیا کے سارے موسم ہوں‘ وہاں زیرزمین ہر دھات ہو سکتی ہے۔ ہندوستان جس کی آبادی اب سو کروڑ سے زائد ہو رہی ہے‘ اس کے پاس صرف تھوڑا سا مشرقی پنجاب ہے اور وہ سو کروڑ آبادی کی اجناس پوری کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس سارا پنجاب ہے اور ہم سوچتے ہیں کہ ان سے گندم منگوا لیں‘ چینی منگوا لیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں کی قدر نہیں کر سکے‘ ان کے تصرف میں جائز و ناجائز کی حدود پامال کر رہے ہیں اور وسائل کی فراوانی پر ہماری پیشانیاں سجدۂ شکر سے محروم ہیں۔ ہمارے معاشی مسائل کا علاج وہ سوچ‘ فکر اور وہ طرز عمل ہے‘ ایمان جس کا متقاضی ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾
قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ
يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ
الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

جن لوگوں نے کفر کیا انہیں کہہ دیں تم عنقریب مغلوب ہو گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے، اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ البتہ تمہارے لئے ان دو گروہوں میں نشانی ہے جو باہم مقابل ہوئے، ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا تھا، اور دوسرا کافر تھا، وہ انہیں کھلی آنکھوں سے اپنے سے دوچند دکھائی دیتے تھے، اور اللہ اپنی مدد سے جس کی چاہتا ہے تائید کرتا ہے، بیشک اس میں دیکھنے والوں (عقل مندوں) کیلئے عبرت ہے۔ اور لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت خوشنما کر دی گئی مثلاً عورتیں اور بیٹے، اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیر، اور نشان زدہ گھوڑے اور مویشی اور کھیتی۔ یہ دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے، اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

حقیقی انقلاب

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ اے میرے حبیب ﷺ کافروں کو اعلان کر کے

کہہ دیجئے کہ تم مغلوب ہو جاؤ گے اور تمہیں جہنم میں جانا پڑے گا۔ وَبِئْسَ الْمِهَادُ○ اور بہت بری جگہ ہے۔

لفظ انقلاب صادق ہی آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر آتا ہے۔ ہر نبی انقلاب لایا لیکن وہ محدود وقت، محدود قوموں کے لئے تھا۔ آقائے نامدار ﷺ جو انقلاب لائے، یہ ایسا بے مثال انقلاب ہے کہ ایک وقت میں پوری انسانیت کے لئے اور سارے زمانوں کے لئے ہے۔ اس کی بنیاد غزوۂ بدر ہے۔ غزوۂ بدر میں بظاہر وسائل واسباب میں کوئی نسبت نہ تھی لیکن اسلام کو فتح ہوئی۔ یہودیوں کے پاس بڑے بڑے قلعے تھے۔ تربیت یافتہ لوگ تھے، دولت بھی تھی اور اسلحہ بھی وافر تھا۔ یہودیوں نے کہا کہ مسلمانوں کو کسی تجربہ کار فوج سے سابقہ نہیں پڑا، کسی مردِ میدان سے مقابلہ نہیں ہوا۔ مکے والے تو ویسے ہی شور شرابا کرتے ہوئے شوخی میں آ گئے اور مار کھا کے چلے گئے۔ اگر کبھی ہمارے ساتھ مقابلہ ہوا تو پتہ چلے گا۔ بات یہودیوں کی تھی، طنز تو انہوں نے نبی کریم ﷺ پر کی لیکن جواب اللہ کریم نے دیا۔

میرے حبیب ﷺ! ان کافروں سے فرما دیجئے سَتُغْلَبُوْنَ عنقریب تمہیں شکست فاش ہو گی۔ تمہیں یہ انتباہ کیا جاتا ہے کہ اپنی طاقت جمع کر لو، وقت سے پہلے وارننگ دی جاتی ہے کہ تیاری کر لو۔ اپنے جنگجو تیار کر لو۔ اپنا اسلحہ، اپنی تلواریں تیز کر لو، اپنے وسائل جمع کر لو، اپنے قلعے مضبوط کر لو۔ تمہیں وقت سے پہلے اطلاع دی جا رہی ہے کہ تمہیں شکست فاش ہو گی۔ اللہ کی شان! مدینہ کے جن یہودیوں نے یہ بات کی تھی ایک تو ان کی اپنی طاقت تھی، پھر خیبر یہود کی ایک بہت بڑی طاقت تھی۔ اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ جب اسلام کا غلبہ ہوا، مدینہ کے انہی یہودیوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے قلعے اور اپنے گھر گرائے۔ مغلوب ہوئے تو پناہ چاہی اور عرض کی کہ ہمیں یہاں سے نکلنے کی اجازت دی جائے۔ ایک قبیلہ کو معافی نہیں دی گئی تو اسے قتل کیا گیا اور دوسرے قبیلے کو جانے کی اجازت دی گئی۔ انہوں نے عرض کی کہ جو اسباب، مال و دولت لے جا سکیں وہ بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور ﷺ نے اجازت دی تو بڑے بڑے مضبوط گھروں کو گرا کر ان کے دروازے کھڑکیاں نکال رہے تھے کہ اونٹوں پر لاد کر لے جائیں۔ اللہ کی سزائیں عجیب ہیں۔ جن گھروں کی مضبوطی پہ فخر کر رہے تھے ان کو اپنے ہاتھوں سے گرا رہے تھے۔ بھاگ کر خیبر پہنچے تو خیبر کی باری بھی آ گئی۔ خیبر میں بھی انہیں شکست فاش ہوئی اور جو طعنے دے رہے تھے، ان کا سرزمین مقدس پر داخلہ قیامت تک کے لئے بند کر دیا گیا۔ اس آیت کی وجۂ نزول یہود مدینہ کا عبرت ناک انجام بیان کیا جاتا ہے لیکن آیت کے نزول کا سبب کچھ بھی ہو، قرآن قیامت تک کے لئے ہے۔

کفار کے لئے دائمی اعلان شکست اور غزوۃ الہند

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ کافروں سے کہہ دیجئے عنقریب تمہیں شکست ہوگی اور تم جہنم میں جاؤ گے۔ اس آیت کے نزول کے بعد یہود مدینہ مغلوب ہوئے' خیبر والے مغلوب ہوئے اور تب سے لے کر اب تک مغلوب ہیں۔ خواہ وہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دور ہو یا اُن مسلمان حکمرانوں کا جنہوں نے جہاد کا حق ادا کر دیا۔ وہ صلاح الدین ایوبی ہوں یا محمود غزنوی ہوں جنہوں نے جہاد کے حق ادا کیے۔ وہ آج کے مجاہد ہوں یا زمانۂ قدیم کے' جہاں بھی کوئی اللہ پر یقین کر کے اللہ کے راستے' اللہ کی اطاعت اور اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا' وہاں اس نے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو شکست دی۔ کفار کے لئے یہ آیہ کریمہ قیامت تک کے لئے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں' پورے یقین' پورے ایمان سے منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور انشاء اللہ پھر غلبہ اسلام ہو گا۔ غزوۃ الہند دن بدن قریب آ رہا ہے' لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہا ہے۔ پھر میدان سجے گا' پھر اللہ کے بندے ہوں گے۔ ان کے مقابل پھر کفر صف آراء ہو گا' پھر خون بہے گا' سر قلم ہوں گے اور انشاء اللہ العزیز! کافر شکست کھا کر جہنم رسید ہوں گے اور مومن کلمہ حق کو پھر بلند کریں گے۔

فرمایا: کہہ دیجئے کافروں سے **سَتُغْلَبُوْنَ**۔ گھبراؤ نہیں' بہت جلدی وقت آ رہا ہے۔ یہ جلدی بندے کی عمر کے لحاظ سے نہیں' دنیا کی عمر کے لحاظ سے ہے۔ دنیا کی عمر خدا جانے کتنی ہے اور اس میں لفظ جلدی کتنے عرصے کو محیط ہے لیکن اب قرائن یہ بتا رہے ہیں' حالات یہ بتا رہے ہیں کہ دنیا کا کفر بھی ایک جگہ جمع ہوتا جا رہا ہے۔ کافر کافروں سے سرگوشیاں کر رہے ہیں اور ایک اجتماع بنتا جا رہا ہے۔ مسلمان مار کھا رہے ہیں' شہید ہو رہے ہیں' زخمی ہو رہے ہیں' ان کے گھر اجڑ رہے ہیں لیکن آہستہ آہستہ انہیں بھی احساس ہوتا جا رہا ہے کہ ہمیں اللہ کے کلمہ پر متحد ہونا ہے۔ اب کافر کے پاس اتنا ہی وقت ہے جتنی دیر مسلمان کلمہ حق پر متحد ہونے میں لگائے گا۔ کافر کے پاس مہلت نہیں' یہ تاخیر میری اور آپ کی طرف سے ہے' مسلمان حکمرانوں اور مسلمان عوام کی طرف سے ہے۔ یہ مہلت' یہ چھٹی کافروں کو ہم اپنی سستی سے دے رہے ہیں ورنہ آج بھی مسلم ریاستیں الحاق کر لیں اور ایک حکمران بنا لیں تو دنیا کی کون سی ریاست ہے جو مقابلہ کرے گی!

سَتُغْلَبُوْنَ۔ وقت آ رہا ہے عنقریب تمہیں شکست فاش ہوگی۔ **وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ**۔ تمہیں کھینچ کر' ہانک کر' ریوڑ کی طرح جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ **وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○** کافرو یاد رکھو! بہت بری جگہ ہے۔ جہنم مذاق نہیں ہے' بہت سخت جگہ ہے۔

اسلام اور ایمان کتنی بڑی ذمہ داری کا نام ہے! اللہ کریم مسلمانوں کو یہ شعور عطا کرے، ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور توفیق عمل عطا فرمائے۔ ایک دعا کیا کرو، میں تو روز کرتا ہوں کہ اللہ کرے یہ مقابلہ ہمیں دیکھنا نصیب ہو اور ہم بھی اس میں شامل ہوں۔ مقابلہ تو ضرور ہوگا، اس میں شبہے کی گنجائش نہیں ہے لیکن کسی نے قبر پر آ کر بتایا تو مزا نہیں آئے گا۔

یوں تو اللہ کریم کا خبر دینا اور رسول اللہ ﷺ کا فرما دینا سب سے بڑی دلیل ہے، سب سے بڑی سچائی ہے کہ کفار کے لئے دائمی شکست ہے لیکن قرآن چونکہ ساری انسانیت کو خطاب فرماتا ہے لہٰذا نقلی دلائل کو بھی ساتھ رکھتا ہے اور عقلی دلائل کو بھی ساتھ رکھتا ہے۔ حق و باطل کے مقابلے کی بات چل رہی تھی تو یہاں کفر کے انجام بد کی ایک ایسی دلیل ارشاد فرمائی جو سب کے سامنے اور تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ جلی حروف میں محفوظ ہے۔ فرمایا:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ تمہارے لئے ان دو جماعتوں، دو پارٹیوں اور دو نظریوں کا مقابلہ بہت بڑی دلیل ہے۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ ایک جماعت، ایک پارٹی اللہ کی راہ میں لڑتی ہے۔ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ اور دوسری کافر ہے جو حق کا راستہ روکنے کے لئے میدان میں اتری ہے۔

غزوۂ بدر

یہ غزوۂ بدر کی مثال فرمائی جس میں حضور نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ سے بدر تک تشریف لے گئے اور تین سو تیرہ جانثار آپ ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ دوسری طرف مکہ سے ایک ہزار سے زائد کا لشکر جرار آیا۔ جہاں ان کی تعداد بہت زیادہ تھی وہاں ان کے پاس اسلحہ اور راشن بھی وافر تھا۔ سارے لوگ تجربہ کار، جنگجو اور ان میں بڑے مانے ہوئے جرنیل بھی تھے۔ ایک طرف اسلحہ نہ ہونے کے برابر، راشن نہ ہونے کے برابر، کچھ بوڑھے، کچھ بچے اور لباس میں بعض لوگوں کے پاس صرف ایک چادر، بعض کے پاس دو ان سلی چادریں تھیں۔ فرمایا: حق و باطل کے مقابلے میں باطل کی ناکامی کی بہت بڑی دلیل تم لوگوں کی نظروں کے سامنے ہوئی۔ قرآن نازل ہو رہا تھا اور اس وقت وہ لوگ موجود تھے جن کی آنکھوں کے سامنے یہ واقعہ ہوا کہ ایک مختصر سی جماعت اللہ کی تائید و نصرت اور اس کی حمایت پہ بھروسہ کر کے غلبہ حق کے لئے میدان میں اتری اور دوسری جماعت کفر پہ قائم رہنے اور کفر کا اقتدار قائم رکھنے کے لئے میدان میں اتری۔

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ اور وہ کھلی آنکھوں سے ان کو اپنے سے دو چند دیکھ رہے تھے۔ دونوں گروہ ایک دوسرے کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔ یعنی کافر جو تین گنا تھے، مسلمانوں کو کم نظر آ رہے تھے اور

مسلمان جو تعداد میں کم تھے، زیادہ نظر آ رہے تھے۔ سورۂ انفال میں ہے ی وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ اس سے مراد جنگ کی شروع کی کیفیت ہے کہ مسلمان کافروں کو بہت تھوڑے لگے اور وہ جنگ میں کود پڑے۔ جنگ چھڑ گئی تو نظر آیا کہ یہ ہم سے دوگنا ہیں جس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔

اسباب ظاہری ہر لحاظ سے کفار کے حق میں تھے، افرادی قوت بھی ان کے پاس زیادہ تھی، اسباب و وسائل بھی ان کے پاس زیادہ تھے۔ دوسری طرف اگرچہ افرادی قوت کم تھی، اسباب و وسائل ظاہری کم تھے لیکن حق کے ساتھ آدمی کا یقین، اس کا ایمان اور حق پر اس کی استقامت اصل طاقت ہوتی ہے۔ اللہ ان کے ساتھ تھا، وہ اللہ کی جماعت تھی اور وہ اللہ کی رضا کے لئے نکلی تھی۔ کھلی آنکھوں تم نے دیکھا وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی مدد سے نوازتا ہے اور اسے فتح نصیب ہوتی ہے۔ تمام اسباب، تمام وسائل اور تمام تر مادی قوتوں کے باوجود مشرکین مکہ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کے چوٹی کے ستر آدمی کھیت رہے اور ستر ہی بڑے چوٹی کے نامور آدمی مسلمانوں کے قیدی بنے۔

غزوۂ بدر اللہ کی نصرت کا بیّن ثبوت ہے

واقعہ بدر سے بنیادی نتیجہ تو یہ نکلا کہ دنیا پر غلبہ حق کی ابتدا ہوئی۔ احقاق حق کے لئے تبلیغ ہو رہی تھی، ہجرتیں فرمائی گئیں، مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ سب ہو رہا تھا لیکن یہ بھی ضروری تھا کہ میدانِ کارزار میں باطل کے خلاف حق کو فاتح ظاہر کیا جائے اور یہ بات سامنے آئے کہ اللہ کریم حق کے ساتھ ہے، اللہ حق کی مدد فرماتا ہے۔ غزوۂ بدر میں اللہ کریم نے یہ بنیادی بات واضح کر دی کہ مسلمانوں کے پاس دنیوی اسباب نہ ہونے کے برابر تھے لیکن ان کے ساتھ رحمت للعالمین ﷺ تھے اور ان کے ساتھ ان کا اللہ تھا، اس لئے کہ وہ حق پر تھے۔

اللہ کریم افراد کا نہیں، حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو حق کے ساتھ شامل کر لیتا ہے، جو حق میں اپنے آپ کو مدغم کر لیتا ہے، جو سراپا حق بن جاتا ہے، اپنے کردار سے، اپنے یقین سے، اپنے ایمان سے، اپنی سوچ اور اپنی فکر سے حق کو قبول کر لیتا ہے، اللہ کریم اس کا ساتھ دیتا ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اللہ مخلص اور خلوص قلب سے اللہ کو ماننے والے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

غزوۂ بدر نشان عبرت بھی ہے

کفر کو سمجھ لینا چاہیے کہ تمہارے سامنے یہ معرکہ ہوا اور تم نے دیکھا کہ سارے وسائل کے باوجود اللہ کی مدد کے مقابلے میں کفر عاجز آیا اور اللہ نے حق کو فتح دی۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ۝ جنہیں اللہ کریم

نے بصارت دی ہو‘ ان کے لئے تو اس میں بڑی عزت ہے۔ بصیرت دل کی نگاہ کو کہتے ہیں اور بصارت چشم ظاہر کو کہتے ہیں۔ دل کی نگاہ کا تعلق تو نورِ ایمان سے ہے لیکن ظاہر نگاہ ہر ایک کے پاس ہے‘ مومن کے پاس بھی اور کافر کے پاس بھی ہے۔ ظاہری نگاہ کا بھی استعمال یہ ہے کہ بندہ مخلوق کو دیکھ کر خالق کی عظمت کو پہنچانے‘ واقعات کو دیکھ کر نتائج اخذ کرے ورنہ دیکھنے کا کیا فائدہ؟ یوں تو جنگل کا درندہ بھی دیکھتا ہے‘ چرند پرند دیکھتے ہیں‘ اپنی غذا تلاش کرتے ہیں‘ اپنا آشیانہ بناتے ہیں‘ اپنے بچے پالتے ہیں۔ اگر انسانی بصارت بھی اتنا ہی کام کرتی ہے کہ اس نے روزی کمالی اور بچے پال لئے تو بحیثیت انسان اس نے بصارت کا استعمال نہیں کیا۔ اس نے ایک جانور کی طرح بصارت کا استعمال کیا۔ اپنی نگاہوں کے سامنے واقعات عالم کو دیکھتا رہا اور ان سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکا۔

بصارت سے مراد یہ ہے کہ آدمی نظر کا استعمال بھی جانتا ہو۔ اس نے دیکھ کر کھانا کھالیا‘ دیکھ کر پانی پی لیا‘ دیکھ کر چل پڑا‘ یہی بصارت کا مصرف نہیں بلکہ بصارت کا مطلب ہے کہ وہ نگاہوں سے جو واقعات دیکھے‘ ان کو پرکھنے‘ سمجھنے اور اس سے نتیجہ اخذ کرنے کی اہلیت بھی رکھتا ہو۔ وہ آنکھوں سے دیکھے کہ ایک آدمی نے ایک چیز کھائی اور اس سے اس کی موت واقع ہو گئی تو وہ یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یہ چیز کھانے کے قابل نہیں ہے یا زہریلی ہے یا یہ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ دوسرے کو مرتا دیکھتا ہے اور پھر خود وہی کھاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے اسے نظر دی ہے لیکن وہ اسے استعمال نہیں کر رہا۔

یہی مثال کافروں کو دی گئی کہ تم نے آنکھوں سے دیکھا کہ دنیوی حشم‘ جاہ و جلال‘ دنیوی مال و اسباب اور وسائل مشرکین مکہ کے ساتھ تھے۔ لشکر جرار اور تجربہ کار لوگ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل مکہ کے لشکر کو دیکھ کر صحابہ کرام سے فرمایا کہ آج تو مکہ نے اپنے جگر گوشے نکال کر تمہارے سامنے پھینک دیئے ہیں یعنی ان کے کام کے وہی لوگ تھے۔ وہ ایک ایسا لشکر تھا جس میں تجربہ کار‘ جری اور جفاکش نوجوان‘ فن حرب سے واقف اور ماہر لوگ موجود تھے۔ انہیں سرِعام ایک ایسی شکست ہوئی جسے ذلت آمیز شکست کہا جاتا ہے۔ شکست میں سب کا مر جانا ضروری نہیں ہوتا‘ حوصلے سب کے مر جاتے ہیں‘ ہمتیں سب کی جواب دے جاتی ہیں اور وہ جو ایک قوت ہوتی ہے جسے ہمت یا فوجی اصطلاح میں مورال کہتے ہیں کہ ہر ایک کے دل میں فتح کا اور اپنی جان دے کر لڑنے کا ایک جذبہ ہوتا ہے‘ وہ جذبے ختم ہو جاتے ہیں‘ جذبے سرد پڑ جاتے ہیں۔ جب امیدیں الٹ جاتی ہیں‘ جب توقع کے خلاف نتائج نکلتے ہیں تو جذبے سرد پڑ جاتے ہیں۔ جس طرح آج اسرائیل کو ایک زعم باطل تھا کہ ہم جدھر منہ کرتے ہیں کوئی ہمیں روکنے والا نہیں لیکن لبنان کے گذشتہ مقابلے میں مٹھی بھر لوگوں نے ان کا وہ زعم باطل توڑ دیا اور آج ہم اخباروں میں‘ ٹیلی ویژن میں دیکھتے ہیں کہ

اسرائیلی سیاست دانوں سے لے کر فوجی افسروں تک، سب ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑنے والی طاقت یا فوج حوصلہ ہار بیٹھتی ہے۔

فرمایا: اس میں بہت بڑا سامان عبرت ہے لیکن ان لوگوں کے لئے جو صاحب نظر ہیں یا صاحب دانش و بینش ہیں۔

دنیوی محبتوں کے جذبے بھی اللہ کی عطا ہیں

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۝ تخلیقی طور پر انسان میں ایک غیر شعوری محبت رکھ دی گئی ہے اس کی فطرت ہے کہ وہ عورتوں سے محبت کرتا ہے، اولاد سے محبت کرتا ہے، سونے اور چاندی کے ڈھیروں سے یعنی دولت سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح مال اور مویشی سے محبت کرتا ہے، کھیتی سے محبت کرتا ہے۔ یہ غیر شعوری محبت ہے یعنی کوئی بندہ سوچ سمجھ کر یہ نتیجہ نہیں نکالتا کہ میں اپنے والدین سے محبت کروں، بیوی سے محبت کروں، اولاد سے پیار کروں، اپنے بھائیوں سے محبت کروں یا اپنے لئے دولت جمع کروں یا اپنے لئے گھر بنالوں یا میری کھیتی بہت اچھی ہو اور اس کے لئے محنت کروں۔

اللہ کریم نے انسانی فطرت میں ازواج، اولاد، مال و اسباب اور دنیا کی چیزوں کی غیر شعوری محبت رکھی ہے اور یہ ضروری بھی تھی۔ اگر انسان میں ان چیزوں کی محبت نہ ہو تو دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ اگر ان چیزوں سے محبت نہ ہو تو ان کے لئے محنت اور وقت کون لگائے گا، ان کی دیکھ بھال کون کرے گا، ان کو اپنائیت کا حق کون دے گا۔ ان ساری چیزوں کے لئے ایک فطری اور غیر شعوری محبت ضروری تھی لیکن انسان حیوانات، نباتات، جمادات کی طرح فطری جذبوں کا پابند نہیں ہے۔ حیوانوں میں اللہ کریم نے غیر شعوری طور پر جو چیز رکھ دی ہے وہ اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ بھوک لگتی ہے تو پیٹ بھرنے کا حیلہ کرتے ہیں لیکن ان میں یہ سوچنے کی قوت نہیں ہے کہ جو میں کھانے چلا ہوں اس پہ میرا حق بھی ہے یا نہیں، یہ اپنا ہے یا پرایا، یہ غلط ہے یا صحیح۔ اس طرح حیوان فطری ضرورتوں کی تکمیل کو مقدم جانتے ہوئے اپنی ضرورتیں پوری کرتے رہتے ہیں لیکن ان میں تمیز نہیں ہے، سوچنے کی قوت نہیں ہے، شعوری فیصلے کرنے کی قوت نہیں ہے۔

ایک محبت ہے جس کا عقلی اور شعوری طور پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یہ ساری چیزیں اللہ کی بنائی ہوئی ہیں، یہ ساری چیزیں انسان کی ضرورت ہیں اور ان کی محبت جرم نہیں ہے اس لئے کہ یہ انسان کی عقلی اور شعوری محبت نہیں ہے۔ یہ محبت تو اسے خالق نے عطا کی ہے، غیر شعوری طور پر اس کے اندر یہ جذبہ موجود ہے لیکن اللہ

نے اسے فہم و شعور بھی دیا ہے' ادراک بھی دیا ہے۔ ان سب محبتوں کے ساتھ اسے شعوری طور پر دعوت فکر دی گئی ہے کہ تیرا ایک خالق بھی ہے' تیرا ایک رازق بھی ہے' تیرا ایک رب ہے جو تجھے پال رہا ہے۔ جس نے تجھے پیدا کیا ہے' اس نے یہ نعمتیں اور ان کی محبت بھی تجھے دی ہے۔

انسان کو اللہ کریم نے شعور بخشا اور اتنا اعلیٰ شعور بخشا ہے کہ جب وہ فیصلہ کرتا ہے تو مخلوق کے مقابلے میں خالق کو چنتا ہے۔ یہ شرف صرف انسان کو حاصل ہے کہ وہ اللہ کی ذات کے متعلق سوچتا ہے' اس کی ذات کے بارے میں فکر کرتا ہے' غور کرتا ہے' پھر اس سے پیار کرتا ہے' محبت کرتا ہے اور اس کے لئے زندگی تک نچھاور کر دیتا ہے۔ یہ شعور صرف انسان کو نصیب ہے۔ فرشتہ بہت اعلیٰ' نوری مخلوق ہے جس کے ساتھ کبھی گناہ کا کوئی تصور نہیں ہے لیکن ہر فرشتے کا ایک مقام مقرر ہے جہاں رب العلمین نے اسے پیدا کیا ہے۔ **وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۙ** ساری زندگی کی اطاعت اسے اس مقام سے ایک قدم آگے ترقی کے راستے پہ نہیں لے جا سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تخلیقی طور پر اس کام کے لئے بنایا گیا ہے اور اسے اس کے علاوہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔

انسان کو اللہ کریم نے شعور دیا۔ کُل "مَوْلَوْد" یُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔ ہر پیدا ہونے والا فطری خصوصیات لے کر پیدا ہوتا ہے۔ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ. آپ ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ پھر اس کے والدین' وہ ماحول' معاشرہ جس میں وہ پلتا بڑھتا ہے' کسی کو یہودی' کسی کو مجوسی' کسی کو نصرانی بنا دیتا ہے ورنہ فطری طور پر ہر انسان میں وہ شعور موجود ہے اور اگر اسے وہ استعمال کرتا ہے' تحقیق و جستجو کرتا ہے تو ہدایت پا لیتا ہے اور کافروں کے گھر پل کر بھی ایمان لا سکتا ہے۔ اس میں ایمان لانے کی استعداد اور قوت موجود ہے بلکہ ولایت کے اعلیٰ منازل پا سکتا ہے۔ اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ پایا ہو تو صحابی بن سکتا ہے۔ صحابہ کرام انہی لوگوں میں سے تھے جو اللہ کریم کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے اگر چہ اکثر اکابر صحابہ کرام میں بہت سے ایسے تھے جنہوں نے زندگی میں شرک نہیں کیا' بتوں کو سجدہ نہیں کیا لیکن اللہ کی ذات سے واقف نہیں تھے۔ معرفت الٰہی کی لو تو محمد رسول اللہ ﷺ نے جگائی۔ انسان کے شعور کو اللہ کا رسول ﷺ راستہ دکھاتا ہے۔

سب سے قریبی رشتہ میاں بیوی کا ہوتا ہے۔ شاید والدین سے اس قدر دکھ سکھ زیر بحث نہیں لائے جا سکتے' اولاد سے اس قدر دکھ سکھ نہیں کہے جا سکتے جتنے میاں بیوی آپس میں زیر بحث لا سکتے ہیں لیکن آپ نے یہ بھی دیکھا کہ جب یہ محبت ختم ہو جاتی ہے یا نفرت میں بدل جاتی ہے تو وہی میاں بیوی ایک دوسرے کی جان اور آبرو کے درپے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ یہ محبت انسان کے وجود میں غیر شعوری طور پر موجود ہے۔ اس کی اپنی بنائی ہوئی نہیں ہے' اللہ کی دی ہوئی ہے۔ یہ موجود ہے لیکن اس کے

باوجود نفرتیں جنم لے لیتی ہیں۔ انسان ایسا کوتاہ نظر اور کوتاہ فہم واقع ہوا ہے کہ اس کے باوجود وہ نفرتیں پیدا کر لیتا ہے۔ اگر یہ غیر شعوری محبت نہ ہوتی تو یہ دنیا کیا ہوتی، اس کا نقشہ کیا ہوتا! یہ بھی اللہ کا ایک احسان ہے کہ اس نے ضرورت کی چیزوں سے، کاروبار سے، گھر سے، اولاد سے، والدین سے، بہن بھائیوں سے، دوستوں سے ایک غیر شعوری محبت کا جذبہ ودیعت فرما دیا۔ اس کے ہوتے ہوئے انسان نفرتیں پال لیتا ہے۔ بھائی بھائیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اولاد باپ کو گھر سے نکال دیتی ہے۔ میاں بیوی کو قتل کر دیتا ہے، ناک کاٹ لیتا ہے، طلاق دے دیتا ہے، بدنام کرتا ہے، بیوی خاوند پہ عدالت میں دعویٰ کر دیتی ہے اور اسے ذلیل و رسوا کرتی ہے باوجود اس کے کہ اللہ کریم نے یہ محبت غیر شعوری طور پر، ہماری کسی کوشش و محنت کے بغیر ہمارے اندر رکھ دی ہے۔ کسی جگہ یہ حد سے اتنی بڑھ جاتی ہے کہ لوگ اپنے مال پہ قناعت نہیں کرتے بلکہ دوسروں کا مال بھی چھیننا شروع کر دیتے ہیں۔

اسلام نے کسی چیز پہ ایسی پابندی نہیں لگائی۔ اسلام نے اہل خانہ سے محبت کو منع نہیں کیا، والدین سے محبت کو منع نہیں کیا، اولاد سے محبت کرنے سے روکا نہیں ہے۔ دولت کمانے سے نہیں روکا۔ اچھا کھانے اور اچھا پہننے سے نہیں روکا۔ صرف یہ یاد دلایا ہے کہ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ اس نے غیر شعوری طور پر تمہارے اندر ان چیزوں کی محبت رکھ دی۔ تم میں مال کے حصول کی محبت ہے تو محنت کرتے ہو، ملازمت کرتے ہو، تجارت کرتے ہو۔ کھیتی باڑی کی محبت ہے تو گرمی کی تپتی دوپہر کو ہل چلاتے ہو، فصل کاٹتے ہو، صاف کرتے ہو۔ روزی کما کر لاتے ہو، اولاد کو بانٹتے ہو، بیوی کو کھلاتے ہو، گھر بناتے ہو جس میں سارے آرام سے رہتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے تمہیں ان چیزوں کی محبت دی ہے جو بغیر تمہاری سوچ و فکر کے، غیر شعوری طور پر ہر بندے کے اندر موجود ہے۔

ہر جذبے کے لئے ایک حد ہے

لیکن یاد رہے! ہر جذبے کی ایک حد ہے۔ اسلام نے کسی جذبے سے روکا نہیں ہے، ان کی ایک حد مقرر کی ہے۔ خواتین سے محبت ہے تو شادی کرے، جائز طریقہ ہے۔ اولاد سے محبت ہے تو اولاد کی اچھی تربیت کرے۔ ان کے لئے جائز اور حلال طریقے سے جتنا کما سکتا ہے، کمائے۔ خوبصورت انداز میں کمانے یا خواہشات کی تکمیل یا ضرورتوں کی تکمیل کے طریقے اور سلیقے مقرر کر دیے ہیں۔ محبتیں بے لگام نہ ہو جائیں بلکہ حدود کے اندر اپنا کام کریں اور وہ کام کرنا یعنی اپنی ضرورت کے لئے رزق کمانا، اپنی ضرورت کے لئے جائز وسائل سے اچھا گھر بنانا اور اپنی ضرورتیں حلال وسائل سے پوری کرنے کو بھی ویسا ہی عبادت قرار دیا ہے جیسا آپ نماز روزہ کرتے ہیں۔ اس پر اللہ کی رضا بھی مرتب ہوتی ہے، اس پر انعام فرماتا ہے کہ خواہشات کا اسیر

ہو کر میری اطاعت کے دائرے سے نکل نہیں رہا بلکہ اطاعت کی حدود کے اندر خواہشات کی تکمیل کے اسباب اس طریقے سے حاصل کر رہا ہے، جو اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔

اسلام نے زندگی کے آگے کوئی بند نہیں باندھا۔ زندگی ایک فلسفہ ہے، ایک سیلاب ہے، ایک بہتا ہوا دریا ہے۔ آپ دریا کے آگے بند باندھ کر اسے روک نہیں سکتے۔ آپ جتنا بڑا بند بنائیں گے ایک دن وہ بھر جائے گا اور دریا اس کے اوپر سے بہنا شروع ہو جائے گا۔ زندگی میں بھی اسی طرح کی ایک روانی ہے۔ آپ اس کے آگے بند نہیں باندھ سکتے۔ اللہ خود اس کا خالق ہے اور اس نے اس کو روانی دی ہے۔ لہٰذا اس نے اس کے آگے کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کی۔ خوبصورت طریقے اور سلیقے سے اسے موڑ دیے ہیں جس میں مخلوق کا بھی فائدہ ہے اور اللہ کی رضا بھی شامل ہے۔

تو فرمایا: لوگوں کے لئے اولاد، بیویوں، سونے چاندی، جانوروں، گھوڑوں اور کھیتی باڑی کی محبت تو رکھ دی گئی اور اس لئے کہ یہ جذبہ ضروری تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو انسانی زندگی کے چلنے کا کوئی سبب نہ ہوتا۔ اللہ نے یہ جذبے عطا کر دیئے لیکن انسان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے نفرتیں پیدا کر لیتا ہے، عداوتیں پیدا کر لیتا ہے۔ اگر یہ جذبہ ہوتا ہی نہیں تو دنیا میں کیا حال ہوتا! ہر کوئی سوائے دشمنی کے کچھ نہ کرتا۔ ہر کوئی ایک دوسرے کا دشمن ہوتا۔

شعوری محبت کا محور صرف اللہ کی ذات ہو سکتی ہے

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ یہ صرف اس عالم میں زندگی کو قائم رکھنے کے وسائل ہیں۔ اب زندگی کس کے لئے ہے؟ جب یہ سوچا جائے گا تو یہاں سے شعوری اور عقلی محبت کی ابتداء ہو گی کہ انسان اپنی عقل سے، اپنے شعور سے یہ فیصلہ کرے کہ یہ ساری محبتیں جو مال، اولاد، گھر سے ہیں، جو اسے محنت پہ مجبور کرتی ہیں، کاروبار پہ مجبور کرتی ہیں، ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ۔ یہ اس دنیا کی زندگی کا سرمایہ ہے جو پچاس ساٹھ سال ہے، سو سال ہے۔ یہ اس دارِ دنیا میں زندگی کو قائم رکھنے کے وسائل ہیں لیکن یہ زندگی جس کو قائم رکھنے کے لئے شب و روز محنت کرتا ہے، اس کا حاصل کیا ہے؟ یہ کس لئے ہے؟ یہ زندگی کیوں دی گئی؟ یہاں کیوں بھیجا گیا؟ وہ کون ہے جس نے انسان کو پیدا کر دیا۔ کس نے زندگی دی اور زندگی کے وسائل سے کس نے سینے میں محبت رکھ دی؟ ایسی محبت رکھ دی کہ سارا دن کدال چلاتا ہے، پتھر توڑتا ہے، مشقت کرتا ہے اور چند سکے حاصل کر کے بچے پالتا ہے۔ کس نے یہ جذبے دے دیئے اور کس نے یہ حیات دی ہے، آخر اس حیات کا بھی تو کوئی مقصد ہو گا! یہاں سے شعوری اور عقلی محبت کی ابتدا ہوتی ہے اور انسان کے پاس یہی اختیار ہے کہ اپنے شعور اور عقل سے تجزیہ کر کے فیصلہ کرے کہ اس زندگی کا مصرف کیا ہے؟

دنیا کی محبت بری نہیں لیکن اللہ کی محبت کے تابع ہو

قرآن کریم اس طرف دعوت دے رہا ہے کہ دنیا کی محبت بری بات نہیں ہے۔ دنیا بہت خوبصورت ہے، اللہ کی تخلیق ہے اور کیا اللہ کی بنائی ہوئی چیز خراب بھی ہو سکتی ہے؟ وہ تو مالک کائنات ہے۔ کسی کاریگر کو آپ کہیں کہ بھئی آپ بہت اچھے کھلونے بناتے ہیں لیکن ان میں آدھے بیکار ہوتے ہیں تو وہ اسے اپنی سخت توہین سمجھے گا۔ ایک درزی سے کہیں کہ آپ بہت اچھے کپڑے سیتے ہیں لیکن کچھ تو آپ بالکل بے کار کر دیتے ہیں تو وہ آپ سے لڑنے کو آئے گا کہ میں نے کون سا خراب کیا، کس کی بات کر رہے ہو، میری شہرت پہ دھبہ لگا رہے ہو۔ مخلوق یہ برداشت نہیں کرتی تو جو چیزیں اس مالک الملک نے بنائی ہیں، وہ خراب نہیں ہیں۔ دنیا میں حسن بھی ہے، لذتیں بھی ہیں۔ دنیا بہت خوبصورت، بہت پیاری ہے اور اس کی فطری محبت بھی ہمارے دل میں ہے۔

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ سب کچھ تمہارے لئے بنا دیا۔ یہی آزمائش بن گئی ہے کہ اس سارے عالم کو استعمال کرو۔ اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ دنیاوی طور پر ہر چیز میں حلت ہے جب تک شرعی طور پر اس کی حرمت ثابت نہ ہو جائے۔ بنیادی طور پر ہر چیز حلال ہے۔ شریعت سے حرام ثابت کرنی پڑے گی۔ چونکہ اللہ نے فرما دیا خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ہر چیز تمہارے لئے بنائی ہے تو حلال ہو گی۔ حرام کا عربی میں مفہوم تو منع ہے، جس سے روک دیا گیا۔ شرعاً جس سے روک دیا جائے اس میں اللہ کی ناراضگی بھی آ جاتی ہے اس لئے اس کا معنی زیادہ گھمبیر ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا دنیا میں رہو، میں نے تمہارے لئے بنائی ہے، میں نے تمہیں دنیا کی محبت دی ہے، بیوی بچوں کے ساتھ خوش رہو، اچھا گھر بناؤ، پیسہ کماؤ، آرام سے رہو لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ جس نے یہ محبت دی ہے، جس نے یہ مال دیا ہے، جس نے یہ بیوی بچے دیئے ہیں، جس نے دوست، بہن بھائی دیئے ہیں، گھر اور گاڑیاں دی ہیں، خوبصورت شکل اور اچھا لباس دیا ہے، اس سے محبت کا بھی کوئی تقاضا ہے! اپنی عقل و شعور سے فیصلہ کرو کہ یہ سب محبتیں اگرچہ میری ضرورت ہیں لیکن عقلاً اور شعوری طور پر میرا فیصلہ یہ ہے کہ یہ مجھے تیری بارگاہ سے ہٹا نہیں سکتیں۔ جہاں یہ تیرے اور میرے درمیان رکاوٹ بننے لگیں گی، میں انہیں لات مار دوں گا۔ یہ فطری جذبے، اللہ کی محبت، رسول اللہ ﷺ کی محبت، یہ ہمارے عقل و شعور کا فیصلہ ہے۔ ہر بندے کا ذاتی فیصلہ ہے کہ مجھے حضور ﷺ کا اتباع کرنا ہے۔ میں حضور ﷺ کو اللہ کا رسول مانتا ہوں۔ ہر بندے کا شعوری اور عقلی فیصلہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور میں اس کی عبادت کرتا ہوں۔ اسلام یہ ہے کہ یہ جو غیر شعوری محبت ہے اسے اتنا نہ بڑھا لو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے مقابل آ جائے۔

اپنی حیثیت کا اندازہ کر، اتنا بے مہار نہ ہو جا، ان محبتوں میں اتنا اندھا نہ ہو جا کہ تو اللہ کی محبت پہ ان کو

غالب کر لے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر تیری لالچ غالب آ جائے اور اللہ کی بارگاہ سے تجھے تیری رعونت اور تکبر خارج کر دے، اس طرح نہ کر۔ اپنی حیثیت تو دیکھ، اپنا دامن تو دیکھ، اپنی قوت کا اندازہ تو کر، تو ہے کون اور تیری حیثیت کیا ہے! جس کی عطا سے جی رہا ہے اور جس کی دی ہوئی محبتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے، مستفید ہو رہا ہے، اس سے محبت نہیں کرتا! اس کی محبت سے انکار کرتا ہے تو تیرے پاس کیا بچے گا!

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ یہ دنیوی زندگی کی ضرورتیں ہیں۔ یہاں یہ بھی فرمایا کہ بیشک دنیا بڑی خوبصورت ہے، ہمیں اس کے ساتھ فطری محبت ہے لیکن یہ بات یاد رہے۔ **ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** ۔ یہ ساری زیب و زینت، سارا حسن، ساری خوبیاں، اس کی ساری لذتیں محض دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے ہیں۔ یہ سب کچھ ختم ہو جانے والا ہے، دنیا بھی، اس کی چیزیں بھی، اس کی لذتیں بھی، یہ سب وقتی اور عارضی ہیں لیکن اللہ کے پاس جو ہے **وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ**○ جو اللہ کے پاس ہے، جو نعمتیں معرفت الٰہی سے نصیب ہوں گی، اطاعت الٰہی سے نصیب ہوں گی، وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی، کبھی ان میں زوال نہیں آئے گا اور وہ کبھی پرانی نہیں ہوں گی۔ دنیا کی ایک چیز کو ایک سال استعمال کرو تو پھٹ جاتی ہے، پرانی ہو جاتی ہے، لباس فرسودہ ہو جاتا ہے، جوتے ٹوٹ جاتے ہیں، گاڑیاں پرانی ہو جاتی ہیں، مکان گرنے لگ جاتے ہیں لیکن جو نعمتیں اللہ نے دار آخرت میں رکھی ہیں ان میں گزرتا ہوا وقت فرسودگی نہیں لاتا بلکہ ان کی شیرینی اور لذت بڑھتی جاتی ہے، ان کا حسن ماند نہیں پڑتا بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے ہیں اور ہر آنے والا لمحہ ان کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ فرما دیجئے میرے حبیب ﷺ! ان لوگوں کو خبر کر دیجئے کہ کیا میں تمہیں دنیا و مافیہا سے بہت بہترین چیز کی خبر نہ دوں، تمہیں ایسی نعمتوں کی خبر دوں جو نہ کوئی ڈاکو تم سے چھین سکے گا، نہ کوئی ظالم تم سے چھین سکے گا، نہ کوئی انہیں آگ لگا کر جلا سکے گا، نہ کوئی انہیں برباد کر سکے گا، نہ ان پر فرسودگی طاری ہو گی، نہ وہ پرانی ہو کر بیکار ہوں گی بلکہ ہمیشہ ان کے حسن میں اور ان کی لذت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ **وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ**○ اگر تم اللہ سے محبت کر لو، اللہ کے نبی ﷺ سے پیار کر لو اور اطاعت کر لو تو اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ بہت خوبصورت ہے، بہت ہی اچھا ہے اور وہ اس لئے بہت اچھا ہے کہ وہ ہمیشہ بہت اچھا ہے۔

تُو دنیا کی لذتوں کے انجام سے واقف نہیں۔ آج میرے پاس اچھا گھر ہے، اچھی گاڑی ہے، اولاد ہے، بھائی ہیں، کل کچھ بھی نہیں رہے گا تو کون روک سکتا ہے۔ یعنی دنیا کی جتنی بھی نعمتیں ہیں ان کا ایک نقص کافی ہے کہ ان میں دوام نہیں، یہی نقص کافی ہے اور جو اس کے پاس ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں۔ اسی ایک صفت کا موازنہ کر لو تو اندازہ ہو جائے گا۔ باقی باقی ہے اور فانی فانی ہے۔ اللہ کے پاس جتنی نعمتیں ہیں، ان کا

انجام بھی خوبصورت ہے۔ جوں جوں آگے بڑھتی ہیں، خوبصورتی میں بڑھتی جاتی ہیں اور دنیا کی نعمت جوں جوں استعمال ہوتی ہے اس کا حسن گھٹتا چلا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ اگر دنیا کی قیمت اللہ کی بارگاہ میں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو پانی کا گھونٹ بھی نہ دیتا۔ یعنی جن لذتوں پہ تو فدا ہو رہا ہے ان کی وہاں کوئی قیمت نہیں۔ اس لئے کہ دنیا کی نعمتوں کی حیثیت ان نعمتوں کے مقابلے میں جو اللہ کے پاس ہیں، جو ابدی زندگی میں ہیں، مچھر کے پر جتنی بھی نہیں ہے۔ یہ جن خواہشوں اور جن لذتوں کے پیچھے تو اللہ کی ناراضگی مول لے رہا ہے، جو نعمتیں اس کی بارگاہ میں موجود ہیں، جو وہ تجھے عطا کرنا چاہتا ہے، تیری اطاعت پر جو عطا کرے گا اس کے سامنے ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

فطرت انسانی میں توحید اور محبت الٰہی ہے

عہد فترۃ

جس عہد میں دعوت الی اللہ دینے والا کوئی نہیں تھا جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھا لینے کے بعد ان کی تعلیمات ختم ہوگئیں اور کوئی حق بتانے والا نہ رہا۔ حضور ﷺ کی بعثت تک کم وبیش پانچ صدیاں بیت گئیں اور اس دور کو عہد فترۃ کہتے ہیں۔ اس عہد فترۃ میں کسی نبی کی تعلیمات باقی نہیں تھیں۔ کوئی صحیفہ آسمانی کسی کے پاس نہیں تھا۔ کوئی بتانے والا نہیں تھا کہ اللہ کون ہے، کیسا ہے، خالق کہاں ہے، عاقبت کیا ہے، آخرت کیا ہے؟ اس عہد میں بھی ایسے لوگ تھے بلکہ مکہ مکرمہ میں ایک شخص زید بن عمرو بن نفیل کہا کرتا تھا کہ تم نے یہ جو بت تراش رکھے ہیں اور کہتے ہو یہ خدا ہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جسے تم اپنے ہاتھ سے تراشتے ہو، جسے تم اپنے تیشے کی ضرب سے بناتے ہو، تم چاہو تو اس پتھر کو دروازے میں نصب کر دو، تم چاہو تو اس پتھر کو فرش کی سل بنا دو، تم چاہو تو اس پتھر کا ایک بت بنا کے پوجنے لگ جاؤ۔ جو اپنے وجود میں تمہارا محتاج ہے، وہ کس طرح تمہاری عبادت کا حقدار ہو گیا؟ یہ عقلی تجزیے تھے لیکن دعوت الی اللہ نہیں تھی۔ اس نے اپنی بصارت، اپنی عقل سے یہ تجزیہ کیا کہ یہ جو تم کہتے ہو کہ یہ بت اولاد دیتا ہے، بارش برساتا ہے، کھیتیاں اگاتا ہے، بیماریاں ٹھیک کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ انسان کی ہر ضرورت کے لئے ایک رب ہوگیا۔ انسان ایک ہے، ضرورتیں ایک وجود میں جمع ہیں لیکن رب مختلف ہیں۔ اب اگر ان خداؤں میں اختلاف رائے ہو جائے! انسان کو پانی پینے کی اب ضرورت ہے لیکن روزی

دینے والا رب کہتا ہے کہ میں کل سے پہلے اس کا پانی جاری نہیں کرتا تو پھر کیا ہوگا؟ ایک رب ہے جو زندگی دینے والا ہے، وہ کہتا ہے کہ میرا بندہ مرے نہیں۔ جو روزی دینے والا ہے، وہ کہتا ہے کہ خوراک پرسوں دوں گا۔

زید بن عمرو بن نفیل کہتا تھا یہ عقلاً محال ہے۔ ایک بندہ آج بیمار ہے، اسے دوا کی ضرورت ہے لیکن شفا دینے والا رب کہتا ہے میں اسے شفا نہیں دیتا۔ جو زندگی والا رب ہے وہ کہتا ہے میں اسے زندہ رکھوں گا۔ وہ کیسے زندہ رکھے گا جب دوسرا رب شفا دینے پر ہی راضی نہیں۔ تو اس نے کہا یہ تصور کہ ہر کام کا الگ رب ہے، عقلاً باطل ہے۔ اس کے شعر آج بھی عربی ادب کی زینت ہیں۔ وہ کہا کرتا تھا:

ءَ رَبّ'' وَاحِد'' اَمْ اَلْفَ رَبٍّ   رب ایک ہے رب ہزاروں نہیں ہو سکتے

رب ایک ہے، ہزاروں رب نہیں ہو سکتے۔ یہ کوئی ایک ہستی ہے کہ جب چاہے بارش برسا دے، جسے چاہے صحت دے، جسے چاہے حیات دے، جسے چاہے رزق دے۔ یہ ایک ہستی کے فیصلے ہیں جن میں اتنا ربط ہے کہ کہیں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ زندگی رواں دواں چل رہی ہے۔ لوگ مرتے بھی ہیں، پیدا بھی ہوتے ہیں۔ کھیتیاں جلتی بھی ہیں، اگتی بھی ہیں۔ درخت سوکھتے بھی ہیں، پیدا بھی ہوتے ہیں۔ پت جھڑ میں پتے گر جاتے ہیں، بہار میں نکل آتے ہیں تو یہ ایک سے زائد ہستیوں کا کام نہیں۔ اگر دو بھی ہوں تو ان میں اختلاف ہو گا۔ ایک کہے گا میں دن کرتا ہوں، دوسرا کہے گا نہیں رات ہوگی۔ کب سے نظام چل رہا ہے، روزانہ کتنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں، کتنی فنا ہوتی ہیں، ہم حساب نہیں کر سکتے۔ یہ کسی ایک ہستی کا کام ہے، ہزاروں کا نہیں ہو سکتا۔ ہزاروں ہستیاں ایک بات پہ اس قدر متفق نہیں ہو سکتیں کہ اتنی پابندی سے اور اس طریقے سے یہ نظام چلے کہ کہیں کوئی خلل پیدا نہ ہو، تو اس نے کہا۔

ءَ دِیْن'' اِذَا تُقْسَمَةُ الْاُمُوْرُ

یہ کون سا دین ہے جس میں کام بانٹ دیئے گئے ہیں؟ کوئی روزی دے رہا ہے، کوئی اولاد اور کوئی صحت تو پھر کس کس کی پوجا کرو گے؟ کس کس کو راضی کرو گے؟ اسے دین کہنا لفظ دین کی توہین ہے، یہ دین نہیں ہو سکتا۔ جب کام بانٹ دیئے جائیں تو یہ دین نہیں رہتا۔ دین کا تقاضا یہ ہے کہ جو ساری نعمتیں دے رہا ہے، اس کی ہمہ وقت اطاعت کی جائے، اس کی عبادت کی جائے، اس کا نام لیا جائے۔ تو بندہ کس کس کا نام لے، کس کس کی عبادت کرے؟ کوئی آپ کے کھڑا ہونے پہ خوش ہے، دوسرا آپ کے رکوع پہ خوش ہے، تیسرا آپ کے سجدے پہ خوش ہے۔ آپ کھڑے ہیں تو ایک خوش ہے، دوسرا ناراض ہے۔ رکوع میں جاتے ہیں تو ایک راضی ہے دوسرے دو ناراض ہیں۔ سجدے میں جاتے ہیں تو سجدے والا خوش ہے لیکن دوسرے ناراض ہیں کہ

یہ کیا کر رہا ہے؟ یہ دین نہیں ہو سکتا۔

تَرَکْتُ لَاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا

میں لات‘ عزیٰ اور تمام بتوں کو ترک کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ کَذٰلِکَ یَفْعَلُ رَجُلٌ ” بَصِیْرٌ ۔ جس طرح میں ان سب سے بیزاری کا اعلان کر رہا ہوں‘ جس کو بھی اللہ نے بصارت دی وہ ایسا ہی کرے گا۔ تاریخ میں ملتا ہے کہ وہ بیت اللہ شریف جاتا تو کہتا‘ میں نہیں جانتا تو کہاں ہے‘ تو کیا ہے لیکن میں یہ جانتا ہوں تو اکیلا ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ تو ہر چیز پہ قادر ہے‘ اس لئے یہ نظام چل رہا ہے لیکن تو کون ہے؟ تو کہاں ہے‘ تو کیسا ہے؟ میں یہ نہیں جانتا۔ میں یہ نہیں جانتا کہ تو کس بات پہ راضی ہے‘ میں کس طرح تیری عبادت کروں؟ پھر وہ زمین سے مٹی اٹھا کر ہاتھ پہ رکھتا‘ اس پہ پیشانی رکھ دیتا اور کہتا کہ اسے میری عبادت سمجھ کر قبول کر لے۔ کوئی مجھے بتانے والا نہیں کہ میں کیا کروں۔ اس عہد کے بارے میں جب دین بتانے والا اور کوئی وسیلہ بھی نہیں ہے‘ یہی فرمایا جاتا ہے کہ جس نے بھی اپنے تجزیے سے توحید باری تلاش کر لی وہ مسلمان ہے اور صاحب نجات ہے۔

حضور ﷺ کے جد امجد سارے مؤحد تھے

ہمارے ہاں کچھ نورنامے اور کچھ اس قسم کی عجیب عجیب کتابوں میں جو حضور ﷺ کے والدین کے متعلق یا آپ ﷺ کے بزرگوں کے متعلق عجیب وغریب حکایتیں لکھی ہیں‘ یہ سب خرافات ہیں۔ وہ سارے مواحد تھے اور کھرے موحد تھے۔ ابرہہ نے جب مکہ معظمہ پر لشکر کشی کی تو حضور ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ کے لشکری لے گئے۔ وہ ابرہہ کو ملنے کے لئے گئے تو ابرہہ خوش ہوا کہ اہل مکہ کا سردار آیا ہے اور یہ میرے ساتھ کعبے کی بات کرے گا۔ اس نے مدعا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ آپ کے لشکری میرے اونٹ ہانک کر لے آئے ہیں‘ میں اپنے اونٹ چاہتا ہوں۔ وہ کہنے لگا آپ جانتے ہیں میں کتنا سفر کر کے آیا ہوں‘ میں کتنا طاقتور ہوں‘ میرے ساتھ کتنا لشکر ہے اور میں آپ لوگوں کا کعبہ گرانے کے لئے آیا ہوں۔ آپ کعبے کی بات نہیں کریں گے! انہوں نے بڑا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا: جب تم کعبے کی طرف جاؤ گے تو اس کا مالک خود بات کر لے گا۔ چونکہ تم مجھ سے طاقت ور ہو۔ تمہاری فوج‘ تمہاری سپاہ‘ تمہاری طاقت‘ تمہارے دنیوی وسائل میرے وسائل سے زیادہ ہیں‘ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں روکتا۔ یہ میرے بس میں نہیں ہے تو میں بات کیوں کروں؟ اس کا بھی ایک مالک ہے‘ جب تم ادھر جاؤ گے تو وہ خود بات کر لے گا۔ اب اس نورنامے میں انہیں غیر مسلم لکھنے کی کوئی تک بنتی ہے؟ اس سے زیادہ اس وقت اسلام کیا تھا؟ آدمی

مکلّف ہی توحید باری کا تھا۔

حضور ﷺ کے والد ماجد مثالی اور خوبصورت نوجوان تھے۔ صاحب کردار تھے اور ایک معروف بات جو بہت زیادہ لکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بڑی خواتین نے ان کے قریب جانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے کہا مجھے زیب نہیں دیتا۔ یہ کردار کن لوگوں کا ہے! جو اس وقت بھی توحید باری کے قائل تھے۔ سیدنا فاروق اعظم، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے عہد جہالت میں بھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا، بتوں کو نہیں مانا۔ اللہ کو جانتے نہیں تھے لیکن صحابہؓ کرام میں ایک ایسی تعداد تھی جو بتوں کو نہیں پوجتی تھی، بتوں کو نہیں مانتی تھی۔

اللہ سے شعوری محبت دنیوی محبتوں پہ غالب ہو

جب کوئی بھی بتانے والا نہ ہو تو اللہ نے عقل و شعور تو دیا ہے۔ اب اگر وہی زید بن عمرو بن نفیل جو اپنی شعوری اور عقلی محبت سے یہ جان چکا تھا کہ کوئی ایک ہستی ہے جو اس نظام کو چلا رہی ہے، اسے اگر کوئی دولت کا لالچ دے کر بتوں کو سجدہ کروا لے تو یہ کیسی عجیب بات ہوگی! اس کی عقلی اور شعوری محبت تو اسے راستہ دکھا رہی ہے کہ یہ بت بے کار ہیں لیکن اس کی غیر شعوری محبت اتنی بڑھ جائے کہ لالچ میں آ کر وہی شخص جو بتوں کو باطل سمجھتا ہے ان کو سجدہ کر لے! آپ اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟ پھر اس عقلی اور شعوری محبت کو جلا دینے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ جیسی عظیم ہستی مبعوث ہو اور اس کی رہنمائی فرمائے۔ آپ ﷺ بتائیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، اللہ کی ذات ایسی ہے، اللہ کی صفات ایسی ہیں اور میں وہ دروازہ ہوں جس میں سے تم اللہ کو دیکھ سکتے ہو۔ میرے نقوش کفِ پا وہ راستہ ہیں جن پر چل کر تم اللہ کی بارگاہ میں پہنچ سکتے ہو۔ یہ محبتیں عقلی اور شعوری ہیں۔ یہی اصل دانش مندی ہے۔

اولاد، دولت، مال اور دنیا کی محبت تب بری ہوتی ہے جب یہ عقلی اور شعوری محبت پہ غالب آ جاتی ہے، پھر یہ قابل مذمت ہو جاتی ہے۔ آپ زید بن عمرو بن نفیل کے واقعہ سے موازنہ کر کے اندازہ کیجئے کہ اگر وہی شخص جو لوگوں کو بتا رہا ہے کہ یہ لات و عزیٰ کچھ نہیں ہیں اور یہ ہزاروں معبود نہیں ہو سکتے، یہ باطل ہیں۔ رب ایک ہے جو کائنات کو پال رہا ہے، ہزاروں رب نہیں ہو سکتے۔ وہ اگر دنیا کے لالچ میں یا اقتدار کے لالچ میں یا کسی خواہش کے لالچ میں بتوں کے آگے سجدہ ریز ہو جائے تو آپ کہیں گے کہ بہت بری بات ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ انسان نہیں، اس نے تو انسانیت کا ناس کر دیا۔ ایسے شخص کو انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے۔ اس کے لئے اگر یہ فتویٰ ہے تو پھر وہ لوگ جن کے پاس محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوں، اپنی عقلی شہادت بھی موجود ہو، انسانی عقل بھی موجود ہو، عقلی اور شعوری محبت کا بھی احساس ہو، پھر اس پہ یہ نورِ نبوت بھی آ جائے، پھر اس پہ

کتاب اللہ بھی آ جائے' اس پہ چودہ صدیوں کی گواہی عیاں ہو' اللہ کی کتاب پکار پکار کر ہدایت اور رہنمائی کر رہی ہو اور پھر ہم چند سکوں کے عوض بک جائیں! پھر ہم خواہشات کی رو میں بہہ جائیں' نفرتوں کے بیج بونے لگیں اور قتل و غارت پہ آ جائیں تو اپنے بارے ہم کیا کہیں گے؟ زید بن عمرو بن نفیل کے پاس تو کوئی نہیں تھا' دامن رسالت پناہ ﷺ تو اس کے ہاتھ میں نہیں تھا' اس کے سامنے وہ روشن چراغ نہیں تھا جو اللہ نے ہمارے سامنے کر دیا اور جس کے نور نے ہمارے سینے منور کر دیے۔ اب اگر حضور ﷺ کی دعوت اور نورِ نبوت کی تقسیم کے بعد بھی آنکھ بند کر کے جو کچھ ہم کر رہے ہیں' کیے جائیں تو حشر کو کیا ہو گا! اپنا فیصلہ آج ہم خود کریں' تو اپنے لئے کیا کہیں گے؟

ہر انسان خود اپنا منصف ہے

حشر کو کوئی عدالتیں نہیں بنائی جائیں گی' کوئی ججوں کی' فرشتوں کی کمیٹی نہیں بنے گی' کچھ بھی نہیں ہو گا۔ اعمال نامے پکڑا کر فرما دیا جائے گا۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ یہ اپنے کرتوت پڑھ۔ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ تو اپنے لئے خود ہی بہترین جج ہے۔ ذرا دیکھ تو نے کیا کرتوت کئے! آج تو خود اپنا جج ہے۔ جو کچھ تو نے دنیا میں فیصلے کئے' ان کا جو انجام ہے' آج تجھے بھگتنا پڑے گا۔ دنیا کا ہر لمحہ تو نے بحیثیت ایک جج گزارا ہے۔ تیرے سامنے جب بھی موقع آیا' تو نے فیصلہ کیا کہ میں یہ کروں گا۔ وہ تیرے فیصلے آج تیرے ہاتھ میں ہیں۔ آج ان پر نتائج مرتب ہوں گے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ (۱۵) اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ (۱۶) اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ
وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (۱۷) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ (۱۸) النصف

کہہ دیں، کیا میں تمہیں اس سے بہتر بتاؤں ان لوگوں کے لئے جو پرہیزگار ہیں؟ ان کے رب کے پاس باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور پاک بیبیاں اور اللہ کی خوشنودی، اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں اے ہمارے رب! بیشک ہم ایمان لائے، سو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اور صبر کرنے والے، سچے، حکم بجالانے والے، خرچ کرنے والے اور پچھلی رات میں بخشش مانگنے والے۔ اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور علم والوں نے (بھی)، (وہی) حاکم ہے انصاف کے ساتھ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زبردست حکمت والا ہے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

متاع دنیا کے مقابلے میں جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں، وہ کیسی ہیں، کن لوگوں کے لئے ہیں؟ فرمایا: قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ وہ لوگ جو اپنے شعور کو استعمال میں لاتے ہیں اور چیزوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو ایک طرف انہیں چیزوں کی لذتیں پکار رہی ہوتی ہیں اور دوسری طرف اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت ہوتی ہے، اللہ کی دعوت ہوتی ہے، اللہ کی کتاب ہوتی ہے۔ وہ دنیا کی ساری نعمتوں سے مستفید بھی ہوتے ہیں اور ہونا چاہیے لیکن فرق یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ نعمتیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق جائز ذرائع سے حاصل کرتے ہیں اور اپنے حصے کی نعمتیں استعمال کرتے ہیں۔ اطاعت الٰہی اور سنت پیامبر ﷺ کے مطابق دنیا کمانا بھی دین ہے، عبادت ہے۔ اس کے ساتھ انہیں مزید نعمتیں ملتی ہیں۔

محبت الٰہی کے اسیر کا طرز عمل تقویٰ کہلاتا ہے۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ وہ لوگ جو اللہ سے رشتہ محبت استوار کر لیتے ہیں۔ تقویٰ رب العلمین سے ایسا قریبی، ایسا نازک تعلق ہے جو ایک چاہنے والے اور محبوب کا ہوتا ہے، جو ایک عاشق اور معشوق کا ہوتا ہے، جو ایک طالب اور مطلوب کا ہوتا ہے۔ فَاِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ ۔ عرب

شاعر کا مصرعہ ہے کہ محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے، اس کا غلام بن جاتا ہے۔ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرتا، اس کی اطاعت اپنے لئے ضروری قرار دیتا ہے اس لئے کہ وہ محبوب کی ناراضگی مول نہیں لینا چاہتا۔ لہٰذا جیسا محبوب کہتا ہے ویسا کرتا ہے۔ تقویٰ اللہ کریم سے وہ محبت ہے جو اللہ کی اطاعت پہ پابند کر دے، نافرمانی کرنے پر خوف آئے کہ اس سے اللہ کریم ناراض ہوں گے اور مجھ سے اللہ کی ناراضگی برداشت نہیں ہو سکتی۔

جنت کی نعمتیں

جو لوگ اللہ سے ایسا تعلق قائم کر لیتے ہیں، اللہ کے پاس ان کے لئے جنت ہے۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ دنیا میں جتنے باغات ہیں، جتنے پھل بوٹے ہیں، یہ محتاج ہیں کہ جہاں پانی پہنچتا ہے، وہاں باغ لگ سکتا ہے یعنی باغ پانی کے تابع ہیں۔ اپنے وسائل سے جہاں آپ پانی پہنچا دیں گے یا پہنچ جائے گا، جہاں پانی ہوگا وہاں باغ لگے گا لیکن جنت میں تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ ان باغات کے تابع ہو کر نہریں بہتی ہیں۔ جہاں کسی جنتی کی رہائش ہوگی وہاں وہ باغ بن جائے گا اور اس کے لئے پانی کو وہاں پہنچنا ہوگا۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ ان میں پاک صاف بیبیاں ہوں گی۔ اللہ کریم نے جنت کی نعمتوں میں جنت کی ایک مخلوق حور بھی بنائی ہے جو اپنے حسن، کمال اور نفاست کے اعتبار سے اتنی ہی خوبصورت ہے جتنا اسے جنت میں ہونا چاہیے۔ بعض ارشادات عالیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جو تعبیریں ملتی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ جنت کی حور پنڈلی سے کپڑا ہٹا دے تو ہڈی کا گودا تک نظر آتا ہے، اس طرح شفاف وجود ہیں یا ایک ہتھیلی آسمان سے ظاہر کر دے تو سورج کی روشنی ماند پڑ جائے لیکن یاد رہے! حور وہ مخلوق ہے جو جنت میں اللہ نے پیدا فرمائی، زمین پر نہیں آئی اور دنیا کے امتحان سے نہیں گزری۔ جنت ہی میں پیدا ہوئی اور جنت ہی میں رہے گی۔ لہٰذا جو خواتین دنیا میں آئیں، مکلف ہوئیں، ایمان لائیں، اللہ کی اطاعت کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی یہ جنت کی اصل مالک ہوں گی۔ اللہ کریم انہیں حوروں سے زیادہ حسن اور حوروں سے زیادہ پاکیزگی دے گا اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی تکلیف اٹھائی اور دامان محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ہوئیں۔ انہوں نے کفر اور نافرمانی کے مقابلے میں اطاعت کے راستے کو چنا، رمضان کے روزے رکھے، سجدے کئے، اللہ کی تسبیحات کیں، قرآن کی تلاوت کی، راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کو یاد کیا اور زندگی ایک ایسے امتحان میں گزاری جس میں ایک طرف اولاد کی فطری محبت تھی، دنیا کی فطری محبت تھی، خاوند کی فطری محبت تھی، دنیا کی فطری ضرورتیں تھیں، ان تمام بوجھوں کو اٹھا کر اللہ کی اطاعت کو مقدم رکھا اور دنیا کے نقصانات، تکلیفیں، دکھ برداشت کیے لیکن اللہ کی اطاعت سے دست بردار نہ ہوئیں۔ یہ خواتین افضل ہوں گی۔ اللہ انہیں حوروں

سے زیادہ حسن، زیادہ پاکیزگی اور طہارت عطا فرمادے گا۔

رضائے الٰہی جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے

جنت کی سب سے بڑی نعمت وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ اللہ کی خوشنودی ہے کہ اللہ جنتیوں پر خوش ہوگا۔ جنت بجائے خود کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جنت کی ساری اہمیت اس بات پر ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مظہر ہے۔ جنت اسے ملے گی جس سے اللہ راضی ہوگا۔ اس لئے جنت ایک سند کی طرح اہم ہے۔ ایک آدمی سولہ سال لگا کر ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کرتا ہے جو ایک معمولی کاغذ ہے، اس کی کیا حیثیت ہے؟ لیکن وہ ماسٹر کرنے کی دلیل ہے، اس لئے وہ اس کاغذ کو جان سے عزیز رکھتا ہے۔ جنت اللہ کے بندوں کے لئے اللہ کی اطاعت، اللہ کی محبت اور اللہ کی اطاعت میں زندگی بسر کرنے کی سند ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ جنت اللہ کی رضا کا مظہر ہے۔ جنت ان لوگوں کی رہائش گاہ ہے جن پر اللہ راضی ہوگا تو وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ کو سب سے بڑی نعمت فرمایا۔

اللہ ہر بندے کو خود ملاحظہ فرما رہا ہے

ایک بات کا دھیان رہے! اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے کہ جو برائی کرتا رہے وہ جنت میں چلا جائے اور جو نیکی کرتا رہے وہ مارا جائے۔ ہماری دنیوی عدالتوں میں جج بھی بعض اوقات اتنا مجبور ہوتا ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اصل واقعہ کیا ہے، گواہیاں اور شہادتیں حقیقت کے خلاف ہوں تو فیصلہ ان کے مطابق دینا پڑتا ہے۔ بے گناہ پھانسی چڑھ جاتے ہیں اور گنہگار بری ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ پتہ نہیں فرشتہ کیا لکھ دے گا۔ فرمایا: بات ایسی نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ یہ تو اس کی قدرت ہے کہ اسباب و وسائل بنا دیئے ورنہ وہ ذاتی طور پر اپنے ہر ہر بندے کو خود ملاحظہ فرما رہا ہے۔ غلطی لگنے کا کوئی امکان نہیں۔ کسی کی نیکی ضائع نہیں ہوگی اور ذرا سی غلطی بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ وہ ذاتی طور پر ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ وہ ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، ہم نے ہر وہ بات تسلیم کی جو تیرے رسول ﷺ تسلیم کرنے کا حکم دیتے ہیں، ہم نے تیری ذات تیری صفات کو مانا، تیرے نبی ﷺ اور تیری کتاب کو مانا، ضروریات دین کو مانا۔ ہم سے بہت غلطیاں ہوئیں لیکن ہم تیری بخشش کے خواہش مند ہیں۔ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا ہماری غلطیاں کوتاہیاں گناہ معاف فرمادے۔ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ جو تیری ناراضگی کا مظہر ہے، تیرے غضب کا مظہر ہے۔

صبر

اَلصّٰبِرِیْنَ وہ لوگ کیسے ہوتے ہیں جو ایمان لائے' جو اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں۔ آگے اس کی تشریح بھی کردی کہ یہ بات محض زبانی کہنے کی نہیں ہے۔ **اَلصّٰبِرِیْنَ**۔ صبر ہوتا ہے جس طرح گھوڑے کو لگام کھینچ کر روک لیا جائے۔ اس کا حقیقی مفہوم ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو روک لینا۔ وہ لوگ جن کے سامنے گناہ کے مواقع بھی آتے ہیں' ناجائز پیسہ ملنے کے مواقع آتے ہیں' رشوتیں پیش ہوتی ہیں' وہ اللہ کی نافرمانی کر کے دنیا کی لذتوں سے وافر حظ اٹھا سکتے ہیں لیکن اپنے آپ کو روک لیتے ہیں' اللہ کی اطاعت پر جو صبر اختیار کرتے ہیں۔

صادقین

وَالصّٰدِقِیْنَ۔ اللہ اسے صدق عطا کر دیتا ہے' وہ راست باز ہو جاتا ہے۔ بنیاد صبر ہے' گناہ سے رک جانا' اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے روک لینا۔ فرمایا جب بندہ گناہ سے رک جاتا ہے تو اللہ اسے راست باز بنا دیتا ہے' صادق' کھرا اور سچا بنا دیتا ہے۔ اس کا شمار صادقین اور کھرے لوگوں میں ہوتا ہے۔

قانتین

وَالْقٰنِتِیْنَ۔ جو صبر کرتا ہے' اللہ اسے راست بازی عطا کرتا ہے اور پھر اسے فروتنی عطا کر دیتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس پہ اس کا دل خوش رہتا ہے' اسے قناعت عطا کر دیتا ہے۔ وہ روکھی سوکھی کھا کر پر سکون رہتا ہے' مزے میں رہتا ہے' مزے میں جیتا ہے۔ اس کے برعکس جو نافرمانی کرتا ہے' مار دھاڑ کرتا ہے' حرام کھاتا ہے' رشوت لیتا ہے وہ بے قرار و بے چین ہی رہتا ہے۔ اس کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ جتنی دولت آتی جاتی ہے اتنی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ اتنی ہوس بڑھتی جاتی ہے۔ بے چینی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ وہ کبھی مطمئن ہو کر نہیں بیٹھتا کہ اب کافی ہو گیا' اب بس کروں۔

اللہ کی راہ میں خرچ کی توفیق

وَالْمُنْفِقِیْنَ۔ جسے قناعت نصیب ہو گئی وہ اپنے حلال رزق سے اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ مار دھاڑ کرنے والے' لوٹ مار کر کے کروڑوں کمانے والے' لاکھوں میں تنخواہ لینے والے مالی چند سو روپے تنخواہ بھی کھا جاتے ہیں۔ جن کی اپنی تنخواہ لاکھوں میں ہے' گاڑیاں سرکاری ہیں' بنگلے سرکاری ہیں لیکن دھوبی کے پیسے کھا جاتے ہیں' پھر بھی ان کی پوری نہیں پڑتی۔ جو اللہ کی راہ میں خود کو گناہ سے روک لیتا ہے' اللہ اسے راست باز بنا دیتا ہے' فروتنی عطا کر دیتا ہے اور پھر اسے توفیق دیتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ بھی

کرتا ہے، اللہ کے بندوں کی مدد بھی کرتا ہے محتاجوں کے کام بھی آتا ہے۔

آہ سحر گاہی

پھر اسے ایک اور نعمت عطا کرتا ہے۔ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ جب لوگ غافل پڑے سو رہے ہوتے ہیں تو انہیں اٹھ کر اپنے ساتھ باتیں کرنے کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔ جب دنیا خواب غفلت میں پڑی ہوتی ہے، وہ سحری کو اٹھ کر رب العلمین سے محو گفتگو ہوتے ہیں، رکوع و سجود کر رہے ہوتے ہیں، تلاوت قرآن کرتے ہیں، اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ جب اللہ بہت راضی ہوتا ہے تو توفیق عطا کرتا ہے۔ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور وہ اپنے بندوں کو اٹھا دیتا ہے کہ تم میرے ساتھ باتیں کرو۔

طریق صوفیا

پھل شجر کا بیج بھی ہوتا ہے۔ آم پہ پھل لگتے ہیں تو آم کی گٹھلی آم کے درخت کا بیج بھی ہوتی ہے۔ اگر اس پھل کو کاشت کیا جائے تو وہ پودا نکل آتا ہے۔ صوفیاء کا یہ طریق ہے۔ راتوں کو اٹھ کر اللہ سے باتیں کرنا، سحری کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کرنا، ذکر اذکار کرنا اور اللہ کی یاد چونکہ پھل ہے تو صوفیاء نے اس پھل کو پھر سے کاشت کیا۔ لوگوں کو ذکر الٰہی پہ لگایا۔ لوگوں کو اٹھ کر تہجد پڑھنے کی تلقین کی۔ لوگوں کو سونے سے پہلے ذکر کی تلقین کی۔ ذکر کرتے سو جاؤ۔ سحری کو پھر یہ پودا اگاؤ۔ تمہیں صبر کی توفیق ہو، تم گناہ سے رک جاؤ۔ پھر جوں جوں پودا بڑھتا جائے گا تم راست باز ہو جاؤ گے۔ جوں جوں پودا بڑھے گا تمہیں قناعت آئے گی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے بن جاؤ گے اور جب اس پہ پھل آئے گا تو تم بہت زیادہ ذکر کرنے والے اور بہت زیادہ اللہ کی یاد میں جاگنے والے بن جاؤ گے۔

اپنی وحدانیت پہ اللہ خود گواہ ہے

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ اسلام کی پہلی خاتون شہید ہیں جنہیں مکہ مکرمہ میں ابو جہل نے تشدد کر کے شہید کیا۔ سارے تشدد کے بعد ابو جہل کو اس بات پہ غصہ آیا کہ ایک تو یہ نسل در نسل غلام ہیں، پھر غلاموں میں بھی یہ ایک عمر رسیدہ عورت ہے لیکن عظیم قریشی سردار ہونے کے باوجود یہ بڑھیا میری بات نہیں مان رہی۔ وہ خنجر لے کر سینے پہ سوار ہو گیا اور کہنے لگا، میں تمہیں مار دوں گا یا کم از کم دل سے نہ کہو لیکن میرا بھرم رکھنے کے لئے زبان سے تو کہہ دو کہ میں اللہ کی توحید کا انکار کرتی ہوں۔ انہوں نے جواب دیا میرے انکار سے کیا ہوگا؟ وہ ہے ہی ایک، میں انکار کروں یا نہ کروں تو کیا ہوگا۔ جب وہ ہے ہی ایک تو میں کیسے انکار کر دوں۔ تو کیسی بے وقوفوں جیسی باتیں کر رہا ہے، کیا تیری ضد سے اللہ دو ہو

جائیں گے؟ وہ ہے ہی ایک! اللہ کریم نے وہی خوبصورت بات فرمائی ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ ۔ اللہ خود اس بات کا گواہ ہے، کسی کی گواہی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اپنی ذات کی وحدانیت پہ وہ خود گواہ ہے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ اللہ کی گواہی خود اس بات پہ کافی ہے کہ وہ اکیلا ہے اور وہی لائق عبادت ہے۔ اب اللہ کی گواہی آپ دیکھ لیں۔ ساری کائنات کے ذرے ذرے میں بکھری پڑی ہے۔ گھاس کا ہر تنکا، سورج کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ بتائے گا کہ اس نظام کو چلانے والا کوئی ایک ہی ہے۔ اگر دو ہوتے تو کہیں تو اختلاف ہوتا۔ اتنا مربوط نظام ہے کہ لمحے کے کروڑویں حصے تک اس طرح سے مربوط ہے کہ کہیں ذرا سا نقص نہیں آتا۔ زمین اور سورج کے فاصلے میں اگر ایک انچ کا کروڑواں حصہ بھی روزانہ فرق پڑتا تو اب تک دنیا تباہ ہو چکی ہوتی۔ سورج سے اتنی دور نکل گئی ہوتی کہ لوگ ٹھٹھر کر مر جاتے یا اتنی قریب چلی گئی ہوتی کہ جل کے مر جاتے۔ اگر موت ہی نہ ہوتی تو یہ آج تک کی مخلوق کون سنبھالتا۔ اگر زمین کا پیٹ انسانوں کو سمو نہ لیتا تو صرف مردے پڑے رہ جاتے، دنیا پہ ہڈیوں کے ڈھیر ہی ہوتے۔ کوئی ایک چیز بھی لے لیں تو پتہ چلتا ہے کہ سارے نظام کو چلانے والی طاقت ایک ہی ہے جس کے حکم سے کسی شے کو انحراف نہیں اور وہ پورے نظم وضبط سے اسے چلا رہا ہے۔ فرمایا: اللہ خود اس بات پہ گواہ کافی ہے کہ وہ ایک ہے، وہی عبادت کے لائق ہے۔

وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ اس کے فرشتے جو مقدس اور نوری مخلوق ہیں، وہ گواہ ہیں اور روئے زمین پر اللہ نے جنہیں علم دیا ہے اور جو انصاف پر قائم ہیں، وہ سب گواہ ہیں۔ اہل علم بھی جانتے ہیں کہ وہی معبود برحق ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ ۔ اس کے ماسوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے یعنی غیر مشروط اطاعت کسی اور کی نہیں کی جائے گی سوائے اللہ کے۔ عبادت کیا ہے؟ غیر مشروط اطاعت، سو غیر مشروط اطاعت صرف اللہ کی ہو گی جو غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ اللہ کریم عقیدے کی سلامتی اور توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ
اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ
اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ

اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ

ع ۲ ۱۱ بِالْعِبَادِ ۝۲۰

بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ اور جنہیں کتاب دی گئی' (اہل کتاب) نے اختلاف نہیں کیا مگر آپس کی ضد سے اس کے بعد جبکہ ان کے پاس علم آ گیا' اور جو اللہ کی آیات (حکموں) کا انکار کرے تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اگر وہ آپ ﷺ سے جھگڑیں تو کہہ دیں میں نے اپنا منہ اللہ کے لئے جھکا دیا اور جس نے میری پیروی کی۔ اور آپ ﷺ اہل کتاب اور ان پڑھوں سے کہہ دیں کیا تم اسلام لائے؟ پس اگر وہ اسلام لے آئے' تو انہوں نے راہ پالی' اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ پر صرف پہنچا دینا ہے' اور اللہ (اپنے) بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

دین واحد

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ اللہ کے نزدیک یا اللہ کا مقبول دین صرف اسلام ہے۔ دنیا میں مختلف مذاہب ہیں اور مذہب کا معنی ہوتا ہے کسی نظریے کے ساتھ زندگی کی راہ پر چلنا۔ دنیا میں لوگوں نے مختلف نظریات گھڑ لیے۔ کہیں کسی نے اللہ کے لئے بیٹا تجویز کر لیا۔ کسی نے بتوں میں اللہ کے حلول کا اور اللہ کی موجودگی کا عقیدہ بنا لیا۔ کسی نے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی۔ کوئی ان دیکھی طاقتوں کو ان کے کسی نام کے بغیر پوجتا ہے۔ کچھ لوگ ارواح کی پوجا کرتے ہیں۔ بہر حال انسانی عقل ٹھوکریں کھاتی رہتی ہے۔ انسانی دماغ کو مختلف ترکیبیں سوجھتی رہتی ہیں لیکن سب میں ایک بات قدر مشترک ہے جو انسان کے مزاج میں رکھ دی گئی ہے کہ کوئی ایسی ان دیکھی طاقت ہو جو اس کی حفاظت کرے۔ اس کی رہنمائی کرے۔ اس کی ضروریات کی تکمیل کرے۔ وہ طاقت صرف اور صرف اللہ جل شانہ' کی ہے۔

اپنے زمانے میں مختلف انبیاء تشریف لائے۔ مختلف کتابیں نازل ہوئیں اور اس زمانے میں وہی اسلام تھا۔ ہر کتاب برحق تھی لیکن کسی خاص قوم کسی خاص علاقے اور ایک خاص وقت تک کے لئے تھی۔ حضورِ اکرم ﷺ کی بعثت تمام نوع انسانی کے لئے تھی، ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ قرآن کریم نازل ہوا تو اللہ کی آخری کتاب نے سارے انسانوں کے لئے اور ہمیشہ کے لئے زندگی کے سارے قواعد و ضوابط طے کر دیئے۔ اور اعلان فرما دیا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ دین سے مراد نظریے سے لے کر عمل تک وہ طرزِ حیات ہے جس پر اللہ کی رضا کی امید بھی رکھی جا سکے، جو واقعی برحق ہو۔ تو فرمایا، طرزِ حیات، طرزِ فکر، عقیدہ، نظریہ اور عمل صرف اور صرف اسلام ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ۔ جو اختلاف پرانے اہل کتاب کرتے ہیں، عیسائی اختلاف رکھتے ہیں، یہودی اختلاف رکھتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ؕ جب ان کے پاس علم آ چکا، اللہ کی کتاب آ چکی تو اللہ کی کتاب نے ان حقیقتوں کی تصدیق کی جو پہلی کتابوں میں بھی ازلی اور ابدی حقیقتیں ہیں جیسے توحید باری، انبیاء کی نبوت، قیامت، حساب کتاب، آخرت، جزا و سزا، جو ازلی و ابدی حقیقتیں ہیں اور پہلی کتابوں میں بھی تھیں۔ پہلی کتابوں میں احکام وقت کے اعتبار سے، لوگوں کی استعداد کے اعتبار سے، ایک خاص زمانے، خاص قوم اور خاص مزاج کے لوگوں کے لئے تھے۔ جب اللہ کی کتاب آئی مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ ۔ ان کے پاس علم آیا تو یہ قرآن کریم ایسا علم ہے جس نے نازل ہو کر بیک وقت ساری انسانیت کو مخاطب فرمایا اور روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے زندگی کے قواعد و ضوابط وضع فرما دیئے۔ عبادات ہوں یا احکام ہوں، اخلاقیات ہوں یا معاملات ہوں، ایسے اصول وضع فرمائے جو ہر ملک، ہر موسم، ہر طبع کے لوگوں کے لئے قابل عمل ہیں اور آسان ہیں۔ اب اگر وہ اختلاف کرتے ہیں تو بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ؕ آپس میں بغاوت کر کے، ایک دوسرے سے دشمنی کر کے یعنی جو اختلاف اسلام کے ساتھ اہل کتاب کو ہے وہ کسی خلوص یا صداقت پر مبنی نہیں ہے بلکہ محض اپنی انا کی تسکین کے لئے یا اپنی بات منوانے کے لئے ہے۔ حق یہ نہیں ہے کہ بندہ اپنی بات منوائے۔ حق تو یہ ہے کہ اللہ کی بات منوائی جائے۔ خود بھی مانے اور دوسروں سے بھی منوائے لیکن وہ اپنی بات منوانے کے لئے بغاوت کرتے ہیں۔

ختم نبوت

جب اللہ کا حکم آ گیا، اللہ کی کتاب آ گئی، اللہ کا رسول ﷺ آ گیا جس کی آمد کے بعد کسی نئے نبی کی

ضرورت باقی نہ رہی تو یہی ختم نبوت ہے۔ پہلے ایک ہی زمانے میں متعدد انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے تھے۔ ایک جگہ پر بھی متعدد نبی ہوتے تھے اور سارے مل کر بیک وقت کام کرتے تھے۔ بعض روایات میں موجود ہے کہ بنی اسرائیل نے ستر ستر انبیاء علیہم السلام کو ایک دن میں قتل کیا تو اس کا مطلب ہے کہ ستر نبی ایک جگہ موجود تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا سلسلہ تمام ہوا۔ انبیاء علیہم السلام اور احکام شریعت کا یہ عجیب تسلسل تھا۔ آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمین پہ قدم رکھنا انسانیت کی پیدائش تھی۔ پھر جوں جوں انسانیت بلوغت کی طرف بڑھتی گئی تو لوگوں کی فکری تعمیر ہوئی۔ لوگوں میں عمل کا جذبہ پیدا ہوا، سوچ میں تبدیلیاں آئیں۔ لوگ پھیلے، ضرورتیں بڑھیں تو ان کی تکمیل کے ذرائع تلاش کرنا پڑے۔ ہر زمانے میں نبی مبعوث ہوتے رہے، کتابیں آتی رہیں جو اپنے زمانے کے لوگوں کی رہنمائی کرتی تھیں۔ جب اس عہد سے انسانیت آگے نکل گئی تو اور نبی آئے، نئی کتاب آ گئی اور احکام بدل گئے۔ جب انسانیت اپنی بلوغت کو پہنچی، عاقل ہوگئی، پوری طرح سمجھدار ہوگئی تو اللہ کریم نے ایسا نبی مبعوث فرمایا ﷺ جو بیک وقت ساری انسانیت کے لئے اور ہمیشہ کے لئے مبعوث ہوا۔ یعنی انسانی دماغ، انسانی فکر اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ ہم بچے کو تعلیم دیتے ہیں لیکن ایک وقت آتا ہے کہ وہ تعلیم مکمل کر کے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے آگے میدان عمل ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانیت جب بالغ ہوگئی تو نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے۔ پہلے یہ وسائل نہیں تھے کہ ایک قوم یا ایک ملک کا علم یا دین بھی دوسری قوم تک پہنچایا جائے۔ ایسے وسائل نہیں تھے۔ لوگ پیدل سفر کرتے تھے، جانوروں کی پیٹھ پہ سفر کرتے تھے لہٰذا مختلف قوموں اور مختلف ممالک میں مختلف انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور ان کی رہنمائی فرماتے رہے۔ انسانیت کی بلوغت کا مطلب یہ تھا کہ نزول قرآن کے وقت انسانی وسائل روئے زمین پر اسے پہنچانے کے قابل تھے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے پوری انسانیت کو مخاطب فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ اے اولاد آدم! تم جہاں تک ہو، میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں۔ پھر یہ کتاب اور اس کے احکام، حضور ﷺ کے ارشادات قیامت تک کے لئے انسانیت کا دین برحق قرار پائے۔ اب کسی نئے دین، کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہ رہی اور ختم نبوت کا یہی مفہوم ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد بہت سے لوگ نبوت کا دعویٰ کریں گے لیکن سب جھوٹے ہوں گے۔

فقہاء کے نزدیک شرعی اعتبار سے حضور اکرم ﷺ کے بعد اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ کافر تو ہے ہی لیکن اگر کوئی اس سے دلیل طلب کرتا ہے کہ تمہارے نبی ہونے کی دلیل کیا ہے، تو وہ بھی کافر ہے، اس

لئے کہ اگر اس پہ ثابت ہو جائے تو وہ اسے نبی مان لے۔ یعنی کوئی دعویٰ نبوت کرتا ہے معاذ اللہ تو اس سے دلیل طلب کرنے کی ضرورت نہیں، وہ یقیناً کذاب ہے اور جو اس سے اس کی نبوت کی دلیل پوچھے وہ بھی کافر ہے چونکہ اسے ختم نبوت پہ یقین نہیں۔ وہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ شاید اس کے پاس کوئی دلیل ہو تو ہو سکتا ہے یہ نبی ہو۔ لہٰذا وہ کتاب آ گئی، وہ علم آ گیا، وہ دلائل آ گئے اور وہ براہین عطا کر دیے گئے جن کے بعد کسی نئی نبوت کی ضرورت باقی نہ رہی۔

فرمایا: اہل کتاب اس بات کو جانتے بھی ہیں، سمجھتے بھی ہیں تو وہ کیوں اعتراض کرتے ہیں! پھر وہ کیوں بغاوت کرتے ہیں۔ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ؕ۔ یہ ایک دوسرے کی دشمنی میں، ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے، اپنی اجارہ داری، اپنی مناپلی قائم رکھنے کے لئے ہے۔ اہل کتاب کو اس بات کا دکھ ہے کہ ہم کیوں اپنا نظریہ چھوڑ کر مسلمانوں کو اپنا امام بنا لیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم غلط تھے۔ بھئی اپنے زمانے میں آپ کی کتاب غلط نہیں، ٹھیک تھی لیکن اپنے وقت تک درست تھی۔ کتاب کا وقت ختم ہو گیا، نئی کتاب آ گئی، نیا رسول آ گیا، ساری انسانیت کے لئے آ گیا تو تم بھی دین قبول کر کے اتنے ہی معزز ہو سکتے ہو جتنا کوئی تم سے پہلے کا مسلمان ہے۔ تمہیں کسی کے پیچھے نہیں چلنا بلکہ سب کو مل کر اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے چلنا ہے۔

آج مغرب کو بھی یہی شکوہ ہے کہ مسلمان سچائی پر اسلام کی اجارہ داری کے قائل ہیں۔ یہ اجارہ داری نہیں، یہ ایک حقیقت ہے۔ طاقت کے زور سے اپنا تسلط قائم کیا جائے اسے اجارہ داری یا مناپلی کہتے ہیں۔ یہ مناپلی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام حق ہے اور اس کے سوا سب باطل ہے۔ اسلام سچ ہے اور اس کے سوا سب جھوٹ ہے۔ اسلام ہی اللہ کے نزدیک دین ہے اور یہ صرف ہمارا نہیں، یہ ساری انسانیت کے لئے ہے جو بھی اسے قبول کر لے۔ یہ مسلمانوں کی اجارہ داری نہیں، یہ ناقابل تردید حقیقت ہے اور یہ حق ہے کہ سچائی صرف اسلام میں ہے اور اسلام کے باہر سچائی نہیں ہے۔ یہ اللہ کا ارشاد ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟۔ یقیناً دین کا ایسا نظریہ اور ایسا عمل جو اللہ کے نزدیک بھی مقبول ہو، وہ صرف اسلام ہے۔

اللہ کے حساب لینے میں تاخیر نہیں

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اللہ حساب کے معاملے میں کوئی دیر نہیں کرے گا۔ بڑا جلدی حساب ہونے والا ہے۔ جو چیز ختم ہونے والی ہو، وہ کتنی بھی لمبی ہو وہ مختصر ہی ہوتی ہے کہ اسے ایک دن ختم ہونا ہے۔ دنیا کی زندگی کتنی بھی لمبی ہو، اسے ختم ہونا ہے۔ دن گزر جاتے ہیں لیکن گزرتے کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اس گھمنڈ میں نہ رہو کہ دنیا کی زندگی بڑی لمبی ہے، یہ ختم ہونے والی ہے۔ اللہ کریم نے دنیا کی عمر نہیں بتائی

لیکن کوئی اندازہ کرنا چاہے تو وہ یہ دیکھ سکتا ہے کہ بعثت نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے یہ دنیا کے بچپن اور لڑکپن کا زمانہ تھا اور بعثت نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے عالم انسانیت کی بلوغت شروع ہوتی ہے۔

جو مر گیا اس کے لئے قیامت آ گئی

مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ دنیا کی عمر جتنی بھی ہے لیکن جو مر گیا اس کے لئے تو قیامت قائم ہو گئی۔ موت بھی ایک چھوٹی قیامت ہے کہ عمل ختم ہو گیا اور بندہ حساب کتاب کی نگری میں داخل ہو گیا۔ اگرچہ حساب میدان حشر میں ہوگا لیکن حشر تک اسے برزخ میں رہنا ہے جہاں اس کی اقامت گاہ ہے۔ وہاں اس کے سٹیٹس اور مقام کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس کی قیامت تو قائم ہو گئی۔ ہماری قیامت تو ہر وقت ہمارے سر پہ کھڑی ہے کہ کب موت آ جائے اور قیامت قائم ہو جائے لیکن دنیا کی عمر ابھی کافی باقی ہے۔ ویسے اللہ قادر ہے، ابھی قیامت بھیج دے تو اسے کون روک سکتا ہے! بہرحال دنیا نے ابھی بہت سے انقلاب دیکھنے ہیں، بہت سی باتیں ہونا باقی ہیں لیکن اس کے باوجود انسان کے پاس وقت کم ہے۔ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے اسے کہہ دو کہ اللہ بڑا جلدی حساب لینے والا ہے اور جس کی موت آ گئی وہ تو حساب کتاب کے زمرے میں داخل ہو گیا۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ۔ اس کے باوجود اے میرے نبی ﷺ اگر وہ آپ ﷺ سے جھگڑا ہی جاری رکھیں اور اپنی بات پہ اصرار کریں اور آپ ﷺ کی بات کا انکار کرتے جائیں فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ۔ تو آپ ﷺ اعلان فرما دیجئے، میں نے اپنا رخ اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف کر لیا۔ تمہیں مجھ سے جھگڑنے کی ضرورت ہے نہ تمہارا جھگڑا مجھ پہ کوئی اثر کرتا ہے چونکہ میں نے اپنی سمت اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف درست کر لی ہے۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط اور جتنے لوگوں نے میرا دامن تھاما ہے ان سب کا بھی رخ درست ہو گیا۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ط آپ ﷺ اہل کتاب سے بھی اور ان سے بھی جو کتاب نہیں مانتے، مشرکین عرب ہیں یا ان پڑھ لوگ ہیں، جو پہلی کتابوں کو بھی نہیں مانتے، ان سب سے کہہ دیجئے ءَاَسْلَمْتُمْ ط کیا تم بھی قبول کرتے ہو کہ اپنی سمت اللہ کی طرف درست کر لو، اپنا عقیدہ اس کی توحید پہ راسخ کر لو، اپنے آپ کو اس کی اطاعت کے دائرے میں لے آؤ۔

فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ اگر وہ بھی اسلام قبول کر لیں، اس بات کو مان لیں تو ہدایت یافتہ ہو گئے۔ یعنی یہ کوئی کسی ایک کی فتح اور دوسرے کی شکست نہیں ہے، یہ تو حقیقت کو قبول کرنا ہے۔ اگر مسلمانوں نے حقیقت قبول کر لی ہے اور اب کوئی عیسائی یا کوئی غیر مذہب جو پہلے مسلمان نہیں ہے وہ بھی اسلام قبول کرتا ہے

تو ان کے ماتحت نہیں آ گیا یا ان سے کم تر نہیں ہو گیا بلکہ اس کا بھی وہی مقام و مرتبہ ہے جو ان کا ہے۔ وہ بھی اللہ کی طرف آ گیا۔ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وہ بھی ہدایت پانے والوں میں داخل ہو گیا۔

اپنی رائے دوسروں پر مسلط کرنا اسلام کے منافی ہے

وَاِنْ تَوَلَّوْا اور اگر وہ نہیں مانتے اور اپنی بات پہ اصرار کرتے ہیں۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ تو آپ ﷺ پر اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ آپ ﷺ نے کسی سے زبردستی منوانا نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے ذمے ہے کہ اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اگر کوئی اسلام قبول نہیں کرتا تو اس کے انسانی حقوق ضائع نہیں ہوں گے۔ اسے زندہ رہنے کا حق ہے’ اس کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کا حق ہے۔ اس کے انسانی حقوق قائم رہتے ہیں۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تو اس بات کے ذمہ دار آپ ﷺ نہیں ہیں’ آپ ﷺ کے ذمے اس تک پیغام پہنچانا ہے۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ اللہ کریم اپنے بندوں کو خود دیکھ رہا ہے۔ یہ معاملہ اور یہ سوال اس سے کرنا اور اس کا حساب لینا کہ تو نے حق قبول نہیں کیا’ یہ اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے۔ یہ اللہ کا کام ہے کہ اس کا محاسبہ کرے۔

یہ کتنی خوبصورت بات ہے کہ اسلام حقائق کو دوسروں تک پہنچاتا ہے’ ان پر مسلط نہیں کرتا۔ یہ اختیار ہر بندے کے پاس ہے کہ وہ حقیقت سمجھ کر قبول کرے۔ اس لئے نہیں کہ فلاں نے کہا ہے تو مان رہا ہوں۔ اگر اس کا دل قبول نہیں کرتا تو وہ آزاد ہے۔ اس کا حساب مسلمانوں کو نہیں لینا’ مجھے اور آپ کو نہیں لینا بلکہ اس کا حساب اللہ کریم خود لیں گے جس کا وہ بندہ ہے۔ وہ ہر بندے کے ساتھ خود موجود ہے۔ ہر بندے کے حالات و واقعات’ اس کے ارادے’ اس کے عقیدے کو خود دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا یہ کوئی بات نہیں ہے کہ کوئی بندہ بندوق لے کر نکل پڑے کہ جو میری بات نہیں مان رہا اسے اڑا دیا جائے۔ اب تو بات یہاں تک بڑھ گئی ہے مسلمانوں کے اندر جو اختلافات آئے ہیں’ ان پر ایک دوسرے کو قتل کیا جا رہا ہے۔ معمولی معمولی اختلافات پر قتل عام شروع ہے۔ اس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

اللہ کریم نے ہر بندے کو یہ حق دیا ہے کہ وہ جس طرح زندہ رہنا چاہتا ہے’ جس عقیدے پہ رہنا چاہتا ہے’ رہے لیکن اس پر روک ٹوک کی جائے گی کہ وہ دوسرے کے حقوق سے تجاوز نہ کرے’ دوسرے کے ساتھ ظلم نہ کرے۔ اس ظلم کو روکنے کا نام جہاد ہے۔ جہاد انفرادی فعل نہیں ہے بلکہ جہاد منظّم ہوتا ہے اور مسلمان سربراہ’ جو طاقت کا مرکز ہوتا ہے’ اس کے ذمے فرض ہوتا ہے کہ وہ برائی کو مٹائے یہ ہر بندے کا اپنا فیصلہ نہیں ہوتا۔

جس طرح ہم کسی کو قتل ہوتا ہوا دیکھیں اور قاتل کو قتل کر دیں تو ہم بھی قاتل کہلائیں گے۔ مقدمہ ہمارے خلاف چلے گا چونکہ ہمیں سزا دینے کا اختیار نہیں ہے۔ ہم اس کے خلاف شہادت دے سکتے ہیں لیکن جب عدالت اس کو سزائے موت دیتی ہے اور اسے پھانسی دے دی جاتی ہے تو عدالت کو قاتل کوئی نہیں کہتا چونکہ عدالت انصاف کا ایک ادارہ ہے، وہ قتل نہیں کرتی، وہ انصاف کرتی ہے۔ ہمارے پاس وہ اختیارات نہیں ہیں۔ یہی حال دہشت گردی کا ہے۔ اپنی پسند سے کسی مسجد، کسی امام باڑے، ہندوؤں کے کسی مندر میں بم پھینک دیں تو اس کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں، مسلمان حکومت کے ذمے واجب ہے کہ اگر ظلم ہو رہا ہے تو اس کے خلاف جہاد کرے۔ اس تنظیم کے تحت، اس مربوط کاوش کے تحت ہم بھی اس میں شامل ہوں لیکن یہ جو ہر بندے نے اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد الگ بنا لی ہے، اپنی ایک تنظیم بنا لی ہے اور ہر بندہ حکم دیئے جا رہا ہے کہ فلاں کو مار دو، فلاں کو مار دو، اس کی اجازت اسلام میں نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ
الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٢١
اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ
نّٰصِرِيْنَ ۝٢٢ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى
كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝٢٣ ذٰلِكَ
بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ وَّغَرَّھُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝٢٤ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ
نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٢٥

بیشک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں، اور انہیں قتل کرتے ہیں جو لوگ انصاف کا حکم کرتے ہیں، سو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے عمل ضائع ہو گئے

دنیا میں اور آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں دیا گیا کتاب کا ایک حصہ! وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، پھر ان کا ایک فریق پھر جاتا ہے اور وہ منہ پھیرنے والے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہمیں (دوزخ) کی آگ ہرگز نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن، اور انہیں ان کے دین (کے بارے) میں دھوکہ میں ڈال دیا اس نے جو وہ گھڑتے تھے۔ سو کیا (حال ہوگا) جب ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں، اور ہر شخص پورا پورا پائے گا جو اس نے کمایا، اور ان کی حق تلفی نہ ہوگی۔

خلاصۂ تفسیر ومعارف

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ایسے لوگ جو اللہ جل شانہٗ کی آیات واحکام کا انکار کرتے ہیں۔ **وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ** اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ **وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ** یہاں تک کہ لوگوں میں سے جو بھی حق کی بات کرے، بھلائی کی تعلیم دے، اسے قتل کر دیتے ہیں۔ **فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** ۝ ایسے لوگوں کو یہ بات بتا دیجئے کہ ان کا انجام بہت دردناک ہوگا۔ انہیں اللہ کے بہت دردناک عذاب کی اطلاع کر دیں۔ اس طرزِ عمل کی بنیاد احکامِ الٰہی کا انکار ہے۔

اگرچہ ان آیات کے نزول کا سبب وہ منکرین ہیں جو اہل کتاب میں سے تھے اور جنہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار ہی نہیں کیا بلکہ کفار کی امداد اور معاونت کرتے رہے اور مشرکین کو بھی اعتراضات سکھاتے رہے اور ہر طرح سے علمی اور عملی طور پر بھی اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے رہے لیکن قرآن حکیم ساری انسانیت کو خطاب کرتا ہے اور سارے زمانوں کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس زمانے کے لئے بھی تھا، آج کے لئے بھی ہے اور آئندہ زمانوں کے لئے بھی ہے۔ قرآن حکیم کی تمام باتیں اصولی ہوتی ہیں۔ اگرچہ ان آیات کا مصداق سابقہ امم تھیں لیکن اگر بعد میں آنے والے کسی شخص کا بھی یہی کردار اور عمل ہو تو عنداللہ ایسے ہی لوگوں میں شمار کیا جائے گا۔

اقسام کفر

انکار دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک انکار تو یہ ہے کہ سرے سے ماننے سے ہی انکار کر دے تو یہ صریح کفر ہے۔ ان کے پاس پہلے سے اللہ کی نازل کردہ کتابیں موجود تھیں۔ تورات اور انجیل میں بھی حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر دی گئی تھی۔ انکار حضور اکرم ﷺ کی نبوت کا ہو یا قرآن کا، یہ صرف قرآن اور آپ ﷺ کی نبوت کا انکار ہی نہیں تھا بلکہ وہ اپنی کتاب کے بھی منکر ہو رہے تھے۔ جو کچھ ان کی کتابوں میں تھا، اس کا بھی انکار کر رہے تھے۔ دوسرا کفر یہ ہوتا ہے کہ آدمی زبانی انکار تو نہ کرے لیکن اللہ کی کتاب پر عمل نہ کرے اور اس کا عمل اپنی پسند کا ہو۔ احکام الٰہی کی پرواہ نہ کرے تو یہ بھی انکار ہی شمار ہوتا ہے اگرچہ اس پہ علمائے حق نے کفر کا فتویٰ نہیں دیا اور اسے فسق شمار کیا ہے لیکن کفر کی بنیاد بھی جرم اور گناہ پر ہی ہوتی ہے۔ کفر ایک ایسی منزل ہے جس تک پہنچنے کا سبب گناہ بنتے ہیں یعنی عملاً آدمی تعلیماتِ الٰہی کا انکار کرتا ہے۔ اپنی عملی زندگی میں انکار کی یہ صورت ہمارے ہاں بھی ہے، اللہ ہمیں معاف فرمائے۔ قرآن حکیم نے سود کھانے کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے اعلانِ جنگ قرار دیا ہے لیکن ہم بڑے مزے سے کھا رہے ہیں۔ پہلے اعتراض ہوتا تھا کہ نظام ہی سارا سودی ہے لیکن جب سے بلا سودی نظام بھی رائج ہوا ہے تو کتنے لوگ ہیں جنہوں نے سود لینا چھوڑ دیا ہے! اکثریت اس میں ملوث ہے۔ اسی طرح سے دیگر امور میں، سچ بولنے میں، سچی گواہی دینے میں، دوسروں کی جان مال آبرو کے تحفظ میں، معاملات میں، لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں، اگر عملی زندگی میں ہم لوگ اپنی من مانی کریں گے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کریں گے تو عملاً یہ بھی انکار ہوگا۔

عملاً کفر کا نتیجہ

عملاً کفر ایسا جرم ہے جو بڑھتے بڑھتے نہ صرف انکار تک لے جاتا ہے بلکہ اس سے بھی شدید جرم تک لے جاتا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو ان کی بدنصیبی اس قدر بڑھی اور ان کے دل اتنے سخت اور قلوب اتنے سیاہ ہو گئے کہ پھر انہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ناحق قتل کیا۔ ''ناحق قتل'' سے قرآنِ حکیم کی مراد یہ ہے کہ وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ یہ لوگ حق پر ہیں اور وہ انہیں ظلماً شہید کر رہے ہیں۔ قتل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو ویسے ہی ناحق تھا، ظلم تھا لیکن یہ اور بھی بڑا ظلم ہے کہ وہ جانتے تھے، سمجھتے تھے کہ جو لوگ یہ بات کہہ رہے ہیں وہ حق ہے لیکن پھر بھی انہیں شہید کر دیا۔ بات انکار حق سے شروع ہوئی تو قتل انبیاء علیہم السلام تک پہنچی۔ انبیاء علیہم السلام حق پہ اصرار کرتے تھے، انہوں نے حق کی بات کا انکار کیا تو ایک مقابلہ شروع ہوا جو بڑھتے بڑھتے انبیاء علیہم السلام کے قتل تک جا پہنچا۔ پھر ساری زندگی وہ اس مصیبت میں مبتلا ہو گئے کہ جو

بندہ بھی حق کی بات کہتا وہ اس کے دشمن ہو جاتے اور ایسے لوگوں کو بھی قتل کر دیتے۔ یعنی اللہ کے احکام کا انکار اتنی بڑی مصیبت ہے کہ اپنے بعد بے شمار ایسے گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے جن کی تلافی ممکن نہیں ہے۔

اللہ کریم کی رحمت بہت وسیع ہے اور انسانی گناہ اسے عاجز نہیں کر سکتے۔ اگر انسان زمین و آسمان کے درمیان خلا کو گناہوں سے بھر دے تو بھی ایک توبہ کافی ہے۔ اللہ قبول فرمائے تو ایک توبہ ان سب کی معافی کے لئے کافی ہے لیکن بعض جرائم ایسے ہوتے ہیں، بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جو ناقابل معافی ہوتے ہیں۔ ایسے گناہ جو توبہ کی توفیق بھی سلب کر لیتے ہیں اور دلوں پر مہر ہو جاتی ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی، ان کے کانوں پر پردے ڈال دیے گئے۔ آنکھوں پر پردے ڈال دیئے گئے۔ نہ وہ حق سنتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں، نہ ان کے دل قبول کرتے ہیں۔ اس کا سبب آدمی کے بعض ایسے گناہ ہوتے ہیں جو عنداللہ بہت بڑے ہیں اور جو اللہ کو بہت ناپسند ہیں۔ اللہ معاف کرے، جب آدمی ان کا مرتکب ہوتا ہے تو توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے۔

اللہ کریم نے اس کی مثال ان اہل کتاب سے دی جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ ﷺ کے خلاف دوسروں کو صف آرا کیا اور اسلام کے خلاف محاذ آرائی میں لگے رہے۔ انکارِ کتاب سے یہ قتل انبیاء علیہم السلام تک پہنچے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر محاذ آرائی، بدر و احد اور خندق میں لشکر کشی، یہ سارا کیا تھا، اس کی بنیاد کیا تھی! لوگوں کو آقائے نامدار ﷺ پر اور آپ ﷺ کے متبعین پر لشکر کشی کرنے اور تلوار چلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی! اس کی بنیاد کتاب اللہ کا انکار تھا، اس کی بنیاد اللہ کی آیات کا انکار تھا۔ کتاب اللہ کا انکار انہیں اس درجے تک لے گیا کہ وہ شمشیر بکف ہو کر آقائے نامدار ﷺ کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ یہ زبانی اور عملاً کفر انسان کو گناہ کی اس دلدل تک لے جاتا ہے! دیکھنا یہ چاہیے کہ نتائج عمل پہ مرتب ہوتے ہیں، کہنے پہ مرتب نہیں ہوتے۔ ایک عام سی مثال ہے کہ کوئی بندہ سارا دن کہتا رہے کہ میں نے کھانا کھالیا، میں نے کھانا کھالیا لیکن اس کے کہنے سے اس کی بھوک نہیں دور ہو گی۔ جب تک عملاً وہ کھانا کھائے گا نہیں اس کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ نتیجے تو عمل پہ مرتب ہوتے ہیں۔ اگرچہ آدمی کہتا رہے کہ میں انکار نہیں کرتا، میں مانتا ہوں لیکن نتائج عمل پہ مرتب ہوتے ہیں۔ جب وہ عملی زندگی میں انکار کرے گا، احکام الٰہی اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے خلاف عمل کرے گا تو نتائج عمل پر مرتب ہوں گے۔

کوئی گناہ بھی چھوٹا نہیں

علمائے حق گناہوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں، گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ لیکن اجتماعی طور پر جب

اس ساری بحث کو سمیٹا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ گناہ بہر حال گناہ ہے اور ہر گناہ ہی بڑا ہے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ گناہ کرنے والے نے چھوٹی نافرمانی کی' اس لحاظ سے بڑا ہے کہ نافرمانی کس کی تھی! یعنی چھوٹی نافرمانی بھی ہوتی تو کس ہستی کی تھی! اللہ کی نافرمانی کی' اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو گناہ چھوٹا نہیں ہوتا۔ بتقاضائے بشریت انسان سے غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ کریم کی رحمت انسانی غلطیوں کو معاف کرنے کے لئے بہت وسیع ہے لیکن وہ شخص جسے احساس ہو جائے کہ میں نے غلط کیا ہے' پھر توبہ کرے' اللہ سے استغفار کرے' معافی مانگے اور دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت کی توفیق عطا فرما تو گناہوں کا مداوا بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ دن میں کم از کم سو بار استغفار ضرور کر لیا کرو کہ ہم سے ایسے گناہ بھی ہوتے رہتے ہیں جن کی ہمیں خبر ہی نہیں ہوتی۔ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ ایک آدمی نیک عمل کرتا رہتا ہے لیکن کبھی اس کی زبان سے ایک جملہ ایسا نکل جاتا ہے جو اس کے دوزخ میں جانے کا سبب بن جاتا ہے اور ساری نیکیاں تباہ کر دیتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کی زندگی تو بھلی نہیں ہوتی' خطا کار ہوتا ہے لیکن اس کے منہ سے کسی موقع پر ایک جملہ ایسا نکل جاتا ہے جو اللہ کو پسند آ جاتا ہے اور اسے توبہ کی توفیق عطا کر دیتا ہے' اسے نیک بنا دیتا ہے۔ وہ ایک جملہ اس کے جنت میں جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ یعنی اس ایک جملے کے طفیل توبہ نصیب ہو گئی' آئندہ زندگی بدل گئی تو وہی ایک جملہ بخشش کا سبب بن گیا یا گستاخی کا کوئی ایک جملہ ایسا نکلا جس پر اعمال سلب ہو گئے' توفیق عمل سلب ہو گئی' باقی زندگی گناہ کے سمندر میں چلی گئی اور وہ جہنم پہنچ گیا۔

ادب تمام اعمال پر حاوی ہے

اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کے ساتھ معاملہ بہت نازک ہے۔ تمام اعمال کی بنیاد ادب ہے۔ اور بارگاہ رسالت پناہی ﷺ کے آداب قرآن کریم نے تعلیم فرمائے ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر

یعنی ایسی ادب گاہ ہے کہ عرش عظیم سے بھی معاملہ نازک ہے۔ اگر غیر شعوری طور پر بھی حضور ﷺ کی مجلس میں کسی کی آواز بلند ہو گئی تو فرمایا اس کی تمام نیکیاں سلب ہو جائیں گی' اسے اللہ کی بارگاہ سے رد کر دیا جائے گا۔ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ تو اس کے مخاطب میں اور آپ نہیں' وہ عظیم لوگ تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں قربانیاں دیں' تیرہ برس کی مکی زندگی میں مختلف مصائب جھیلے۔ وہ عظیم لوگ جو بدر و احد میں ہم رکاب رہے۔ وہ عظیم لوگ جن کے چہروں پہ اور جن کے سینوں پہ زخموں کے

نشان تازہ تھے۔ وہ عظیم لوگ جنہوں نے مال، جان، اسباب اللہ کی راہ میں دے دیا۔ جب یہ تنبیہ کی جا رہی تھی تو مخاطبین اول وہ عظیم لوگ تھے۔ ان کی ساری نیکیاں بجا، ساری قربانیاں صحیح لیکن اگر غیر شعوری طور پر بھی بارگاہِ رسالت پناہی میں گستاخی ہوگئی تو پھر کسی نیکی کی کوئی قیمت نہیں۔ ماوشما تو کسی قطار میں نہیں، ہماری حیثیت کیا ہے! اگر ہم اتنی کم حیثیت کے باوجود اتنی جرأت کریں کہ عظمت رسالت ﷺ کو خیال میں نہ رکھیں اور زندگی کو حضور ﷺ کی سنت سے آزاد کردیں تو کس انجام کی توقع رکھیں!

راستے دو ہیں، یا وہ راستہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا ہے یا دوسرا راستہ شیطان کا ہے، تیسرا کوئی راستہ نہیں۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً اے ایمان والو! اس آیہ کریمہ کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو کلمہ پڑھتے ہیں، جو دعویٰ ایمان رکھتے ہیں، اس کی توحید کو ماننے والے، نبی کریم ﷺ کی رسالت اور ضروریات دین کو ماننے والے اٰمَنُوا تو وہی کہلائیں گے۔ انہیں کو حکم ہو رہا ہے کہ تم نے ایمان کا دعویٰ تو کیا، ماننے کا اقرار تو کیا لیکن عملی طور پر ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً۔ سارے کے سارے اسلام کے اندر آ جاؤ۔ صرف کہہ دینا ہی کافی نہیں ہے، عملی طور پر اندر آ جاؤ۔ اگر اسلام کی حدود کے باہر کوئی قدم رکھتے ہو تو فرمایا: وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ شیطان کے نقوش پا پر مت چلو یعنی اسلام کے باہر جو راستہ بھی ہے وہ شیطان کا راستہ ہے۔ اللہ کریم معاف فرمائے، ہمیں اس کا اطلاق اور احتساب اپنی ذات کے حوالے سے کرنا چاہیے اور اللہ کریم سے یہ توفیق مانگنی چاہیے کہ وہ ہمیں حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین!

اطاعت کی توفیق بھی اللہ ہی سے مانگو

ہمارا زندگی کا ڈھب کچھ بدل گیا ہے۔ کہیں کوئی ایک دعا یہ بھی ہو کہ اے اللہ! مجھے حضور ﷺ کا صحیح اتباع کرنے کی توفیق عطا فرما۔ یہ ایک دعا بھی کرلیں تو دنیا و آخرت کے سارے معاملے حل ہو جاتے ہیں۔

دنیا کی پریشانیوں کا حل بھی اتباعِ رسالت ﷺ ہے، آخرت کی پریشانیوں کا حل بھی اتباعِ رسالت ﷺ ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ جب ہم اللہ سے برکات چاہتے ہیں اور اس کی اطاعت نہیں کرتے تو یہ ایک بے ڈھنگا سا سوال ہو جاتا ہے کہ اے اللہ! ہم تیری نہیں مانتے لیکن تو ہماری بات مان لے، یعنی کلیہ ہی بدل دیا جاتا ہے۔ وہ حاکم مطلق ہے اور ہمیں بہرحال اس کی اطاعت کرنا ہے۔ اصول یہ ہے کہ حاکم مطلق کے ساتھ کوئی شرط نہیں لگائی جاسکتی کہ میں تیرا یہ کروں گا تو میرا یہ کر، یہ ناجائز ہے۔ وہ حاکم مطلق ہے، اس کی اطاعت کے سوا چارا ہی نہیں ہے۔ عملاً ہم یہ کرتے ہیں کہ ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے لیکن اللہ میاں آپ ہماری مانیں۔ ایسی دعاؤں میں کیا اثر ہوگا! یوں تو ہر شے اللہ ہی سے مانگنی ہے، وہی دینے والا ہے

اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد عالی کا مفہوم ہے کہ جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ کی بارگاہ سے مانگو۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس سے مانگو، بڑی سے بڑی بھی اس سے مانگو۔ دنیا بھی اسی سے مانگنی ہے، پریشانیوں کا حل بھی اسی سے مانگنا ہے، صحت بھی اسی سے مانگنی ہے لیکن ہم اس کی اطاعت کی توفیق بھی مانگیں اور اس کی اطاعت بھی کریں۔ یہ چیزیں اطاعت کے ساتھ ازخود آ جائیں گی۔ جب ان چیزوں کو اطاعت کے ساتھ مانگا جائے گا تو مانگنا بھی عبادت ہو جائے گا۔

فرمایا: احکام الٰہی کا انکار قتل انبیاء علیہم السلام تک پہنچا دیتا ہے تو اسی انکار کے نتیجے میں ہر اچھے آدمی کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ میرے حبیب ﷺ! ایسے لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جو اس مصیبت میں پھنس گیا، وہ دنیا میں بھی تکلیف سے زندگی گزارے گا اور آخرت میں بھی اس کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۔ جو اس مصیبت میں پڑ جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت، دونوں جہانوں میں غارت کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر اتفاق سے کوئی بھلا کام بھی ان سے ہو جائے تو وہ بھلائی شمار نہیں ہوتا، اس لئے کہ بھلائی کرنے کا تو وہ ارادہ ہی نہیں رکھتے۔ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ○ اور اس مصیبت میں گرفتار لوگوں کا کوئی مددگار بھی نہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ان کے لئے دست دعا ہی اٹھا دے، جو اللہ کی بارگاہ میں التجا کر کے ان کی مدد کر سکے۔

کتاب اللہ سے اعراض کا طرز عمل

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ○ آپ نے دیکھا کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی، جب انہیں اسی کتاب کی طرف دعوت دی گئی کہ اگر ان میں کوئی جھگڑا ہے تو اُس کتاب کے مطابق اسے حل کر لیا جائے تو اس پر ان میں سے ایک فریق منہ پھیر کر چلا گیا اور ماننے سے انکار کر دیا۔ رسالت پناہی ﷺ میں بعض یہود کا ایک جھگڑا آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اپنی کتاب پر ایمان ہے تو تمہارے جھگڑے کا فیصلہ تمہاری کتاب تورات کے مطابق کر دیا جائے لیکن اس پر بھی ایک فریق ناراض ہو کر چلا گیا کہ یہ ہمارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے اور ہمیں خواہ مخواہ کتاب کا پابند کیا جا رہا ہے۔ یہ آج کل بھی ہے کہ لوگ اپنی پسند سے جینا چاہتے ہیں، اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی پسند سے نہیں۔ ان سے جب دین کی بات کی جائے تو وہ جھگڑتے ہیں کہ آپ خواہ مخواہ ہم پر دین کے حوالے سے اپنی بات ٹھونسنا چاہتے ہیں، ہمارے معاملات میں مداخلت کرتے ہو۔ یہ مداخلت نہیں کہ کسی کو خلوص نیت سے اللہ کا حکم سمجھایا جائے لیکن اب قحط الرجال ہے۔ نہ خلوص سے حق سمجھانے والے لوگ ملتے ہیں اور نہ کوئی حق کا طالب

ملتا ہے۔ جو ملتا ہے وہ چاہتا ہے کہ دین بھی میری پسند کے مطابق ہو' احکام بھی وہ ہوں جیسے میں چاہتا ہوں۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا رہوں لیکن اس پر مجھ کو ثواب بھی ملتا رہے۔ کوئی ایسا وظیفہ بتا دو جو میں پڑھ لوں اور لوگوں کا مال بھی ہڑپ کرتا رہوں' لوٹ مار بھی کرتا رہوں' برائی بھی کرتا رہوں لیکن مجھے جنت کا سرٹیفکیٹ بھی مل جائے۔ یہ راستہ بتانے والے بھی بے شمار ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کام کر لو جنت تمہاری پکی ہو گئی' پھر جو چاہو کرتے رہو۔ یہ خود فریبی ہے' اپنے آپ کے ساتھ دھوکا ہے۔ جیسا کردار ہو گا ویسے ہی نتائج سامنے آئیں گے۔

اہل کتاب کی ایک غلط فہمی

فرمایا: یہ لوگ کیوں اللہ کی کتاب کو نہیں مانتے اور عملی زندگی میں اس پر عمل کرنے سے بھاگتے ہیں؟ اس لئے کہ انہیں ایک اور غلط فہمی ہو گئی ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۔ یہ کہتے ہیں کہ دوزخ ہمیں نہیں چھوئے گی اور اگر کسی جرم' کسی گناہ کے بدلے میں چند روز جانا بھی پڑا تو معمولی عذاب ہو گا اور پھر نجات ہو جائے گی۔ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ ان کے ان جھوٹے خیالوں نے' ان کی ان افتراء پردازیوں نے انہیں دلیر کر دیا ہے۔ دین کی اطاعت سے گریزاں ہیں' دین پر عمل نہ کرنے میں دلیر ہو گئے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات آ گئی ہے کہ تم نے یہ کام کر لیا تو جنت تمہاری ہو گئی۔ دوزخ میں تمہیں جانا نہیں ہے' موج کرو۔ یہ عملی زندگی میں کتاب الٰہی کا انکار کرتے اور اس سے بھاگ جاتے ہیں تو اس کے پیچھے ان کی یہ خوش فہمی ہے کہ ہمیں تو جانا ہی جنت میں ہے' پھر ہم بات کیوں مانیں۔ جنت بہر حال ہماری ہے اور اگر کسی غلطی کی پاداش میں دوزخ میں بھی جانا پڑا تو دو چار روز کی سزا ہو گی' ہمیں اللہ دوزخ میں نہیں رکھے گا۔ رہنا ہمیں جنت ہی میں ہے۔

مسلمان بھی زعم باطل کا شکار ہے

یہی حال آج ہماری زندگیوں میں ہے۔ آج ہم مسلمانوں میں بھی بے شمار طبقے ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کام کر لو تو جنت پکی ہو گئی۔ پیر صاحبان بھی ہیں' علماء حضرات بھی ہیں' تبلیغ والے دوست بھی ہیں اور وہ بھی سند دے دیتے ہیں کہ ایک سہ روزہ لگا لو تم جنتی ہو گئے۔ سہ روزہ لگا کر عملی زندگی کی اصلاح ہو جائے تو واقعی جنتی ہو گئے لیکن سہ روزہ کیا تین سال بھی لگائیں اور عمل وہیں کا وہیں رہا' کردار ویسا ہی رہا تو وہ تین سال بھی ضائع گئے۔ اس پر جنت کی سند کیسے دی جا سکتی ہے! اسی طرح پیر صاحبان ایک وظیفہ بتا دیتے ہیں' یہ وظیفہ پڑھتے رہو تو جنت تمہاری ہے۔ اب وظیفہ پڑھتے رہو اور جو جی چاہے کرتے رہو' اس طرح تو جنت نہیں ملے گی۔ اگر اس وظیفہ میں کوئی تاثیر ہے تو بندے کا یقین مستحکم ہونا چاہیے۔ اتنا مضبوط کہ اس کے کردار کو بدل

دے، اس کے اعمال نیک ہو جائیں۔ یعنی ہر وہ بات جس کے نتیجے میں عملی زندگی میں نیکی آ جائے تو واقعی وہ جنت میں لے جانے والی بات ہے لیکن اگر عملی زندگی ویسی ہی رہی تو اللہ کریم فرماتا ہے یہ تو افترا پردازی ہے، یہ تو جھوٹ باندھنے والی بات ہے کہ بھئی یہ کرلو تو جنت تمہاری ہوگئی۔

میں نے پیروں میں بڑی عجیب بات دیکھی ہے کہ فلاں حضرت نے ہمیں خلافت دی۔ اب یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ اس نے مجھے کوئی ذکر اذکار تعلیم کرائے تو کیا مجھے کیفیات نصیب ہوئیں، برکاتِ نبوت ﷺ میں سے حصہ ملا، میری عملی زندگی، میرا یقین تبدیل ہوا، کیا مجھ میں کوئی تبدیلی آئی؟ ایک چغہ پہن لو، تسبیح پکڑ لو اور خلیفہ بن گئے۔ وہ اس پہ خوش ہے کہ میں خلیفہ ہوگیا لیکن اپنی اصلاح کی فکر ہے نہ دوسروں کی، خود بھی خوار ہو رہا ہے دوسروں کو بھی خراب کر رہا ہے اور اس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتا ہے حالانکہ اسے پتہ ہے کہ اس کے اندر کچھ بھی نہیں۔ اسے پتہ ہے کہ اس کے پاس کوئی کیفیت نہیں لیکن اس پہ خوش ہے کہ میں خلیفہ ہوں۔ اگر کوئی مثبت تبدیلی نہیں آئی تو کس بات کا خلیفہ ہے؟ کس بات کی پیری ہے؟ عقیدے، عمل اور کردار کی اصلاح نہیں ہوتی تو کس بات کی پیری اور کس بات کی خلافت ہے لیکن لوگ اپنے آپ کو دھوکا دے کر خوش رہتے ہیں۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۔ اس وقت کیا ہوگا جب ان سب کو اس دن اٹھایا جائے گا جس کے واقع ہونے میں کوئی ادنیٰ سا شک بھی نہیں ہے۔ جب قیامت قائم ہوگی، سب کو اٹھ کر بارگاہِ الوہیت میں پیش ہونا پڑے گا تو اس وقت کیا ہوگا؟ ہماری جو سوچیں ہیں یا لوگوں نے جو خوش فہمیاں پھیلا رکھی ہیں، یہ سارے دعوے کھل جائیں گے۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ○ ہر آدمی کا جو کردار ہوگا اس پر اسے نتائج دیئے جائیں گے، اس کے دعوؤں اور اس کے کہنے پر نہیں بلکہ عملی زندگی میں اس نے بھلا کیا یا اس نے کسی کو بھلا سکھایا۔ قرآن کا انداز بھی عجیب ہے۔ **فَكَيْفَ**! کیا حال ہوگا اس وقت! لوگ کس قدر حیران ہوں گے! یہ جنہیں آج خوش فہمیاں ہیں کہ عمل کچھ بھی نہ کرو، جنت تمہاری پکی ہوگئی، جب روزِ حشر یہ کہا جائے گا کہ لاؤ ان کے اعمال کے دفتر، تو اس وقت ان کا کیا حال ہوگا!

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ○ اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ کسی سے زیادتی نہ کرو لیکن جو کچھ اس نے کیا ہے اس پر نتائج مرتب کرو اور اگر عمل کا میدان خالی ہوگا تو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر اعمال غلط ہوں گے تو سزا ملے گی۔ دعویٰ تو جنت پانے کا تھا لیکن وہاں جا کر آنکھ کھلی اور پتہ چلا کہ پلے تو کچھ بھی نہیں بلکہ سزا ملنے والی ہے تو ان کا حال کیا ہوگا!

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ
تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ
شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ
مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾
لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ
صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾

آپ کہیں اے اللہ! مالک ملک کے، تو جسے چاہے ملک دے، تو جس سے چاہے ملک چھین لے اور جسے تو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے، تیرے ہاتھ میں تمام بھلائی ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور تو بے جان سے جاندار نکالتا ہے اور جاندار سے بے جان نکالتا ہے۔ اور جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائے، اور جو ایسا کرے تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے کہ تم ان سے بچاؤ کرو۔ اور اللہ تمہیں ڈراتا ہے اپنی ذات سے اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کہہ دیں جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو اللہ اسے جانتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ فرما دیجئے اے اللہ تو مالک ہے ملک کا۔ اقتدار اعلیٰ تیرا ہے اور تجھی کو زیبا ہے۔ صرف تیرا اقتدار ہے جو ہر طرح سے کامل و مکمل ہے۔ جس میں کوئی کمی، کوئی خامی نہیں ہے۔ جو ازل سے ہے، جو ابد تک ہے۔ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا اور جو ارض و سما کی ہر شے، تمام مخلوقات پر مکمل طور سے حاوی ہے، صرف تیری حکومت ہے، تیری بادشاہت ہے۔ تو قادر ہے، یہ تیرا بنایا ہوا نظام ہے۔ تو نے اپنی مخلوق کو زمین میں پیدا فرمایا، بنی نوع انسان کو پیدا فرمایا، ان میں مل جل کر رہنے کا مزاج بنایا، افراد کے ملنے سے ایک معاشرہ تشکیل پایا۔ اب اس معاشرے میں ایک طاقت کی ضرورت پیدا فرما دی جو اسے صحیح سمت پہ گامزن رکھے۔ اس کے لئے تو نے حکومتیں، اقتدار بنا دیئے اور یہ فیصلہ بھی تیرا ہے کہ جسے چاہتا ہے اقتدار عطا کر دیتا ہے۔

تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ ۔ جسے چاہتا ہے اسے اقتدار عطا کر دیتا ہے۔ بات سمجھنے کی ہے اور اس میں تھوڑا سا فرق لگ جاتا ہے۔ ہمارے ہاں بعض حکمران ایسے بھی رہے جنہیں اپنے دیندار ہونے کا احساس تھا۔ بعض اوقات وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے مجھے اقتدار دیا لیکن انداز ایسا ہوتا کہ جیسے ان کے علاوہ اللہ کو کوئی دوسرا ملا ہی نہیں۔ یعنی بات کرنے کا بھی انداز ایسا ہوتا ہے کہ جیسے میں ہی وہ آدمی ہوں جو یہ کام کر سکتا تھا۔ گویا میں اللہ کی مجبوری ہوں ورنہ اللہ کے پاس کوئی دوسرا نہیں تھا۔ بات ایسی نہیں ہے۔

جاہ و اقتدار کی حقیقت

تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۔ تو جسے چاہتا ہے، اسے وقتی طور پر، کچھ عرصے کے لئے کچھ لوگوں پہ حکومت دے دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس سے لے لیتا ہے۔ اقتدار و اختیار کسی کی جاگیر نہیں۔ جس طرح روزی تقسیم ہوتی ہے، اقتدار و اختیار بھی تقسیم ہوتا ہے۔ جب چاہتا ہے کسی کو دے دیتا ہے اور جب چاہتا ہے فوراً لے لیتا ہے۔ گذشتہ پندرہ، بیس سالوں میں ہمارے سامنے کتنی عملی مثالیں ہیں کہ ہمیں کہیں دور جانے یا پرانے قصے یاد کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ مجیب الرحمٰن کی ایک آواز پہ پورا ملک ہل جاتا تھا۔ اسے حکومت بھی ملی لیکن ہم نے پھر دیکھا کہ نہایت بے بسی کی موت مارا گیا۔ اندرا گاندھی ہندوستان کی فرمانروا تھی اور اسے بڑا فخر تھا کہ میں نے پاکستان کو توڑ دیا لیکن جو گارڈ حفاظت پر مامور تھا، اسی نے گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ اسی طرح اس کا بیٹا مشہور و معروف حکمران تھا جسے ایک عورت نے قتل کر دیا۔ خود

پاکستان میں کتنے لوگ آئے اور کتنی بے بسی کی موت مارے گئے۔ ایسے لوگ جن کے اشارۂ ابرو پر پورا ملک ہل جاتا تھا، کس کسی طرح بے بسی کی موت مر گئے۔ کتنے طاقتور لوگ کس طرح راہ گزرتے مارے گئے اور کسی نے پوچھا تک نہیں کہ کس نے مارا، کیوں مارا؟

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

باقی گھڑے گھڑائے بت ہیں۔ کسی کو دس دن اقتدار دیا پھر اٹھا کر نیچے پھینک دیا۔ یہ اللہ کا اقتدار ہے جو ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ اے اللہ! حقیقتاً تو حکمران ہے۔ **تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ** تو جسے چاہے وقتی طور پر اقتدار دے دیتا ہے جو اس کی آزمائش ہوتی ہے، کہ بندوں سے کیسا برتاؤ کرتا ہے، اللہ کے ساتھ کیسا تعلق رکھتا ہے؟ عدل کرتا ہے یا نہیں اور جب چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے۔ جتنا کچھ دیتا ہے، اتنی بڑی آزمائش اور امتحان ہوتا ہے۔ جسے جتنا وسیع علم ملتا ہے اس کی اتنی بڑی جواب دہی بھی ہوتی ہے اور اس سے اتنا بڑا امتحان بھی لیا جاتا ہے۔ جتنی زیادہ دولت ملتی ہے اس پر اتنا بڑا حساب بھی آجاتا ہے اور اس کی جواب دہی بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح جسے اقتدار ملتا ہے اس کی جوابدہی بھی اتنی ہی بڑی ہوتی ہے جتنا بڑا اور طویل اقتدار ہوگا۔ اگر ملک میں پندرہ کروڑ عوام ہیں تو صاحب اقتدار کو پندرہ کروڑ کی طرف سے جوابدہی کرنا پڑے گی۔

اسی طرح علمائے کرام کے ساتھ لوگ ہوتے ہیں، پیران کرام کے ساتھ ہوتے ہیں، دینی جماعتوں اور سیاسی جماعتوں میں افراد ہوتے ہیں، جتنا کسی کا دائرہ اختیار ہے اس کے متعلق وہ جوابدہ ہے۔ کوئی فرد اللہ کریم کی مجبوری نہیں ہے کہ وہ نہ ہو تو کام نہیں چلتا۔ اس کا نظام چلتا رہتا ہے۔ اس میں لوگ آتے ہیں اور ان کے پاس بھی وہ اختیار ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ایک غریب، ایک مزدور اور ایک کمزور ترین آدمی کے پاس ہوتا ہے۔ حکمران کے پاس بھی اتنا ہی اختیار ہے۔ حکمران کیا اپنی مرضی سے پیدا ہوتے ہیں؟ کیا اپنی شکل، اپنا قد کاٹھ آپ بنا سکتے ہیں؟ کیا اپنی صحت بیماری کا فیصلہ خود کر سکتے ہیں؟ کیا اپنے اقتدار، زندگی یا موت کا فیصلہ کر سکتے ہیں؟ کچھ بھی نہیں۔ ان کو بھی اتنا ہی اختیار ہے جتنا ایک بے کس اور فقیر کو ہے۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا○ راستہ ہم نے بتا دیا ہے، اب اسے اختیار ہے۔ شکر ادا کرنا چاہتا ہے یا ناشکرا بننا چاہتا ہے۔ ایک عام کمزور آدمی کے پاس بھی یہ اختیار ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ پر ایمان نہیں لانا چاہتا تو کوئی اسے بنوک شمشیر کلمہ پڑھنے پہ مجبور نہیں کرے گا۔ یہی اختیار

حکمران کے پاس بھی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے یا اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس کا معاملہ کروڑوں لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ اس کا برتاؤ اللہ کی اطاعت کے مطابق ہے یا اپنی حکمرانی کے زعم میں عظمت الٰہی کو بھول گیا ہے۔ جو بھی وہ کرے گا اس کی جوابدہی ہوگی۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اس نے اپنی مرضی سے اقتدار کو پکڑ رکھا ہے۔

فرمایا: میرے حبیب ﷺ یہ فرما دیجئے۔ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ۔ جسے چاہتا ہے اقتدار دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس سے اقتدار چھین بھی لیتا ہے۔ وطن عزیز یا اس برصغیر کے چند سالہ دور میں بھی دیکھا جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے ایسے لوگ تھے جو اپنے آپ کو ہمالیہ سے بلند سمجھتے تھے لیکن بے کسی کی موت مر گئے۔ بڑے بڑے ایسے لیڈر تھے جو بڑی بے دردی سے مارے گئے اور ان کے جنازے تک کسی نے نہیں پڑھے' اٹھا کر گڑھوں میں پھینک دیئے گئے۔ بڑے بڑے ایسے لیڈر جو اپنے آپ کو بہت نامور اور قوم کے دل کی دھڑکن کہتے تھے' ان کو ان کے پہرے داروں نے گولیاں مار دیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے لوگ جیلوں سے نکالے گئے اور انہیں اقتدار دے دیا گیا۔ تخت اقتدار سے اٹھائے گئے تو انہیں جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ بڑے بڑے مقتدر چٹکی بجاتے رخصت ہو گئے' کچھ مارے گئے' کچھ جیلوں میں چلے گئے' کوئی ملک سے بھاگ گئے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک وقت میں ایک آدمی ملک کا سربراہ ہوتا ہے اور اگلے ہی لمحے اسے ملک میں کوئی رہنے ہی نہیں دیتا۔ فرما دیجئے کہ وہ ایک ہے جس کے اقتدار کو دوام ہے۔ اللہ! اصل حکومت تیری ہے' تو ہر طرح کے اقتدار و اختیار کا مالک ہے۔ تو کسی کو آزمانا چاہے تو اسے اقتدار دے دیتا ہے اور کسی سے خفا ہو جائے تو چھین لیتا ہے' یہ تیری مرضی پہ ہے۔

عزت و ذلت اللہ ہی کی طرف سے ہے

تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط جسے تو پسند فرماتا ہے' جو تیری اطاعت کرتا ہے' جو تیرے حبیب ﷺ کا اتباع کرتا ہے' تو اسے عزت دے دیتا ہے۔ جسے تو چاہتا ہے اسے معزز کر دیتا ہے' لوگوں کے دلوں میں اس کا احترام بڑھ جاتا ہے۔ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط جسے تو چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ جو تیری منشا کے خلاف چلتا ہے' تیرے حبیب ﷺ کی منشا کے خلاف چلتا ہے' جو گستاخ و بے ادب ہوتا ہے' وہ جب اپنی ایک خاص حد کو پہنچ جاتا ہے تو تیرا عذاب آتا ہے اور تو اسے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ جسے تو چاہے معزز کر دیتا ہے وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط اور جسے تو چاہے اسے ذلت سے دوچار کر دیتا ہے۔ اللہ کریم کے یہ فیصلے انسانی کردار پر ہوتے ہیں۔ جس طرح سے ہمارا رویہ اور چلن ہوتا ہے جو ہمارا کردار ہوتا

ہے، اس کے مطابق ثمرات مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کسی کے دل میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی عزت ہوتی ہے اور اس کی عملی زندگی اس بات کی گواہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی عزت کا پاس کرتا ہے تو اللہ کریم اسے معزز کر دیتے ہیں۔ جو احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیتا ہے، اللہ اسے رسوا کر دیتا ہے اور وہ قادر ہے۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ساری خیر تیرے دست کرم میں ہے۔ تیرے دست قدرت میں ہے، سب بھلائیاں، تو جسے چاہے، جو چاہے عطا کر دے۔ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۝ اس لئے کہ صرف تو واحد ذات ہے جو ہر چیز پہ قادر ہے۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ جسے بھی بہتری یا بھلائی کہا جا سکتا ہے، اَلْخَيْرُ جو بھی خیر کہی جا سکتی ہے، وہ ساری تیرے دست قدرت میں ہے۔ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۝ کہ تو ہر چیز پہ قادر ہے۔ تو جو چاہے کرے۔ مشکل آسان، ممکن ناممکن، یہ مخلوق کے لئے ہے۔ اس مالک الملک کے لئے نہ کچھ مشکل ہے نہ ناممکن، وہ جو چاہے وہ ہو جاتا ہے۔ ہر چیز اس کی بارگاہ میں دست بستہ حاضر ہے۔ جسے جو حکم دیتا ہے بجا لاتی ہے۔

ہر چیز اللہ کے دست قدرت میں ہے

تو ایسا قادر ہے کہ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ تو رات کو دن میں شامل کرتا جاتا ہے تو دن بڑا ہوتا جاتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی جاتی ہے۔ یہ تیری قدرت کاملہ ہے، تو جیسا چاہے ویسا کرے۔ تو نے رات اور دن کو پیدا کیا، انسانوں کے دیکھتے دیکھتے تیری قدرت کاملہ موسموں کو تبدیل کر دیتی ہے۔ بہاریں خزاؤں سے بدل جاتی ہیں اور خزائیں بہاروں سے بدل جاتی ہیں۔ تو چاہے تو رات دن میں داخل ہونے لگ جاتی ہے۔ دن بڑا ہوتا جاتا ہے، رات چھوٹی ہوتی جاتی ہے۔ تو چاہے تو دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور دن چھوٹا ہوتا جاتا ہے، رات بڑی ہوتی جاتی ہے۔ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ یہ تیری قدرت کاملہ ہے، تیرے نظام کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے کہ جب رات بڑھنا شروع ہو جائے تو کوئی اسے روک دے کہ وقت وہاں رک جائے اور رات دن برابر برابر رہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں، تیرے اس نظام کو کوئی نہیں روک سکتا۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ اے اللہ تو ایسا قادر ہے کہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے۔ گرمیاں آتی ہیں تو رات کم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور انہی اوقات پہ جن میں رات ہوتی تھی ان میں دن شروع ہو جاتا ہے۔ سردیاں آتی ہیں تو دن کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور وہی اوقات جن میں ہم گرمیوں میں افطاری کیا کرتے تھے سردیوں میں اس وقت لوگ عشاء بھی پڑھ چکے ہوتے ہیں۔ تو ایسا قادر ہے کہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔

وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ۔ تو بے جان سے جان دار کو پیدا فرماتا ہے۔ آنکھیں دیکھ رہی ہوتی ہیں اور تو

پیدا فرماتا ہے۔ ایک نطفے سے انسان کو پیدا فرما دیتا ہے جو بے جان مادہ ہے، جو تیری بہترین تخلیق ہے۔ یہ تیری قدرت کاملہ ہے۔ پرندہ انڈا دیتا ہے تو بے جان ہوتا ہے لیکن تو اس سے جاندار پیدا کر دیتا ہے۔ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور زندگی سے بھرپور بدن کو موت آشنا کر دیتا ہے۔ کوئی پل نہیں لگتا، کوئی دیر نہیں لگتی اور پورا صحت مند انسان چلتے پھرتے ایک دم موت کی نذر ہو جاتا ہے۔ تو قادر ہے تو جو چاہے کرتا ہے۔ زندگی دے دے، تیری قدرت کاملہ ہے۔ موت دے دے، تو اس پہ قادر ہے۔ کوئی تیری قدرت کے فیصلوں کو چیلنج کرنے والا نہیں ہے۔ کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

قرآن کا تصور موت وحیات

ہمارے سامنے دنیوی زندگی اور موت ہے لیکن قرآن کریم کا جو زندگی اور موت کا تصور ہے، وہ ہماری اس ظاہری زندگی اور موت سے الگ ہے۔ قرآن کریم ہر اس وجود کو مردہ کہتا ہے جو اللہ کے نور سے نا آشنا ہوتا ہے۔ چونکہ انسان مکلّف ہے، اسے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے تو ایمان قبول کرے یا نہ کرے، اس لئے یہ باقی رہتا ہے۔ انسان کے علاوہ ہر طرح کی جاندار، بے جان مخلوق کے لئے فرمایا۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہے، کوئی پتھر کوئی ریت کا ذرہ، کوئی سمندر میں پانی کا قطرہ، کوئی دریائی مخلوق، کوئی ہوائی مخلوق، کوئی آسمان، کوئی زمین، کوئی سیارہ، کوئی ستارہ، کوئی بھی چیز ہو، اس کی بقا کا مدار ذکر الٰہی پر ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ کوئی ایسی چیز نہیں اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور اگر کوئی چیز اللہ کی تسبیح سے غافل ہوتی ہے، دریا غافل ہو تو سوکھ جاتا ہے، چشمے زمین میں سلب ہو جاتے ہیں، پہاڑ ٹوٹ کر گر جاتے ہیں، جنگل جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ غرض جو چیز ذکر سے غافل ہوتی ہے، اس کا وجود کائنات میں باقی نہیں رہتا۔ ستارہ ہو تو آسمان سے گر جاتا ہے۔ سیارہ ہو تو فضا سے جھڑ جاتا ہے۔ درخت، شجر، حجر، پتھر، جانور کوئی بھی چیز ہو سوائے انسان کے جو ایک ایسی مخلوق ہے جسے اللہ کریم نے ایک خاص وقت تک کے لئے خود اختیار دے دیا لیکن جب یہ بھی غافل ہوتا ہے تو مر جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا وجود زندہ رہتا ہے۔ یہ کھاتا پیتا رہتا ہے لیکن اللہ کریم فرماتا ہے: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ جانوروں کی طرح زندہ رہتے ہیں بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں۔ کھاتے پیتے چلتے پھرتے درندے ہوتے ہیں۔ جانور ہوتے ہیں لیکن ان کے اندر کا انسان مر جاتا ہے۔ کسی عرب شاعر نے کہا تھا:

؎ وَاَجْسَامُهُمْ قَبْلَ الْقُبُوْرِ قُبُوْرُهُمْ

کہ جو لوگ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں اور جنہیں نور ایمان نصیب نہیں ہوتا، ان کی روحیں تو

مر جاتی ہیں اور ان کے بدن مردہ روحوں کی چلتی پھرتی قبریں ہوتی ہیں۔ وہ چل پھر رہے ہیں لیکن وہ چلتی پھرتی قبریں ہوتی ہیں، انسان نہیں ہوتے۔ انسان صرف بدن کا نام نہیں ہے۔ انسان روح کا نام بھی نہیں ہے۔ ایک اچھے بھلے انسان کے جسم سے روح الگ ہو جاتی ہے تو آپ اسے ڈیڈ باڈی (Dead Body) کہتے ہیں۔ وہ ڈیڈ باڈی کیوں ہو گیا وہ تو انسان تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ صرف بدن انسان نہیں ہے۔ اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے انسان بناتی ہے۔ اگر روح الگ ہو جاتی ہے تو اسے بھی انسان کوئی نہیں کہتا۔ کہتے ہیں اس کی روح چلی گئی۔ نہ روح کو کوئی انسان کہتا ہے، نہ بدن کو کوئی انسان کہتا ہے۔ جب دونوں ملتے ہیں، تو اسے انسان کہتے ہیں۔ اگر کسی جیتے جاگتے بدن کے اندر روح ایمان سے محروم ہو اور روح پر موت طاری ہو جائے تو بظاہر وہ چل پھر رہا ہے، ظاہر بین آنکھیں تو اسے انسان سمجھیں گی لیکن قرآن کریم کہتا ہے، نہیں! اس میں سے انسان تو مر گیا صرف ایک جانور باقی ہے۔ أُولَٰٓئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ؕ ایک جانور ہے جو ابھی باقی ہے۔ جو کھا پی رہا ہے، چل پھر رہا ہے۔ ایک قبر ہے جو چلتی پھرتی ہے لیکن اس کو اگر نور ایمان نصیب ہو جائے تو قرآن کہتا ہے اسے حیات نصیب ہو گئی۔

نورِ ایمان کے ساتھ اللہ کی اطاعت بھی نصیب ہو تو کمال یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں، اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت پہ قربان ہو جاتا ہے۔ گولی بدن چھید ڈالتی ہے، گولے سے پرخچے اڑ جاتے ہیں، تلوار سے قتل ہو جاتا ہے، ایمان کے ساتھ اطاعت پیامبر ﷺ، عظمت رسالت ﷺ اور اللہ کی توحید پہ قربان ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں مر گیا لیکن اللہ کریم فرماتا ہے: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ؕ ایسا مت کہو، وہ نہیں مرا۔ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ یہ زندہ ہے، ہاں تمہاری عقلی استعداد اس زندگی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس بات پہ یقین رکھو کہ یہ بندہ مرا نہیں، یہ زندہ ہے یعنی قرآن کا تصور موت و حیات ہمارے ظاہری تصور سے بالکل الگ ہے۔ ہم کہتے ہیں ہر پیدا ہونے والا، ہر چلتا پھرتا انسان زندہ ہے لیکن قرآن حکیم فرماتا ہے کہ جس کے دل میں نور ایمان نہیں ہے، وہ زندہ نہیں ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں ایک دفعہ ہندوستان کے وزیر اعظم آنجہانی نہرو کی بات ہو رہی تھی۔ کسی نے کہا، بہت دانا، سمجھ دار اور عظیم سیاست دان تھا جو حالات پہ گہری نظر رکھتا تھا۔ قاضی ثناء اللہ (لیٹی والے) اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، انتہائی سادہ زمیندار تھے۔ انہیں حالات کی کوئی سمجھ نہیں ہوتی تھی کہ ایک طرح سے نیم مجذوب سے تھے۔ اپنے روحانی حال میں مگن رہتے اور باقی باتوں میں کم ہی دلچسپی لیتے۔ بات سنتے رہے لیکن جب اس نے اس کی دانش مندی کی تعریف کی تو قاضی جی نے سر اٹھایا اور

کہنے لگے۔ آپ کہتے ہو لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ دانش ور ہوتا' تو اسلام قبول کر چکا ہوتا۔ جس نے اللہ کو نہیں پہچانا' رسول اللہ ﷺ کو نہیں پہچانا اسے آپ دانش ور کہتے ہو۔ اس سے بڑی جہالت کیا ہے!

قرآن حکیم کے نزدیک اللہ کی معرفت کا یا رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا احساس نہ ہونا موت ہے' نور ایمان کا نہ ہونا موت ہے لیکن وہ ایسا قادر ہے کہ کوئی مردہ دل بھی اگر پشیمان ہوتا ہے تو اسے نور حیات عطا کر دیتا ہے۔ جب بھی کسی بندے کو خواہ وہ کتنا گنہگار' کتنا بدکار' کفر و شرک میں کتنا ہی مبتلا ہو یہ احساس ہو جائے کہ میں غلط کر رہا ہوں' بہت دور نکل گیا ہوں' مجھے اللہ کی طرف لوٹنا چاہیے۔ فرمایا' وہ جہاں بھی ہو' اسے وہیں سے اٹھا لیتا ہے' مردوں کو زندہ کر دیتا ہے' چوروں کو ولی بنا دیتا ہے' ڈاکوؤں کو اپنی دوستی کی خلعت عطا کر دیتا ہے' گمراہوں کو ہدایت عطا کر دیتا ہے' کفر سے دین عطا کر دیتا ہے اور بات بگڑ جائے تو بڑے بڑے ولی اللہ گمراہ ہو جاتے ہیں' مردوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مردہ دلوں کو نور ایمان نصیب ہوتا ہے تو حیات جاوداں نصیب ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اچھا بھلا ایماندار گھر میں پیدا ہوتا ہے' بچپن سے ایمان کے ساتھ ہوتا ہے لیکن ایک وقت آتا ہے کہ ایمان سے خالی ہو کر چلا جاتا ہے اور مردہ دلی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

شیطان نے بھی تو بڑی عبادت کی تھی' منازل قرب بھی بڑے پائے تھے اور آسمانوں پر رہائش مل گئی تھی لیکن جب اسے اللہ کی عظمت کے مقابلے میں خیال آیا کہ میں بھی کچھ ہوں۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ○ مجھے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دے رہا ہے لیکن میں تو اس سے بہت بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا' تو راندۂ درگاہ ٹھہرا۔

وہ ایسا بے نیاز ہے کہ بڑے بڑے نیکی اور پارسائی کا دعویٰ رکھنے والوں میں ذرہ بھر اپنی بڑائی کا احساس آ جائے تو انہیں زندوں سے مردوں میں منتقل کر دیتا ہے۔ ہم نے عجیب تماشے دیکھے ہیں۔ ایک شخص جو مشاہدے کے لئے آنکھ بند نہیں کرتا تھا۔ کھلی آنکھوں ہم سے بات بھی کر رہا ہوتا اور برزخ یا عالم بالا کے واقعات و حالات بھی بتا رہا ہوتا۔ پھر جب وہ راندۂ درگاہ ہوا تو اس شخص کو میں نے اللہ کا انکار کرتے ہوئے بھی سنا' یعنی کفر کی اس حد پہ چلا گیا جس پر شیطان بھی نہیں گیا۔ شیطان نے یہ کفر نہیں کیا کہ اللہ ہے ہی نہیں۔ ایمان سے محروم ہو جانا حقیقی موت ہے' جس کے بعد کوئی حیات نہیں۔

وہ قادر ہے۔ وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ کہ مردوں کو زندگی عطا کر دے' مردوں میں سے زندہ وجود پیدا کر دے' مردہ دلوں کو نور حیات دے دے' نور ایمان دے دے' اپنا قرب عطا کر دے۔ وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ اور تو زندوں کو مردہ کر دیتا ہے' تو اس پہ بھی قادر ہے۔

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ○ اور جسے جو نعمت چاہتا ہے، بے حساب دے دیتا ہے۔ کوئی تیرا دست قدرت پکڑنے والا نہیں، کوئی تجھے روکنے والا نہیں۔ جسے تو چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے، عطا کرتا ہے۔ کوئی تجھ سے حساب لینے والا نہیں ہے۔ تو اپنے دست قدرت سے دیتا ہے، اپنے خزانوں سے عطا کرتا ہے، کائنات بسیط میں تیری ذات کے علاوہ ہر شے تیری محتاج ہے۔ جس کے پاس جو کچھ ہے تیری عطا ہے۔ اس بات کا اعتبار نہیں ہے کہ کون کتنا دولت مند ہے اور کس کے پاس کتنا اقتدار و اختیار ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس نے اپنے اللہ کی رضا کتنی حاصل کی۔ اقتدار و اختیار ہے تو کیا اسے حصول رضائے حق کا ذریعہ بنایا ہے یا اگر مجبور و بے بس ہے تو کیا اپنی اس بے بسی کو اللہ کی رضا کا ذریعہ بنایا ہے، اسی کے دروازے پہ ایستادہ ہے اور اسی کی اطاعت پہ کمر بستہ ہے یا گھبرا کر دوسروں کی طرف بھاگ پڑا ہے جو خود محتاج ہیں۔ کوئی اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا، کوئی تجھ سے پوچھنے کی جرأت نہیں کرتا کہ کسی کو کیا دیا اور کیوں دیا۔ تیری حکومت تمام سوالوں سے بالاتر ہے۔ تو ساری مخلوق سے جواب طلبی کر سکتا ہے لیکن مخلوق میں سے کوئی بھی تجھ سے جواب طلب نہیں کر سکتا۔ تیری عظمت سب سے بلند و بالا ہے۔ تیری ہی ذات ہے جس کے یہ سارے مظاہر اور سارے کرشمے ہیں۔

انسان جب تجھ سے غافل ہوتا ہے تو اپنی دانشوری کے زعم میں مبتلا ہو جاتا ہے جیسے قارون نے کہا تھا کہ میرے پاس دولت تو میری دانشمندی سے آئی ہے، میں نے اپنی عقل سے کمائی ہے۔ یہی بات انسان میں آ جاتی ہے کہ اس کے پاس جو عظمت و اقتدار ہے، صحت و دولت یا علم ہے، وہ سمجھتا ہے یہ میرا کمال ہے حالانکہ یہ تیری عطا ہے۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ کسی کے پاس کچھ بھی نہیں اور جس کے پاس جو کمال ہے وہ تیرا دیا ہوا ہے۔

تقسیم رزق اور وسائل

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ○ اور جسے تو چاہے، بغیر حساب کے عطا کر دیتا ہے۔ اللہ کریم ہر ایک کو رزق دیتے ہیں لیکن رزق کے لئے اسباب کو اختیار کرنا، جائز وسائل کا اختیار کرنا اور پوری دیانتداری سے ان پر محنت کرنا، انسان کے ذمے ہے۔ جس طرح باقی عبادات ہیں، اسی طرح حصول رزق حلال بھی عبادت ہے۔ انسان جس طرح عبادات میں آمیزش نہیں کرتا، الفاظ بھی وہی دہراتا ہے جن کا نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے۔ حرکات بھی وہی ہوتی ہیں، رکوع و سجود بھی وہی ہوتا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ وہ عبادت کرے اور پھر اس میں ناروا حرکات یا غیر مسنون الفاظ شامل کر کے اپنی عبادت کو خراب کرے۔ ہر شخص کی کوشش ہوتی ہے کہ عبادت کا جو صحیح طریقہ ہے اس کے مطابق کرے۔ اسی طرح حصول رزق حلال بھی عبادت ہے۔ اب کوئی چاہے کہ ناجائز وسائل سے دنیا بھر کا رزق سمیٹ لے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ اگر وہ جائز وسائل اختیار کرتا

اور دیانتداری سے محنت کرتا تو جو رزق اس کے پاس ہے، وہ اسے مل جاتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ آپ کی سواری میں ایک خچر تھا۔ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں داخل ہونے لگے تو ایک شخص کو خچر تھمایا کہ میں نماز پڑھ کے آ جاؤں۔ جب آپ نماز ادا کر کے واپس آئے تو وہ آدمی اور خچر کا لگام غائب تھا۔ آپ بازار میں آئے تو ایک دکاندار کے پاس وہی لگام لٹکا ہوا دیکھا۔ نماز سے فارغ ہو کر دو درہم ہاتھ میں لے لئے تھے کہ جس شخص کو روک کر آیا ہوں اسے دے دوں گا، آپ نے اسے وہی دو درہم دے کر لگام خرید لیا۔ فرمایا تم نے کتنے کا خریدا ہے۔ اس نے کہا کہ ابھی ایک آدمی ڈیڑھ درہم میں دے کر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ صبر کرتا تو یہ دو درہم اس کے تھے لیکن اس نے ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کی تو اسے دو کی بجائے ڈیڑھ ملا۔ یہ دو حلال ہوتے، اس نے ڈیڑھ لیا اور وہ بھی حرام لیا۔ تو جو لوگ ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرتے ہیں، انہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ رزق تو اللہ دیتا ہے اور مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے اس نے تقسیم کر دیا ہے کہ کس کو کتنا ملے گا۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط جسے چاہتا ہے زیادہ دے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے کم دیتا ہے۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۔ کسی انسان کی آزمائش یہ ہوتی ہے کہ اللہ اس پہ بہت زیادہ دولت، بہت زیادہ نعمتیں، بہت زیادہ راحتیں بھیج دیتا ہے کہ ان راحتوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یا اللہ کو بھول کر نفس پرستی میں گم ہو جاتا ہے۔ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۔ کسی پر یہ آزمائش آ جاتی ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دی جاتی ہے اور اللہ کریم یہ دیکھتے ہیں کہ اس مفلوک الحالی میں یہ میرا دامان رحمت تھامتا ہے یا مختلف دروازوں پہ کاسہ گدائی لے کر نکل جاتا ہے اور مجھے بھول جاتا ہے۔ انسان کے ذمے وسائل کو اختیار کرنا ہے جو اللہ نے دیئے ہیں، ہاتھ پاؤں دیئے ہیں، عقل دی ہے، دماغ دیا ہے۔ روزی پیدا کرنے کے لئے محنت کرے، لیکن ملے گی وہی جو نصیب میں ہے۔ اس کا عجیب نظام ہے کہ بعض لوگوں کو کروڑوں دے دیتا ہے لیکن وہ اس کے صرف چوکیدار ہوتے ہیں، ساری عمر اسے رکھ کے بیٹھے رہتے ہیں۔ مر جاتے ہیں تو کھاتا کوئی اور ہے، جس کے نصیب میں ہوتی ہے۔ کھانا کسی اور کے نصیب میں لکھا تھا، چوکیداری کسی اور کے نصیب میں تھی۔ وہ دولت مند بن کے ساری زندگی بیٹھا رہا اور خود بھوک پیاس بھگتتا رہا کہ یہ پیسے خرچ نہ ہوں اور جب مر گیا تو دوسروں نے کھا لیا۔

کفار سے معاملات کی نوعیت

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ

تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○ فرمایا: ان دنیاوی معاملات اور دنیاوی مفادات کے لئے مومن کفار کو دوست نہ بنائیں۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ مومن کو مومن سے دوستی کرنی چاہیے، کافر سے نہیں۔

یہ آج کا بہت تشریح طلب معاملہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ساری دنیا ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے۔ معلومات کا تبادلہ، اخبار کا تبادلہ، اشیاء کا تبادلہ، کاروبار وتجارت، لین دین، آنا جانا اب پوری دنیا میں بالکل آسان ہو گیا ہے۔ جیسے آپ ایک شہر میں کاروبار کرتے ہیں، اسی طرح آپ پوری دنیا میں ایک جگہ بیٹھ کر کر رہے ہیں۔

قرآن کریم نے یہ حکم نہیں دیا کہ کافروں سے تعلق ہی نہ رکھا جائے یا کافروں سے لین دین نہ کیا جائے یا جو انسانی حقوق ہیں ان میں تفاوت کیا جائے۔ اس سے نہیں روکا۔ انسانی حقوق مطلق انسان کے لئے ہیں، وہ کافر ہے یا مومن ہے۔ وہ تعلقات جن کی زد مذہب اور دین پہ نہیں آتی وہ منع نہیں ہیں۔ وہ دوستی نہیں ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے یہود مدینہ سے معاہدہ کیا تھا کہ تم بھی اسی شہر میں رہتے ہو، ہم بھی اسی شہر میں رہتے ہیں، اگر کوئی خارجی قوت مدینہ منورہ پہ حملہ کرتی ہے تو دفاع تمہیں بھی کرنا چاہیے، ہمیں بھی کرنا چاہیے تاکہ ساری دفاعی قوت ایک ہو۔ صحابہ کرام یہود سے لین دین بھی کرتے تھے، ادھار بھی لیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بعض یہودیوں سے ادھار لیا اور واپس کیا ایک یہودی نے آکر مسجد نبوی میں بڑے توہین آمیز طریقے سے اپنے ادھار کا مطالبہ کیا اس قدر سخت کلامی کی کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ مبارک تلوار کے قبضے پہ جا پہنچا۔ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا: عمر تمہیں غصہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے سمجھانا چاہیے کہ اپنا قرض مانگے اور تہذیب کے دائرے میں رہ کر مانگے اور مجھے بھی تلقین کرو کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے جب اس کا قرض دینا ہے تو ادا فرما دیجئے۔ یہ اس کے نصیب کی بات تھی کہ اس واقعہ نے اس شخص کو مشرف بہ اسلام کر دیا۔ قرآن نے یا دین نے معاملات سے نہیں روکا۔ آپ دنیا میں جائیں، لین دین کریں، معاملات کریں لیکن وہ معاملہ جس کی زد دین پہ پڑتی ہے، وہ نہیں کیا جائے گا۔

ولایت یعنی دوستی یہ ہے کہ بے دریغ حمایت کی جائے اور اس میں کوئی حد نہ رکھی جائے۔ یہ وہ ولایت یا دوستی ہوگی جو مومن کی مومن کے ساتھ ہوگی، اللہ کی اطاعت کرنے والے بندے کی اللہ کی اطاعت کرنے والے بندے کے ساتھ ہوگی۔ مومن بھی اگر کوئی جرم کرتا ہے، کوئی خلاف شریعت کام کرتا ہے تو مومن اس میں اس کی مدد نہیں کرے گا کیونکہ شریعت کے خلاف ہوگا۔ اسی طرح کافر سے جو تعلق ہے اس سے اگر

شریعت کے کسی حکم پر زد آتی ہو تو وہ تعلق نہیں رکھا جائے گا۔ شریعت کے علاوہ ایسے دنیاوی امور ہیں جو مباحات میں ہیں جن پر کوئی پابندی نہیں جیسے آپ تجارت کرتے ہیں، ملازمت کرتے ہیں، کسی کافر کی فرم ہے آپ اس میں جاب کرتے ہیں تو آپ اپنا کام کرتے ہیں اور اس کی تنخواہ لیتے ہیں۔ اس سے منع نہیں فرمایا۔

کافر کے بھی انسانی، معاشی اور معاشرتی حقوق ہیں۔ ان کا تحفظ کیا جانا چاہیے۔ بحیثیت انسان اس کے ساتھ بیٹھنا منع نہیں بلکہ کافر اگر پانی پی لیتا ہے یا پلیٹ میں کھا لیتا ہے تو اس کا جوٹھا ناپاک نہیں ہوتا۔ مطلق انسان کا جوٹھا پاک ہے، وہ مومن ہو یا کافر ہو۔ صحابہ کرام نے مزدوریاں کیں، کاروبار کئے، تجارتیں کیں، کفار کے ساتھ ادھار اور لین دین چلتا رہتا تھا، کسی نے منع نہیں فرمایا لیکن کوئی ایسا کام جس میں دین پر حرف آتا ہو، عقیدے پہ زد پڑتی ہو، اس میں کافر کے ساتھ مومن کی دوستی نہیں ہوگی اس لئے کلی طور پر منع فرما دیا۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ ۔ مومن کافروں کو دوست نہیں بنائیں گے۔ دوست کا مطلب ہوتا ہے کہ ہر بھلے برے وقت میں کام آئے: دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشان حالی و درماندگی۔ دوست تو وہ ہوتا ہے کہ جو دوست کی مدد کو ایسے حال میں آئے جب وہ پریشان ہو یا کمزور پڑ رہا ہو، پریشانی اور درماندگی میں اس کا ہاتھ پکڑے، اس کی مدد کرے لیکن کوئی بھی دوستی احکام الٰہی سے متجاوز نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر مومن بھی خلاف شریعت کام کرتا ہے تو مومن کی دوستی یہ ہے کہ اسے اس سے روکے۔ ایک مومن کوئی ایسا کام کرنے جا رہا ہے جو خلاف شریعت ہے تو وہاں دوستی کا حق اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اس کام میں اس کی مدد نہ کرے بلکہ اسے وہ کام کرنے سے روکے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے لیکن جب کوئی ظلم کر رہا ہے تو اس کی ہم کیا مدد کریں۔ فرمایا: اسے ظلم سے روکو، یہ اس کی مدد ہے یعنی اگر کوئی گناہ کر رہا ہے تو اس کی مدد یہ ہوگی کہ اسے گناہ سے، ظلم سے روکا جائے۔ چونکہ وہ اپنی تباہی کی طرف جا رہا ہے تو اسے تباہی سے بچانا اس کی مدد ہے نہ کہ اس کے ساتھ مل کر خود بھی تباہی میں گر جائے۔

کفار کے ساتھ ایسے تعلقات جو اسلام یا اسلامی نظریے یا عقیدے یا عبادات یا اسلامی طرزِ حیات میں کسی طرح بھی مخل ہوتے ہوں وہ نہیں رکھے جائیں گے۔ اس کے علاوہ لین دین، کاروبار، ملازمت، یہ منع نہیں ہے لیکن دوستی منع ہے۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اور اگر کوئی ایسی دوستی کافروں سے کرے گا تو پھر اس کا اللہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ اپنی طرف سے کہتا رہے میں مسلمان ہوں، لیکن اللہ کریم اپنی طرف سے اعلان فرما رہے ہیں کہ میری طرف سے ایسا بندہ فارغ ہے جو ہر حق و باطل میں کافر کا ساتھ دیتا ہے۔ اس

کے ساتھ مشارکت میں چلتا ہے' اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

دنیوی مصلحت کی بجائے اخروی انجام مدنظر رہے

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۔ ہاں' بعض اوقات مصلحت کے طور پر' ہمیشہ نہیں' جیسے جنگ میں ہمیشہ آگے ہی بڑھا جاتا ہے لیکن مصلحت کے طور پر کبھی فوج کو پیچھے بھی ہٹا لیتے ہیں جو جنگی مصلحت ہوتی ہے' وقتی مصلحت کے طور پر جان بچانے کے لئے یا کوئی اس طرح مجبور و بے بس ہو کہ وہ کسی طریقے سے ان کے قبضے سے نکلنا چاہتا ہو تو یہ ہوسکتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۔ کہ بندے کو اللہ کی ذات سے اور اس کی ناراضگی سے ڈرنا چاہیے' بندوں سے خوف کیسا! بندے تو سارے بندے ہیں کوئی کیا کر لے گا' بندوں سے مصلحت کوشی کیسی! اصلی بات تو یہ ہے کہ بندے کو اللہ کے غضب سے ڈرنا چاہیے۔ اللہ کریم ناراض ہو گئے تو اس کا مداوا کوئی نہیں ہے' بندہ ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے' بندہ تو خود محتاج ہے' وہ کیا کرے گا۔ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ اور انجام کار سب کو اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ کتنی دیر دنیا میں رہ لو گے۔ تمہارے پاس زندہ رہنے کی کتنی ضمانت ہے! کیا خبر اگلا ہی لمحہ موت کا لمحہ ہو۔ سانس لیا ہے' دوسرا سانس لینا ہے یا نہیں' کسی کے پاس یہ ضمانت نہیں ہے۔ موت بارگاہِ الوہیت کی حاضری ہے۔ جو مر گیا اس کی قیامت آ گئی۔ اس کے عمل کا شعبہ بند ہو گیا اور جو کچھ اس نے کیا ہے' اس کے نتائج اس کے سامنے آنے شروع ہو گئے۔ برزخ بھی یوم حشر تک ایک انتظار گاہ ہے لیکن انتظار گاہ میں بھی ہر آدمی اپنے کردار کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ اگر اس نے دنیا میں ظلم کئے ہیں تو وہاں اسے عذاب اور تکلیف میں رہنا پڑے گا' قیامت کا انتظار کرنا پڑے گا اور اگر اللہ کا مقبول تھا اور نیکی کرتا رہا تو برزخ میں بھی معزز ہو کر اور اللہ کی رحمت اور کرم کے سائے میں رہے گا۔ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ تمہیں لوٹ کر اللہ کے حضور جانا ہے یعنی اصل بات جو پیش نظر رہنی چاہیے وہ یہ کہ مجھے اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ اب میں کیا کر رہا ہوں' کس سے دوستی کر رہا ہوں' میری دوستی کے کیا نتائج مرتب ہو رہے ہیں؟ کن لوگوں سے میرے تعلقات ہیں اور اس کا نتیجہ کیا نکل رہا ہے؟ دیکھنا یہ چاہیے کہ جب قیامت میں یہ سب کچھ میرے سامنے ہوگا تو اللہ مجھے اس دن کی شرمندگی سے بچائے۔ یہ مدنظر رکھتے ہوئے اللہ کے غضب سے ڈر کر زندگی گزارے۔

قرآن میں کفار سے تعلقات کی حدود متعین فرما دی گئیں ہیں جن سے تجاوز کی کوئی گنجائش نہیں لیکن ہمارا طرزِ عمل حکومتی اور معاشرتی سطح پر اس سے بالکل متضاد ہے۔ اقوام مغرب ہمارے ریاستی نظام میں پوری طرح دخیل ہیں۔ حکومتی سطح پر ہندوستان سے دوستی کے بخار میں دینی' اخلاقی اور معاشرتی اقدار بری طرح پامال ہو رہی ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی سطح اس حد تک گر چکی ہے جو شاید کفار کے لئے بھی روا

نہیں۔ مسلمان مسلمانوں کو کافر قرار دے کر ان سے بول چال بند کر لیتے ہیں۔ ہر شخص نے چند مخصوص رسومات کو اسلام سمجھ لیا ہے اور ان کے نزدیک جو ان رسومات پہ عمل کرتا ہے وہ مسلمان ہے، جو ان رسومات پہ عمل نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے۔ یہ بات نہیں ہے، جو بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل ہے، ضروریات دین کا قائل ہے، وہ مسلمان ہے۔ کوئی نیک ہوگا، کوئی اس سے کم نیک ہوگا، کوئی گناہ گار ہوگا لیکن اسلام سے خارج کرنا اتنی آسان بات نہیں ہے کہ آپ کسی کو خواہ مخواہ کافر قرار دے دیں۔

دین اعتدال کا نام ہے۔ اسلام ایک اعتدال کا دین ہے، کسی طرف زیادتی نہیں کرتا، کسی طرف حد سے نہیں گزرتا۔ اس اعتدال کو قائم رکھنا چاہیے، لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرنا چاہیے۔ لوگوں میں نفرتیں بڑھانا کمال نہیں ہے، کمال یہ ہے کہ آپ لوگوں کو جمع کریں، ان میں محبتیں بڑھائیں۔

نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو اللہ کریم نے آپ ﷺ کے کمالات میں فرمایا فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ ۔ میرے نبی ﷺ نے تمہارے دلوں میں محبتیں پیدا کر دیں۔ كُنْتُمْ اَعْدَآءً تم تو ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت نے تمہارے دلوں میں محبتیں بھر دیں۔

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۔ اور تم اللہ کے انعام سے سارے بھائی بھائی ہو گئے ایک دوسرے کا بھلا چاہنے والے ہو گئے۔ مسلمان اور غیر مسلم کے تعلقات میں اس حد تک جواز ہے جس حد تک دین پر زد نہ پڑے اور جہاں اس تعلق سے دین پر زد پڑے گی وہاں سے تعلق چھوڑ دیا جائے گا، دین نہیں چھوڑا جائے گا۔ بڑا آسان سا کام ہے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں بھی تنفر نہیں ہوگا، آپ اس کا نقصان کرنے کی نہیں سوچیں گے۔ لیکن اس کا ساتھ نہیں دیں گے۔ جہاں سامنے دین آ جائے گا، وہاں سے آپ کا راستہ الگ ہو جائے گا۔ دوستی مومن کی مومن کے ساتھ ہوگی اور مومن کی دوستی کا بھی حق یہ ہے کہ جب وہ نیکی کرتا ہے تو آپ تعاون کریں گے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ نیکی پہ آپ تعاون کریں گے، برائی میں تعاون نہیں کریں گے بلکہ آپ کی دوستی کا حق یہ ہے کہ دوست کو بھی برائی سے روکیں گے۔ اللہ کریم ہمیں دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ ۔ اب کوئی خیال کرے کہ میں گناہ کر رہا ہوں، کسی کو خبر نہیں ہے یا میں دھوکے سے پیسے لے رہا ہوں کسی کو خبر نہیں ہے یا میں نے اندرون خانہ کفار سے تعلقات استوار کر رکھے ہیں، مسلمانوں کی جاسوسی کر رہا ہوں یا مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہا ہوں، مسلمانوں کی تباہی کا سبب بن رہا ہوں لیکن یہ سارا پس دیوار ہے، کسی کو خبر نہیں۔ فرمایا: قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ

جو کچھ تمہارے دل میں ہے، اسے چھپا کر رکھو یا اسے ظاہر کر دو، اللہ کریم اسے جانتا ہے۔ جس طرح تمہارا ظاہر اس کے سامنے کھلا ہوا ہے، اسی طرح تمہارا باطن بھی اس کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ چھپاؤ گے تو بندوں سے چھپا لو گے، ماحول اور معاشرے سے چھپا لو گے لیکن اللہ کریم سے نہیں چھپا سکتے اور تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تم تو ایک فرد ہو، ایک چھوٹی سی اکائی ہو۔ اللہ کی کائنات میں اس کی مخلوق کتنی ہے؟ اس کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ اس کی مخلوق میں اس کے لشکر کتنے ہیں؟ انہیں وہ خود ہی جانتا ہے، کوئی دوسرا گن نہیں سکتا۔ بے شمار سیارے، ستارے پھر ملائکہ، فرشتے، جن، شیطان، کتنی مخلوق ہے! ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کریم نے مخلوق پیدا فرمائی اور اس میں نو حصے فرشتے تھے۔ دسواں حصہ جن اور انسان تھے۔ اس دسویں حصہ میں سے نو حصے شیطان تھے اور ایک حصہ باقی جن اور انسان تھے۔ پھر اس ایک میں سے بھی نو حصے جنات ہیں اور دسواں حصہ انسان ہے تو اب دیکھ لو انسان کتنے ہیں۔ جنات کتنے ہوں گے، شیاطین کتنے ہوں گے اور پھر ملائکہ کی بات تو شمار سے گزر جاتی ہے۔ وہ خود ہی جانتا ہے اور وہ ایسا قادر ہے کہ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۔ جو کچھ ارض و سما میں ہے، اس کے ایک ایک ذرے سے وہ واقف ہے۔ انسان اگر اپنی ذات کو شمار کرنا چاہے تو اعشاریہ کے ساتھ صفر لگا کر اپنا ایک لکھنا چاہے اور اس کی زندگی ہزاروں برس بھی ہو تو ساری عمر صفر لکھتا رہے گا لیکن کبھی ایک لکھنے کی باری نہیں آئے گی۔ ساری عمر خود کو زیرو ہی لکھتا چلا جائے گا لیکن ایک نہ لکھ سکے گا۔ اتنی چھوٹی سی اکائی ہو کر تم کہاں چھپو گے؟ اس کے سامنے تو ارض و سما کی ساری مخلوق ہے۔ ہر ایک کے ہر حال سے ہر وقت واقف ہے۔ ایک اکائی ہو کر تم سمجھتے ہو کہ میں چھپا لوں گا! تم کہاں چھپا لو گے، کیا چھپا لو گے؟

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ ۔ جہاں بھی کائنات میں کوئی ذرہ ہے، اس کے حال سے واقف ہے، اس کے کمال سے واقف ہے، اس کی خوبیوں سے واقف ہے، اس کی خامیوں سے واقف ہے بلکہ خوبیاں اور خامیاں اسی کی دی ہوئی ہیں۔ اس میں جو کمال ہے اسی کا دیا ہوا ہے اور اس کے ہر حال سے واقف ہے۔ تمہاری سوچوں تک سے واقف ہے، تمہارے ارادوں سے واقف ہے، تمہارے کردار سے واقف ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۔ اور وہ ہر چیز پہ قادر ہے تمہارا دل اس کی بارگاہ میں اس کے سامنے کھلی کتاب کی مانند ہے۔ اللہ کریم سے اس طرح ڈرو کہ برائی کو سوچنا بھی چھوڑ دو۔ تمہاری سوچیں بھی وہ پڑھتا ہے، اس کے سامنے ہیں۔ تمہارے خیالات بھی اس کے سامنے ہیں تو پھر تم چھپ کر چوری کر لو گے یا چھپ کر جرم کر لو گے تو کیا اللہ سے چھپ جاؤ گے یا کافروں سے ایسی دوستی کرو گے کہ لوگوں کو اس کی خبر نہ ہو لیکن اللہ کو تو اس کی خبر ہے۔

معہم
عند المتاخرین ۲

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ
سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ
وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ۝۳۰ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ
اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى
اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۳ ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْ ۢ
بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۴

ع ۱۰ ۳ ۱۱

جس دن ہر شخص (موجود) پائے گا جو اس نے کی کوئی نیکی اور جو اس نے کوئی برائی کی۔ وہ آرزو کرے گا' کاش اس کے درمیان اور اس (برائی) کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے' اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔ آپ کہہ دیں اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ آپ کہہ دیں تم اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی' پھر اگر وہ پھر جائیں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ بیشک اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان پر چن لیا۔ وہ ایک دوسرے کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ روز حشر تمام اعمال' بھلے ہوں یا برے' سب سامنے ہوں گے۔ ہر کوئی اپنے کردار کو سامنے پائے گا۔ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ؕ اس

دن برائی کرنے والا یہ آرزو کرے گا کہ کاش میرے اور میرے اس کردار کے درمیان دور دراز کی مسافتیں حائل ہو جائیں۔

مقصد حیات

محض زندگی گزارنا مقصد نہیں، زندگی کا حقیقی مقصد تعمیر آخرت ہے۔ دنیا کی زندگی وقتی اور لمحاتی عرصہ ہے جو ایک آزمائش ہے۔ اللہ کریم نے انسان کے سامنے بیشمار نعمتیں بکھیر دی ہیں اور انسان کو ان سب کا ضرورت مند بھی بنایا ہے۔ بدن مادی ہے اور اس کی غذا، دوا سب مادی ہے۔ دنیا میں ہمیں جتنی صورتیں بھی نظر آتی ہیں، یہ سب مٹی سے بنی ہیں۔ کہیں پھول کھلتے ہیں، کہیں پھل بنتے ہیں، کہیں غلہ اگتا ہے یا چارہ اگتا ہے، جو کچھ بھی ہے مٹی ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اللہ کریم مٹی ہی کے مختلف عناصر کو ترتیب دے دیتے ہیں اور مختلف چیزیں بن جاتی ہیں۔ ان سب کی ہمیں ضرورت ہے اور اللہ کریم نے کسی چیز کے استعمال سے منع بھی نہیں فرمایا۔ روئے زمین کی تمام نعمتیں انسان ہی کے لئے بنائی ہیں مگر ان کا طریقہ استعمال اور طریقہ حصول طے فرما دیا ہے۔ کوئی بھی نعمت جائز وسائل اور حلال طریقے سے حاصل کریں اور حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اس سے استفادہ کریں تو اس پہ کوئی پابندی نہیں ہے۔ دین نے حصول رزق کے جتنے طریقے بتائے ہیں ان میں کوئی مشکل بھی نہیں اور شرمندگی بھی نہیں ہے اور حصول رزق کے جتنے طریقے دین کے خلاف ہیں وہ مشکل بھی ہیں اور معاشرے میں شرمندگی کا باعث بھی ہیں۔ کوئی انہیں بھلا نہیں کہتا۔ انسان کے ذمے یہ ہے کہ جب وہ دنیا کا کام کرتا ہے، محنت مزدوری کرتا ہے، تجارت کرتا ہے، دوستی دشمنی کرتا ہے تو اس میں یہ مدنظر رکھے کہ میرے ساتھ اس کے نتیجے میں آخرت میں کیا ہونے والا ہے۔

یہ ایک بڑی مشکل بات ہے کہ بندہ کام تو یہاں دنیا میں کرے، لیکن اس کی نگاہ میں اتنی وسعت ہو کہ اس کام کے نتیجے میں آخرت میں جو تعمیر ہو رہا ہے، آخرت میں جو اجر ملے گا، اس پر اس کی نگاہ ہو۔ آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ مشکل حل کر دی اسی طرح تمام انبیاء ورسل نے اپنے اپنے زمانے میں یہ مشکل حل کر دی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک ایک عمل پر نتیجہ ارشاد فرما دیا۔ منصب نبوت یہ ہے کہ نبی بشیر بھی ہوتا ہے اور نذیر بھی ہوتا ہے۔ بشیر سے مراد یہ ہے کہ جس جس کام میں تعمیر آخرت ہو رہی ہے، اس کے اچھے نتیجے کی خوشخبری سناتا ہے اور نذیر سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی کام صحیح طریقے سے نہیں ہو رہا ہو اور آخرت میں اس پر جو نقصان پہنچنے والا ہے، اللہ کا نبی اس دنیا میں ہی آگاہ فرما دیتا ہے۔ گویا دنیا کی پوری زندگی کے ہر لمحے کا مدار اپنے اس تعلق کے ساتھ ہے جو ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ سے نصیب ہے اور وہ شخص بہت ہی بڑا محروم ہے جسے

نورِ ایمان نصیب نہیں۔ کفر ایک ایسی تاریکی ہے جو بندے کو اعمال کے نتائج سے بے خبر کر دیتی ہے، معرفت الٰہی سے محروم کر دیتی ہے، عظمت الٰہی سے دور کر دیتی ہے اور یہ ساری وہ مصیبتیں ہیں جو اس کی دائمی اور ابدی زندگی میں اس کے لئے بے پناہ مصائب کا باعث بنیں گی۔

اللہ جل شانہٗ ہر لمحے ہر جگہ موجود ہے اور ہر کام ہر بات سے باخبر ہے۔ جو کچھ دلوں کے اندر ہے وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ شہ رگ سے زیادہ ہمارے قریب ہے۔ ہماری ذات سے زیادہ قریب اس کی ذات ہے۔ اب مصیبت یہ ہے کہ انسان مادی ضرورتوں میں اتنا الجھ جاتا ہے کہ اس کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ نورِ ایمان سے مراد یہ ہے کہ معرفت الٰہی نصیب ہو، اپنی ضرورتوں کا صحیح ادراک نصیب ہو اور اس کے مطابق کام کیا جائے۔ جتنی عبادات فرض ہیں یا بندہ جو نوافل ادا کرتا ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں توفیق عمل ارزاں ہوتی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ عبادت بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے اور یادِ الٰہی کی توفیق ارزاں کر دیتی ہے۔ عبادت اگر قبول ہوتی ہے، نمازیں، روزے، حج قبول ہوتا ہے تو اس کا ثواب یہ ملتا ہے کہ بندہ بے حیائی چھوڑ دیتا ہے، برائی سے رک جاتا ہے۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ اور اسے عظیم ترین نعمت، یادِ الٰہی نصیب ہو جاتی ہے۔ ہر ہر عمل میں، ہر ہر قدم پر اس کے سامنے عظمت الٰہی ہویدا ہوتی ہے اور اسے پتہ ہوتا ہے کہ یہ زندگی عارضی ہے۔ تھوڑا سا وقت ہے جو گزر جائے گا اور اس کے بعد اگلی زندگی دائمی ہے، اسے کبھی ختم نہیں ہونا۔ ہمارے پاس یہ تھوڑا سا وقت ہے جو وہاں کی زندگی کے مطابق لمحہ بھر بھی نہیں بنتا جو ابد الآباد پر محیط ہے۔ اس کی تعمیر اس مختصر زندگی پر منحصر ہے لیکن انسان یہاں کی رنگینیوں میں کھو جاتا ہے۔

ایمان کے بغیر جسم روح کی قبر ہے

انسان کا وجود مادی ہے لیکن روح عالم امر سے ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ۔ ایمان، عبادات، اتباع رسالت، یہ روح کی غذا ہیں اور مادی چیزیں بدن کی غذا اور دوا ہیں۔ اب انہی مادی چیزوں، اسی مادی غذا، مادی دوا کو حاصل کرنے کے لئے جب ہم اطاعت پیغمبر ﷺ کرتے ہیں تو مادی ضرورتیں بھی پوری ہوتی ہیں اور تعمیر آخرت بھی ہوتی ہے۔ جسمانی ضرورتیں بھی پوری ہوتی ہیں اور روح کو طاقت بھی ملتی ہے۔ اگر آدمی ایمان سے محروم ہے تو اس کی روح زندہ نہیں، ایک لاش ہے اور بدن اس لاش کی چلتی پھرتی قبر ہے۔ کسی نے خوب کہا اور یہ حق ہے۔ وَاِنَّ اَجْسَامَهُمْ قَبْلَ الْقُبُوْرِ قُبُوْرُهُمْ ۔ کہ ان لوگوں کے بدن قبر میں جانے سے پہلے روح کی قبریں بن گئے قرآن حکیم کے نزدیک زندگی اور موت ایمان اور کفر سے متعلق ہے۔ اگر کوئی ایمان

سے محروم ہے تو وہ زندگی سے محروم ہے اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر یقین اتنا محکم ہو کہ اس پر عمل کیا جائے۔

ایمان دعویٰ اور اعمال گواہ ہیں

ایمان ایک دعویٰ ہے اور اعمال گواہ ہیں۔ میں مسلمان ہوں الحمد للہ! یہ میرا دعویٰ ہے۔ اب میرا کردار یہ بتائے گا کہ میں واقعی مسلمان ہوں۔ میرے اعمال یہ بتائیں گے کہ میں نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتا ہوں۔ اگر میں نے اتباع رسالت سے روگردانی کی تو میرے اسلام کی گواہی مشکوک ہو جائے گی، پھر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ جو ہم سوچتے ہیں، جو کرتے ہیں، یہ سارا کچھ دھرا رہ جائے گا۔ سوچنے پر بھی اللہ کریم نے امت مرحومہ پر بڑی رحمت فرمائی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر برائی سوچتا بھی ہے اور پھر اس پر عمل نہیں کرتا تو اللہ وہ سوچ معاف فرما دیتا ہے لیکن نیکی کے لئے سوچتا ہے، کسی غریب، کسی بیمار کی مدد کا سوچتا ہے، نفلی عبادت کا سوچتا ہے یا بہتر انسان بننے کا سوچتا ہے اور پھر کسی وجہ سے کر نہیں پاتا تو نیکی کی سوچ پر بھی اجر نصیب ہوتا ہے۔ یہ ساری برکتیں محمد رسول اللہ ﷺ کی ہیں۔ اب اس سے اگر ہم محروم رہے، روح کی تربیت نہ کی، صرف مادی وجود کو پالتے رہے، سونا چاندی دولت، گاڑیاں، جائز ناجائز طریقے سے جمع کرتے رہے تو یہ سب کچھ رہ جائے گا لیکن وہاں جا کر سارا کردار سامنے آ جائے گا۔

روز حشر ایسا دن ہے کہ کسی نے بھلا کیا یا برا، ایک ایک چیز سامنے آ جائے گی۔ پھر اس دن برائی کرنے والا یہ تمنا کرے گا کہ یہ جو کچھ میرے سامنے ہے، کاش اس میں اور مجھ میں دوریاں حائل ہو جائیں، زمانوں کی دوریاں حائل ہو جائیں اور میری اس سے جان چھوٹ جائے لیکن وہ عمل کا نہیں، نتائج کا دن ہے۔ اب اس دن کسی کو فرصت نہیں ہو گی کہ اس برائی کو دور کر سکے اور نیکی کو قریب لا سکے۔ دنیا میں تو بندہ حرص میں بھاگ بھاگ کر برائی کرتا ہے لیکن وہاں یہ آرزو کرے گا کہ کاش میرے برے کردار اور میرے درمیان کوسوں دوریاں ہو جائیں، یہ سب مجھ سے دور چلا جائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۔ اللہ تمہیں اس بات سے ڈراتا ہے کہ ایک عاجز مخلوق ہو کر مالک الملک کی نافرمانی نہ کرو، یہ کتنی بڑی دیدہ دلیری ہے! انسان ایک عاجز مخلوق ہے۔ ہر دم سانس لینے کا محتاج، ہر طرف احتیاج ہی احتیاج ہے اور رب العالمین کی ہستی ہے جو سب کی ضرورتیں پوری فرما رہا ہے۔ اس کی عظمت کا احساس دل میں رکھو کہ میں کس کی نافرمانی کر رہا ہوں۔ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۝ اگر تم اللہ کی عظمت کا احساس رکھو تو وہ لوگوں سے درگزر کرنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔ اپنے بندوں پر کرم فرما کے خوش ہوتا ہے۔ اپنے بندوں سے اگر خطا ہو جائے اور وہ توبہ کریں تو ان کے لئے باب رحمت کھلا ہے۔ توبہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ تو اتنا کریم ہے کہ کتنے

بھی دور چلے جاؤ لیکن ایک دفعہ خلوص دل سے یہ اقبال کرلو کہ یا اللہ! میں غلط کر رہا تھا، توبہ کرتا ہوں، مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اطاعت کروں تو وہ اس آدمی کو اپنے پاس لے آتا ہے، دوریاں ختم کر دیتا ہے اور لغزشیں معاف فرما دیتا ہے۔ جب اس کے کرم میں اتنی وسعت ہے اور اس کی اتنی جود و سخا ہے تو پھر بڑا ہی محروم ہے وہ انسان جو پھر بھی جہنم کا ایندھن بننے کے لئے تیار ہے، پھر بھی برائی پہ بضد ہے اور توبہ کر کے رجوع الی اللہ نہیں کرتا۔

ہمارے جیسا انسان کسی مشکل وقت میں ہماری ایک ضرورت پوری کر دیتا ہے تو ہم اس پہ فریفتہ ہو جاتے ہیں کہ یہ میرا بہت مہربان ہے اور ساری عمر اس کے ممنون و مشکور رہتے ہیں۔ وہ ہستی جس نے عدم سے وجود دیا، بے پناہ صلاحیتیں دیں، بے پناہ نعمتیں ہمارے اردگرد بکھیر دیں، ہمیں عزت دی، اولاد دی، گھر دیا اور بے شمار نعمتیں ہیں جن کو ہم گن نہیں سکتے۔ اتنی نعمتیں عطا کیں اور مسلسل عطا کئے جا رہا ہے، بھلا اس سے محبت کیوں نہیں ہو گی۔

شرف انسانیت اللہ سے محبت کا متقاضی ہے

اگر یہ احساس ہو کہ ہمیں خالق کائنات نے شرف انسانی سے نوازا ہے اور ہم پر اس کی بے پناہ شفقتیں، رحمتیں اور مہربانیاں ہیں تو یقیناً ہم اس کی رضا کے طالب ہونگے۔ اللہ کریم کے احسانات ہر آن جاری و ساری ہیں۔ ہماری بقاء، ہمارا وجود، ہمارے کمالات ظاہر ہوں یا باطن، عقل و خرد کی باتیں ہوں یا علم و عمل کی باتیں، دنیا کی باتیں ہوں یا آخرت کے امور، تمام صلاحیتیں، کام کرنے کی تمام قوتیں، سارے وسائل و اسباب، ہر سانس کی آمد و شد کے ساتھ ہم اس کے بے پناہ انعامات سے استفادہ کر رہے ہیں اور انہیں استعمال کر رہے ہیں۔

وہ ایک ہستی سب پر کرم فرما رہی ہے تو یقیناً تمہارا ضمیر، باطن، دل یہ اشارہ دے گا، یہ احساس دلائے گا کہ اتنی کریم، اتنی مہربان ہستی کی شکرگزاری کرنی چاہیے۔ تمہیں اس سے ایک گونہ انس ہی نہیں، محبت ہو جائے گی۔ تم چاہو گے کہ اس کے روبرو جا سکیں۔ تم چاہو گے کہ اس کے روبرو اس کا شکر ادا کر سکیں۔ اگر یہ احساس ہی نہیں ہے تو پھر انسان شرف انسانیت سے گر جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا وجود انسانی ہے لیکن اس کے اندر انسانی صفات مر جاتی ہیں اور قرآن حکیم نے فرمایا:

أُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ کہ ایسے لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ان کو تو اللہ نے ویسا ہی پیدا فرمایا اور ان میں وہ استعداد اور شعور ہی نہیں رکھا کہ اپنے منعم حقیقی کو پہچان

سکیں۔ اس کے باوجود پالتو جانور بھی اپنے مالک سے محبت کرتے ہیں چہ جائیکہ جسے شرف انسانیت سے نوازا جائے، اسے اپنے مالک کی خبر نہ ہو یا وہ اپنے مالک سے محبت نہ کرے۔ بندہ جب اس جگہ پر پہنچتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی محبت کا اظہار کیسے کرے؟ کیا طریقہ ہے کہ ہم اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں؟ کس طرح سے اپنی بات اس کی بارگاہ تک پہنچائیں۔

اللہ سے محبت کا تقاضا

قرآن کریم نے اس کا جواب یہ عطا فرمایا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ ۔ کہ اے میرے حبیب ﷺ انہیں فرما دیجئے کہ اگر تمہارا ضمیر زندہ ہے اور تم چاہتے ہو کہ اللہ سے محبت کرو تو پھر میری غلامی اختیار کرو، میرا اتباع اختیار کرو، فَاتَّبِعُوْنِيْ میرے نقوش کف پا پہ چلتے چلے آؤ، انہیں آنکھوں کا نور بنالو، زندگی کا شعار بنالو، اعمال کے لئے سند بنالو۔

تم مخلوق ہو، محتاج ہو، ضرورت مند ہو، ہر وقت اس کے کرم سے مستفید ہو رہے ہو، تمہیں تو اللہ سے محبت کا دعویٰ کرنا ہی چاہیے لیکن وہ بے نیاز ہے۔ اگر ساری خدائی بھی اس کا شکر ادا نہ کرے تو اس کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ساری خدائی اس کے در پہ ہمیشہ سربسجود رہے تو اس کی عظمت متاثر نہیں ہوتی، وہ بے نیاز ہے۔ مخلوق کے کردار سے اس کی ذات، اس کی صفات متاثر نہیں ہوتی لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرلو گے، تو تمہیں وہ عظمت نصیب ہو جائے گی کہ: يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کہ پھر اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ تمہارا محبت کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے، تم تو ایک ذرہ بے مقدار ہو، خاکی ذرات کو اللہ کریم نے ایک نسبت سے جوڑ دیا تو تمہارا وجود بن گیا۔ اگر وہ انہیں منتشر کردے گا تو تمہارا وجود منتشر ہو جائے گا۔ وہ قوت دیتا ہے تو تم سنتے ہو، دیکھتے ہو۔ سلب کر لیتا ہے تو آنکھیں ہوتی ہیں لیکن نظر نہیں آتا، کان ہوتے ہیں سنائی نہیں دیتا، زبان ہوتی ہے بندہ بول نہیں سکتا۔ وہ عطا کر رہا ہے اور سارے محتاج ہیں۔ وہ بے نیاز ہے، اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی سے محبت کرے۔ اسے کیا غرض ہے کہ وہ کسی کو عظمت دے۔ اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کو نوازے لیکن پھر فرمایا: اے نبی ﷺ! تیری پیروی اور اطاعت کا کمال یہ ہے کہ جو بندہ تیری اطاعت کرتا چلا جائے گا، اللہ اس سے محبت کرے گا، اللہ اسے اپنا محبوب بنالے گا۔

ہر ذرہ ہے محو خود نمائی

اللہ کریم نے ہر وجود میں ایک انا رکھ دی ہے یعنی ہر فرد اپنی انا میں گرفتار ہے۔ ہماری یہ انا کہ میں بہتر ہوں، اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے مقابلے میں آ جاتی ہے اور یہ ہم روزمرہ دیکھتے

ہیں۔ جب امور دنیا آتے ہیں اور ہمیں پتہ ہوتا ہے کہ یہاں حضور ﷺ کا طریقہ کار یہ ہے، آپ ﷺ کا فرمان یہ ہے لیکن ہم کہتے ہیں یہ کام اگر اس طرح کیا تو پھر ناک کٹ جائے گی، بے عزتی ہو گی۔ بے عزتی یہ ہو گی کہ ہماری برادری یا ہمارے معاشرے کا جو رواج یا رسم ہے، لوگ کہیں گے کہ یہ رسم پوری نہیں کر سکا خواہ رواج کو پورا کرتے ہوئے سنت چھوٹ جائے۔ تقاضائے ایمان تو یہ ہے کہ دنیا کچھ بھی کہے لیکن دامان مصطفی ﷺ نہ چھوٹے۔ اسلام کا تقاضا، ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ کوئی راضی رہے یا ناراض ہو جائے، کوئی ہمیں اچھا کہے یا برا لیکن سنت نبوی ﷺ نہ چھوٹے۔

یہ جو ہمارا روز کا دعویٰ ہے کہ ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے، اللہ کرے یہ دعویٰ سچا ہو لیکن اس کا تقاضا کیا ہونا چاہیے! کیا حضور ﷺ کی ادائیں اپناتے ہوئے ہمیں شرم آنی چاہیے؟ حضور ﷺ کی غلامی اور اتباع کرتے ہوئے ہماری ناک کٹ جاتی ہے اور حضور ﷺ کی نافرمانی سے ناک اونچی ہوتی ہے تو پھر تف ہے ہم پر اور ہمارے دعویٰ اسلام پر، یہ جھوٹ ہے۔ اللہ نے اپنی محبت کو اس سے مشروط کر دیا کہ اگر کسی کا میری محبت کا دعویٰ سچا ہے تو میرے نبی ﷺ کی غلامی کر لے، میں سمجھوں گا اسے مجھ سے محبت ہے۔ جسے مجھ سے محبت ہے وہ ہر ہر ادا میں میرے نبی ﷺ کی غلامی کر لے، میں اس سے محبت کروں گا۔ **یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ** تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔

حیات طیبہ ﷺ زندگی کے ہر شعبہ میں رہنما ہے

نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہر آدمی کے لئے قابل عمل ہے۔ آپ ﷺ نے زندگی اس انداز میں گزاری جس کے مطابق غریب، مزدور اور فقیر بھی اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔ اجرت پر بکریاں بھی چرائیں، معاشرے میں اس سے کم تر درجہ اور کیا ہو گا؟ ایک مصری عالم شیخ محمد رضا نے سیرت کی مشہور کتاب ''محمد رسول اللہ ﷺ'' میں لکھا ہے کہ ابو طالب کثیر العیال تھے، ایک ٹانگ سے معذور تھے اور کاروباری سفر بہت کم کر سکتے تھے۔ مفلوک الحال تھے تو اس وقت حضور اکرم ﷺ اجرت پر بکریاں چرا کر اجرت چچا ابو طالب کو دیتے تھے۔ اجرت پر بکریاں چرانے کی مزدوری سے لے کر ریاست اسلامی کے سربراہ تک نقوش کف پا بکھرے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ نے تجارتی قافلوں کو اپنی ہمراہی سے سرفراز فرمایا۔ تجارت کی، ہجرت کی، عبادت کی، تکلیفیں برداشت کیں، ظلم سہے اور حق پر قائم رہے۔

ایک بات بڑی قابل توجہ ہے کہ اہل مکہ مذہب کے خلاف نہیں تھے۔ وہ اس بات سے خفا نہیں تھے کہ آپ ﷺ کہتے ہیں اللہ ایک ہے۔ وہ اس بات سے خفا تھے کہ ہمارے بتوں کو جھوٹا کیوں کہتے ہو؟ اس بات

سے خفا نہیں تھے کہ آپ نماز پڑھتے ہیں اور ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں کم و بیش دنیا کے ہر مذہب کے ماننے والے تھے۔ کوئی بتوں کو پوجتا تھا' کوئی جنوں کو پوجتا تھا' کوئی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتا' کوئی سورج کو پوجتا' کوئی آگ کو پوجتا' کوئی عیسائی تھا اور کوئی یہودی اور کوئی کسی کو بھی نہیں مانتا تھا۔ یہ نظریات مکہ مکرمہ میں اس لئے موجود تھے کہ ان لوگوں کی معیشت ہی سفروں پر منحصر تھی۔ تجارتی سفر کرتے' دنیا کے گوشے گوشے میں جاتے تھے۔ جہاں سے کسی نے کوئی مذہب اختیار کیا' وہ مکہ میں لے آیا۔ اس طرح بے شمار مذاہب تھے لیکن معاشرت اور رہن سہن کے لئے انہوں نے اپنے سردار بنا رکھے تھے اور سارا معاشرتی ڈھانچہ ان کے تابع تھا۔ ہر مذہب کا ماننے والا اس معاشرتی ڈھانچے کا حصہ تھا۔ وہ سود کھاتے' پیشہ ور عورتیں رکھی ہوئی تھیں' لوگوں کو پکڑ کر غلام بنا کر بیچتے یا جو بھی قباحتیں تھیں' انہیں روکتا کوئی نہیں تھا۔ اپنے اپنے مذہب پہ تھے لیکن جو معاشرہ تھا اس میں سارے مل جل کر رہتے تھے۔ ان کا نبی کریم ﷺ سے مطالبہ یہ تھا کہ آپ اپنا مذہب رکھیں لیکن سارے مذاہب کو غلط نہ کہیں اور معاشرے میں تفریق نہ کریں۔ جس طرح ہم جوا کھیلتے ہیں' شراب پیتے ہیں' مسلمان بھی جوا کھیلیں' شراب پئیں۔ جس طرح ہم پیشہ ور عورتوں کے پاس جاتے ہیں' مسلمان بھی جائیں۔ آج کے مسلمان معاشرے کی طرح اس وقت بھی سوال یہ تھا کہ روشن خیال رہو' کلمہ پڑھتے رہو لیکن معاشرتی برائیوں میں بھی سب کے ساتھ شامل رہو۔

اللہ کریم نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ میرے حبیب اعلان فرما دو: **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ** تمہارے اندر اگر اللہ کے احسانات کا احساس زندہ ہو گیا ہے' **فَاتَّبِعُوْنِيْ** میرے نقوش کف پا پہ چلو **يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○** اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا کہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ بہت مشکل مسئلہ ہے کہ ہم دار دنیا میں ہیں۔ اللہ کو مانیں تو ایمان بالغیب ہے۔ اللہ کو دیکھنا ممکن نہیں ہے چونکہ یہ نگاہ مادی ہے' مخلوق ہے اور اس میں اللہ نے اتنی وسعت دی ہی نہیں۔ وہ چاہے تو اسے وسعت دے دے اور قیامت کو دے دے گا۔ مومنین اللہ کے جمال کا نظارہ کریں گے لیکن وہ عالم دوسرا ہو گا۔ فرمایا: **فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ** آج تمہاری نگاہ کو فولادی قوت دے دی ہے لیکن وہ عالم ہی دوسرا ہو گا۔ یہاں فرشتے نظر نہیں آتے' آخرت نظر نہیں آتی' جنت و دوزخ سامنے نہیں ہے۔ اگر یہ سب چیزیں سامنے ہوتیں تو پھر کس کی جرأت تھی کہ جنت کو چھوڑ کر دوزخ کی طرف سفر کرتا۔ یہی امتحان ہے کہ ان سب چیزوں کی حقیقت سے اللہ کے حبیب ﷺ نے مطلع فرما دیا۔ اب بات اعتبار کی ہے جسے ہم ایمان کہتے ہیں۔ یہ

اعتبار محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات پر ہے۔ جسے حضور ﷺ پر اعتبار آ گیا اور اس کے دل میں یہ تمنا جاگ اٹھی کہ میرا زندگی کا سفر اللہ کی رضا، اللہ کی خوشنودی اور جنت کی جانب ہو۔ اللہ کی ناراضگی سے بچوں، آخرت کی تباہی سے بچوں تو وہ کیا کرے؟ یہاں تو قدم قدم پر کہیں لین دین ہے، کہیں معاملات ہیں، کہیں رشتہ داری ہے، کہیں خرید و فروخت ہے، کہیں لڑائی بھڑائی ہے، کہیں زراعت کھیتی باڑی ہے، کہیں مزدوری اور ملازمت ہے، زندگی کے اتنے جھمیلے ہیں کہ ہر لمحہ بندہ کچھ نہ کچھ کر رہا ہوتا ہے، حتیٰ کہ ہم سو جاتے ہیں۔ سونے تک ہمارا دماغ کہیں نہ کہیں الجھا ہوا ہوتا ہے۔ دماغ ہمیں وہی خوابیں دکھا رہا ہوتا ہے جو ہماری دن بھر کی خواہشات ہیں۔ ہم اس میں اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ ہمارا ایک ایک لمحہ کسی نہ کسی کام کی نذر ہو رہا ہے۔

اس سارے جھمیلے میں یا رسول اللہ! ہم کس طرح فیصلہ کریں کہ ہمیں کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا۔ فرمایا یہ بہت آسان ہے، اس میں کوئی مشکل نہیں اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ اگر تمہیں عظمت الٰہی کا احساس و ادراک نصیب ہوا ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ تو میرا اتباع کرلو، میں نے بھی زندگی گزاری ہے۔ وہ ہستی جو باعث تخلیق کائنات ہے، وہ ہستی جو انبیاء و رسل کی امام ہے، وہ ہستی جس کے در کے دربان فرشتے ہیں، وہ ہستی جس کی خاک پا بھی حیات آفریں ہے، وہ ہستی جو اللہ کے بعد کائنات کی ساری ہستیوں سے بزرگ و برتر ہے، وہ ہستی فرما رہی ہے اور اس عظمت کے ساتھ، اپنی اس بلندئ مقام کے ساتھ کہ میں نے بھی زندگی گزاری ہے، میں نے مزدوری کی، اجرت پر بکریاں چرائیں، تجارتی سفر کئے، مصائب جھیلے، دنیا کے دکھوں کا کون سا پہاڑ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نہیں ٹوٹا، میری زندگی دنیا کے ہر شخص کے لئے، وہ جو بھی ہے، جہاں بھی ہے، جس زمانے میں بھی ہے، اتباع کے لئے تابندہ مثال ہے اور کامیابی کی ضمانت ہے۔

دس سالہ حیات مدنی میں ریاست اسلامی کی بنیاد پڑی، حضور ﷺ سربراہ سلطنت بھی ہیں۔ دس سال میں کم و بیش چوراسی یا چھیاسی غزوات و سرایا یعنی ملکی جنگیں ہیں۔ ایک نئی ریاست بن رہی ہے اس میں ایک نیا نظام، قوانین، عدلیہ، فوج بن رہی ہے۔ زمینوں کی پیمائش، ملکیت، لین دین، کاشت، مالک مزارع، مزدور اور مالک کا رشتہ، ایک نیا نظام دیا جا رہا ہے اور وہ نافذ العمل ہے۔ اندازہ کیجئے کہ اس حکمران کی مصروفیات کا کیا عالم ہوگا کہ جو ایک نیا نظام متعارف کرا رہا ہے۔ اس معاشرے میں زندگی کے سارے معاملات کے بنیادی اصول اور نیا بنیادی ڈھانچہ متعارف کر رہا ہے۔ آپ نے تو 1965ء میں ایک جنگ دیکھی اور پھر 1971ء کی جنگ میں ہمارا بھرکس نکل گیا یعنی ہم نے دو جنگیں لڑیں اور دس دس سترہ سترہ دن کی جنگوں میں ایک ایسے ملک

کی ابھی تک کمر سیدھی نہیں ہو رہی جسے بنے ساٹھ سال ہو گئے ہیں۔ اس حکمران کو دیکھئے جس کے دس سال کے عرصے میں چوراسی جنگیں بھی شامل ہیں اور نیا نظام بھی متعارف کرایا جا رہا ہے، معاملات بھی طے ہو رہے ہیں، عدالتیں بھی بن رہی ہیں، فیصلے بھی ہو رہے ہیں، مقدمات کی شکل بھی نئی بن رہی ہے، وکالت بھی ہو رہی ہے، زندگی کا ہر کام ایک نئے سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے۔ کیا وسعت نظر دی نبی کریم ﷺ نے کہ آج چودہ سو سال کی مسافت کے بعد آپ کا ماننے والا ان پڑھ چرواہا بھی جانتا ہے کہ آخرت ہے، جنت و دوزخ ہے، فرشتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں حاضر بھی ہونا ہے۔ وہ عمل کرتا ہے یا نہیں لیکن جانتا ضرور ہے۔ یہ پڑھانے والے معلم ﷺ کا کمال ہے کہ سبق ایسا یاد کرایا کہ صدیاں بیت گئیں، جاہلوں اور ان پڑھوں کے دل اس علم سے بہرہ ور ہیں۔ قیامت تک محمد رسول اللہ ﷺ کے پڑھائے ہوئے اسباق چلتے رہیں گے۔ دین ختم نہیں ہو گا اور جب تک دنیا آباد ہے، آپ کی تعلیمات چلتی رہیں گی۔

فرمایا: فَاتَّبِعُوْنِیْ میرا اتباع کرو۔ اگر تجھے فاقہ ہے تو میرے پیٹ پر بندھے ہوئے تین پتھروں کو دیکھ، میری ذات کو دیکھ جس کی خاطر کائنات بنی ہے، میں فاقے کرتا ہوں۔ تیری غربت ہے تو میرا لباس دیکھ۔ تجھے تنگی ہے تو مجھ پر کفر کی طرف سے اور دشمنوں کی طرف سے جو تنگیاں آئیں ان کا اندازہ کر۔ مکہ مکرمہ کے پاس شعب ابی طالب میں جھانک کر دیکھ۔ کیا اللہ کے حبیب ﷺ نے ان مشکلوں، ان مصیبتوں اور فاقوں سے تنگ آ کر سمجھوتہ کیا تھا؟ تو جب حضور ﷺ کا امتی کہلاتا ہے تو قدم قدم پر سمجھوتے کیوں کرتا ہے؟ کسی سے ڈر کر یا لالچ میں آ کر آدمی غلط راہ پر نکل جاتا ہے۔ مشرکین مکہ نے لالچ کی پیشکش کرنے کی بھی حد کر دی اور ظلم کے پہاڑ توڑ کر بھی دیکھ لیا لیکن نبی کریم ﷺ کے پائے استقلال کی خاک کو بھی نہ پہنچ سکے۔ جو لوگ حضور ﷺ پر ایمان لائے وہ کیسے عجیب لوگ تھے کہ کفار نے سارا زور صرف کر دیا لیکن کسی ایک کے منہ سے جھوٹے طور پر بھی حضور ﷺ کی تردید نہ کروا سکے۔ آج تمہیں اگر کامیابی چاہیے، دنیا میں عزت و سربلندی چاہیے، آخرت میں آرام چاہیے اور زندگی میں بھی آسودگی چاہیے تو فَاتَّبِعُوْنِیْ تو میرے نقوش کف پا کو اپنے لئے پسند کر لو۔

انبیاء کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ میں ایک حدیث ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کہ جو شخص جس قوم کی مشابہت، اس کا معاشرتی ڈھانچہ، اس کی طرح رہن سہن اور اس کا کردار اپنائے گا تو قیامت میں اسی قوم کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ مرقاۃ شریف میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے کہ فرعون کے دربار میں ایک بھانڈ ہوا کرتا تھا جو موسیٰ علیہ السلام جیسا

لباس پہن کر، ایک دوشاخی لاٹھی لے کر، ہکلا ہکلا کر باتیں کرتا اور نقلی موسیٰ بن کر فرعون کو خوش کرتا۔ جب فرعون غرق ہوا تو وہ شاہی مسخرہ بھی ساتھ تھا۔ فرعون سمیت سارا لشکر غرق ہو گیا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ مسخرہ کنارے پہ کھڑا ہے۔ آپ نے عرض کی کہ بارالہا فرعون تو تباہ ہوا، اس کا لشکر تباہ ہوا لیکن یہ جسے آپ نے چھوڑ دیا ہے یہ تو مجھے بہت ایذا دیتا تھا، اس نے مجھے بہت پریشان کیا، آپ نے اسے کیوں چھوڑ دیا؟ صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ اللہ کریم نے فرمایا کہ موسیٰ! اس کا حلیہ نقل سہی لیکن تیرے جیسا تھا، میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ نقلی موسیٰ اور فرعون کو اکٹھا ڈبو دوں۔ میں اسے عذاب الگ سے دوں گا لیکن فرعون کے ساتھ میں نے اس لئے غرق نہیں کیا کہ نقلی سہی لیکن بنا ہوا تو تیری طرح ہے۔ اگر انبیاء کی نقل کا یہ عالم ہے تو جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کی ادائیں اپنا لے تو اس کا عنداللہ کیا مقام ہو گا!

قرآن نے یہ فیصلہ دے دیا کہ تم دامان رسول اللہ ﷺ تھام لو، **فَاتَّبِعُوْنِيْ** میرے نقوش کف پا کو عزیز از جان بنا لو، میری طرح جینا شروع کر دو، تو جو کچھ کر چکے ہو **وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ**ط اللہ تمہارے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ**○ یقیناً اللہ اتنا مہربان ہے، اتنا معاف کرنے والا ہے، اتنا رحم کرنے والا ہے کہ تمہیں اس کی بخشش، اس کی رحمت کا اندازہ ہی نہیں۔ وہ بہت بڑا رحم کرنے والا اور بہت بڑا بخشنے والا ہے۔

ہم تو بڑے گناہ گار ہیں، اب اگر حضور ﷺ کی طرح جینا شروع کر دیں گے تو گذشتہ زندگی کا کیا ہو گا؟ ستر سال بعد خیال آئے کہ میں حضور ﷺ کا اتباع کر لوں تو ستر سالوں میں جو ظلم کیا اس کا کیا ہو گا؟ پچاس سال بعد خیال آیا کہ میں توبہ کر کے حضور ﷺ کی سنت کے مطابق زندگی اختیار کر لوں تو جو پچاس سالوں میں ظلم کئے ان کا کیا ہو گا؟ فرمایا: جب میرا دامن تھامو گے **وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ**ط اللہ سارے گناہ معاف کر دے گا۔ جو کر چکے ہو اسے بھول جاؤ۔ جب تم میرا دامان رحمت تھامو گے تو تم اس کی رحمت کی وسعت کو نہیں سمجھ سکتے، وہ تمہاری ساری کوتاہیاں معاف کر دے گا۔

پھر انسان ہوتے ہوئے ہم سے خطائیں ہو جاتی ہیں، کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ ہم سجدے کرتے ہیں لیکن ہمارے سجدے بھی اس قابل نہیں ہوتے کہ اسکی بارگاہ میں پیش کئے جائیں۔ جن عبادتوں پہ ہمیں فخر ہوتا ہے، اس کی بارگاہ دیکھیں اور اپنی عبادت دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اس بارگاہ میں پیش کی جا سکے چہ جائیکہ ہمارے دن بھر کے معمولات اس قابل ہوں۔ فرمایا، اللہ کریم تمہاری ان چھوٹی موٹی خطاؤں کو معاف کریں گے، بتقاضائے بشریت جو کمی رہ جاتی ہے وہ خود پوری کر دے گا لیکن اگر تم نے روگردانی اختیار کی، اگر تمہیں اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کرتے ہوئے شرم آتی ہو، اگر حضور ﷺ کے حکم کے

خلاف کام کر کے تم خود کو بڑا آدمی سمجھتے ہو تو بڑائی صرف اللہ کے لئے ہے، کوئی بھی بڑا نہیں ہے۔ سب جانے والے ہیں۔ وہ پیدا کرتا ہے تو پیدا ہوتے ہیں، صحت دیتا ہے تو صحت مند رہتے ہیں، صحت لے لیتا ہے تو بیمار ہو جاتے ہیں اور جب تک اس نے فرصت دی ہے تو یہ ''میں'' ہے۔ جب فرصت ختم ہو جائے گی تو سب چلے جائیں گے۔ ہمیشہ نام اللہ کا رہے گا۔ ہر ایک کردار اس کے سامنے آ جائے گا کہ اس نے اللہ کے نبی ﷺ کی کتنی اطاعت کی، کتنی نافرمانی کی۔

گناہ کا مسلسل ارتکاب کفر تک لے جاتا ہے

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ انہیں فرما دیجئے کہ تمہارے پاس اس کے سوا دوسرا راستہ بھی نہیں۔ سیدھی بات ہے کہ اللہ سے محبت کرو، اللہ کی عظمت کا احساس دل میں لاؤ، اللہ کے حبیب ﷺ سے پیار کرو اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی غلامی کرو، اطاعت کا راستہ اختیار کرو۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر تم نے اس راستے سے اعراض کیا، اتباع رسالت کو اہمیت نہ دی، حضور ﷺ کی پیروی چھوڑ دی فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۝ تو پھر ایسے انکار کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ پھر غضب الٰہی تمہارا مقدر بن جائے گا چونکہ حضور ﷺ کے دامان رحمت کو چھوڑ دینا ہی کفر ہے۔ کفر کا اصلی معنی ہے ناشکری، اللہ کی نعمتوں کا عدم احساس اور اللہ کا شکر نہ کرنا کفر بن جاتا ہے اور یاد رکھیں! گناہ مُفْضِي اِلَى الْكُفْرِ ہوتا ہے، ہر گناہ کفر کی طرف لے جانے والا ہوتا ہے اور اگر بندہ گناہوں کے راستے پہ مسلسل چلتا رہے تو ایک لمحہ آ جاتا ہے کہ جب ایمان سے خالی ہو جاتا ہے۔

بڑا بدبخت ہے وہ شخص جس نے اطاعت کی بجائے مخالفت مول لے لی۔ مخالفت تو بہت دور کی بات ہے، اگر کوئی اطاعت سے روگردانی کرتا ہے تو اللہ نے جلال کے انداز میں فرمایا: فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۝ بندہ دعویٰ مسلمانی کا کر رہا ہے، کلمہ اسلام کا پڑھتا ہے، دعویٰ محبت الٰہی کا کر رہا ہے تو جواب آتا ہے کہ اگر مجھ سے محبت کا دعویٰ ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرو فَاِنْ تَوَلَّوْا اور اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا تو میرا فیصلہ سن لو فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۝ اللہ نے یہ جواب نہیں دیا کہ مجھے ایسے مسلمان پسند نہیں ہیں جو دعویٰ تو میری محبت کا کرتے ہیں لیکن میرے نبی ﷺ کا اتباع نہیں کرتے! فرمایا: مجھے کافر سخت ناپسند ہیں، جو اتباع سے اعراض کرے اور کہے میرے لئے یہ باعث شرم ہے تو اللہ کہتا ہے کہ ایسے کافروں سے میرا کوئی تعلق نہیں، مجھے سخت ناپسند ہیں اور پھر کوئی حضور ﷺ کی مخالفت شروع کر دے! روگردانی کرنے والا محبت الٰہی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اللہ کہتا ہے کہ مجھے کافر اچھے نہیں لگتے۔ اب اگر کوئی حضور ﷺ کی مخالفت شروع کر دے تو اس کا کیا حال ہوگا!

ایمان کے بغیر بندہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہے

آج کے معاشرے میں آپ دیکھتے ہیں کہ باپ نیک ہے، خالص اور کھرا سچا مسلمان بھی ہے اور اسی کے گھر میں اسی کی اولاد میں پانچ چھ نئے عقیدے پیدا ہو جاتے ہیں۔ آخر کیوں؟ جب آدمی ایمان سے فارغ ہوتا ہے تو وہ کٹی ہوئی پتنگ بن جاتا ہے۔ پھر اللہ کو پرواہ نہیں کہ وہ کسی بجلی کی تار سے، کھمبے، کسی جھاڑی یا کسی کیکر سے اٹک گیا یا کسی صحرا میں گر گیا۔ جب ایمان سے گیا تو پھر جتنے گمراہ فرقے ہیں ان میں کسی میں چلا جائے، اس کی کس کو پرواہ ہے! "اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَة" حضور ﷺ فرماتے ہیں دنیا بھر کا کفر ایک ہی قوم ہے، ایک ہی ملت ہے تو جس کی پتنگ کٹ گئی، ایمان کی ڈور کٹ گئی وہ کس کفر میں جاتا ہے، اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ آج جتنے عقیدے آ گئے ہیں اور جتنے نئے نئے مذاہب آ گئے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گناہ اور برائی بندے کو ایمان سے دور لے جاتی ہے اور کفر میں جا گراتی ہے۔ آپ نے کسی بندے کو خلوص نیت سے نیکی کرتے کرتے گمراہ ہوتے نہ دیکھا ہوگا۔ گمراہ وہ ہوتے ہیں جو اتباع رسالت نہیں کرتے بلکہ اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جو لوگوں سے پیسے لینے کے لئے شیطانی وظائف، اوراد، چلے اور وظیفے پڑھتے رہتے ہیں اور بظاہر ہمیں بڑے پارسا نظر آتے ہیں۔ نیکی سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا، نیکی سے تو اللہ کی اطاعت کی توفیق ارزاں ہوتی ہے۔ جو عقیدے کی خرابی برائی کا نتیجہ ہوتی ہے اور جو لوگ نئے نئے عقیدوں میں جا رہے ہیں آپ ان کی زندگیاں دیکھیں تو ان کی گناہ کی شامت انہیں وہاں لے گئی۔ یہاں یہ فیصلہ کر دیا کہ اگر تم اللہ کے رسول ﷺ کا دامان رحمت تھام لو اور اطاعت کی راہ اپنا لو تو اللہ تمہارے سارے گناہ معاف فرما دے گا لیکن بدقسمتی سے کسی کو یہ احساس نصیب نہ ہوا اور اس نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت چھوڑ دی تو فرمایا: پھر یہ بات بھی یاد رکھو: جو اللہ کی پرواہ نہیں کرتے، جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پرواہ نہیں کرتے، وہ جہنم کے کس گڑھے میں گر رہے ہیں۔

ہم سے ایک روپیہ کہیں گر جائے تو اس جگہ کو کھود ڈالتے ہیں کہ یہاں میرا ایک روپیہ گرا ہے لیکن کبھی ہم نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ یہ کام مجھ سے خلاف سنت ہو گیا، یہاں میری ایک سنت ضائع ہو گئی، مجھ سے نبی کریم ﷺ کی ایک ادا چھوٹ گئی، اب میں اسے تلاش تو کروں، توبہ تو کروں، اللہ سے دعا تو کروں، بیٹھ کر درود شریف پڑھوں، تلاوت کروں، دو نفل ہی پڑھ لوں اور دعا کروں کہ اللہ مجھ سے سنت چھوٹ گئی تھی، میرے حال پہ رحم فرما۔ میری یہ کمی دور فرما دے، آئندہ مجھے ایسے نقصان سے بچا۔ کتنے لوگ ہیں جنہیں یہ احساس ہوتا ہے!

ہم ایک دن کا ایک چارٹ بنالیں، صبح اٹھنے سے رات سونے تک جو کچھ کرتے ہیں لکھتے جائیں اور رات کو اسے دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ دن میں کتنی سنتیں پامال کی ہیں۔ جب ہم حضور اکرم ﷺ کی اداؤں کو پامال کر کے گزر جاتے ہیں، سنتوں کو قتل کرتے ہیں تو اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسے بندے اچھے نہیں لگتے، ایسے بندوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ پھر وہ جہاں جائیں، جیسے تباہ ہو جائیں، اللہ کو پرواہ نہیں ہوتی۔ اللہ کریم سے دعا کیا کیجئے اور حضور اکرم ﷺ کی اداؤں کو تلاش کیا کیجئے۔ یہ وہ نعمت ہے جو دو عالم میں سرفرازی عطا کرتی ہے۔ جو دو عالم میں سکون اور عظمت مہیا کرتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ ۔ میں نے آدم علیہ السلام کو چن لیا۔ میں نے آدم علیہ السلام کو پسند کر لیا۔ یاد رکھیں بات اس سے چل رہی ہے کہ اگر تم میرے حبیب ﷺ کی پیروی کرو گے، اتباع کرو گے تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اللہ کیسے محبت کرتا ہے! فرمایا: ملائکہ جو نوری مخلوق ہیں، صدیوں سے سجدے کرتے آ رہے ہیں، عبادت کرتے آ رہے ہیں اور جن سے گناہ کا کوئی تصور نہیں اللہ کے اطاعت گزار ہیں، انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، آدم علیہ السلام کی عظمت کا اقرار کرو۔ ابھی آدم علیہ السلام نے تو عمل کی دنیا میں قدم نہیں رکھا۔ جیسے ہی روح پھونکی گئی، فرشتوں کو فرمایا اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سجدہ کرو، آدم علیہ السلام کی اطاعت کا پھندہ اپنے گلے میں ڈال لو، اس کی عظمت کا اقرار کرو۔ فرمایا اسے میں نے چن لیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ ۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے منتخب فرما لیا وَنُوْحًا نوح علیہ السلام کو بھی اس نے چن لیا اور کیسا صابر و شاکر اللہ کا رسول تھا کہ ساڑھے نو سو برس تبلیغ کرتا رہا، تکلیفیں اٹھاتا رہا، دکھ سہتا رہا لیکن نو سو پچاس سال ایک ہی بات کہتا رہا کہ لوگو! اللہ کی اطاعت کر لو اور جب لوگوں نے ساڑھے نو سو سال بات نہیں مانی تو ایک جملہ کہہ دیا کہ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ○ اِنَّکَ اِنْ تَذَرْھُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ○ یا اللہ اب ایسا کر کہ کافروں میں سے کسی فرد کو زمین پر زندہ نہ رہنے دے۔ اگر یہ زندہ رہے تو کفر پہ جمتے چلے جائیں گے۔ ان کی نسلیں بھی کافر ہوں گی۔ ایک بندے کی درخواست پر اس قادر مطلق نے ساری کائنات کو غرق آب کر دیا۔ اس نے نوح علیہ السلام کو چن لیا اور جنہوں نے ان کی مخالفت کی، ان میں بڑے بڑے رئیس بھی تھے، حتیٰ کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی تھا، وہ سب غرق آب ہوئے۔ وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۙ○ آل ابراہیم آل عمران کو اس نے ان کے اپنے وقت میں زمین پر لوگوں سے سربلند و سرفراز کر دیا۔ ذُرِّیَّۃً ۢ بَعْضُھَا مِنْۢ بَعْضٍ ط سب ایک دوسرے کی اولادوں میں سے تھے۔ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ اللہ سننے والا اور علم والا ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ
مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ
وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ
وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ
الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا
زَكَرِیَّا ؕۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ
یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ
یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ
لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ
قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ
اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ
غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا
یَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ
اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع

جب عمران کی بی بی نے کہا اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے، میں نے تیری نذر کیا، (سب سے) آزاد کیا ہوا، سو تو مجھ سے قبول کر لے، بیشک تو سننے والا جاننے والا ہے۔ سو جب اس نے اس کو (مریم کو) جنم دیا تو وہ بولی اے میرے رب! میں نے جنم دی ہے لڑکی، اور اللہ خوب جانتا ہے جو اس نے جنم دیا ہے اور بیٹا بیٹی کے مانند نہیں ہوتا، اور میں نے اس کا نام مریم رکھا

اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تو اس کو اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا اور اس کو اچھی طرح پروان چڑھایا اور اس کو زکریاؑ کے سپرد کیا۔ جب بھی زکریاؑ اس کے پاس حجرہ میں داخل ہوتے‘ اس کے پاس کھانا پاتے‘ اس نے (زکریاؑ نے) کہا‘ اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ اس نے کہا یہ اللہ کے پاس سے ہے‘ بیشک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ وہیں زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی‘ اس نے کہا اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاک اولاد عطا کر‘ تو بیشک دعا سننے والا ہے۔ تو انہیں فرشتوں نے آواز دی‘ جب وہ حجرہ میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے‘ کہ اللہ تمہیں یحییٰؑ کی خوشخبری دیتا ہے‘ اللہ کے حکم کی تصدیق کرنے والا‘ سردار اور نفس کو قابو میں رکھنے والا‘ اور نبی (ہوگا) نیکو کاروں میں سے۔ اس نے کہا اے میرے رب! میرے لڑکا کہاں سے ہوگا جبکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری عورت بانجھ ہے۔ اس نے کہا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس نے کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمادے۔ اس نے کہا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن بات نہ کرے گا مگر اشارہ سے‘ اور تو اپنے رب کو بہت یاد کر اور صبح اور شام تسبیح کر۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

سابقہ آیات میں ذکر چل رہا تھا کہ اللہ کریم نے آدم علیہ السلام‘ نوح علیہ السلام‘ آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب فرمایا۔ وہ اللہ کے نبی‘ روئے زمین پر اللہ کے بہترین بندے اور اللہ کے چنے ہوئے لوگ تھے۔ اللہ کریم نے انہیں لوگوں کے لئے ذریعہ نجات اور باعث راحت بنایا۔ پھر ایک عجیب واقعہ کی طرف متوجہ فرمایا کہ اللہ کی قدرت کتنی عظیم ہے اور کس طرح سے اپنے امور کی منصوبہ بندی کرتی ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝ جب حضرت عمران علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے دعا کی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ بھی عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ حضرت عمران بھی بڑھاپے کو پہنچ چکے تھے۔ ایک روز انہوں نے کسی چڑیا کو بچے کو چوگہ دیتے ہوئے دیکھا تو ان کے دل میں ایک آرزو پیدا ہوئی کہ میرا بھی بچہ ہوتا۔ بے اختیار دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے کہ اے اللہ! مجھے بھی اولاد عطا فرما، تو ہر چیز پہ قادر ہے۔ جب انہیں امید ہوگئی تو بڑی خوشی ہوئی کہ اللہ نے میری دعا قبول کر لی اور اس خوشی میں انہوں نے پھر عرض کیا:

اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا۔ بار الٰہا تو نے جو یہ بچہ مجھے دیا ہے اور ابھی میرے پیٹ میں ہے، میں اسے تیری راہ میں تیری نذر کرتی ہوں کہ وہ تیرے گھر کی خدمت کرے اور تیرے لئے عمر بسر کرے۔

مُحَرَّرًا تمام ذمہ داریوں سے آزاد، سوائے تیرے گھر کی خدمت اور تیرے دین کی خدمت کے اس کا کوئی کام نہ ہوگا۔ اس طرح سے بچوں کا وقف ان کی شریعت میں جائز ہوگا۔ ہر عہد کے اپنے احکام ہوتے ہیں اور ہر عہد کا جو حکم ہوتا ہے، اس کے لئے وہی درست ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ نذر مانی کہ یہ بچہ جو پیدا ہوگا اسے میں تمام دنیاوی ذمہ داریوں سے آزاد کر کے تیری راہ میں دے دوں گی، تو اسے قبول فرما اس لئے کہ تو سنتا بھی ہے۔ میں جو عرض کر رہی ہوں تو خود سن بھی رہا ہے اور جو کچھ میرے دل میں ہے، جو میرا ارادہ ہے، تو اسے بھی جانتا ہے۔ تو سننے والا بھی ہے تو جاننے والا بھی ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ اور جب بچے کی پیدائش ہوئی تو وہ بیٹی تھی۔ وہ بڑی حیران ہوئیں کہ بیٹا ہوتا تو آزاد ہوتا، حرم میں رہتا یا مسجد میں رہتا، اللہ کے گھر کی خدمت کرتا، لوگوں کی خدمت کرتا، دین کی خدمت کرتا لیکن بچیوں کا مسئلہ اور طرح کا ہوتا ہے۔ ان کی ضروریات الگ، طرز حیات الگ تو یہ بچی کس طرح اللہ کے گھر کی خدمت کرے گی؟ انہوں نے عرض کی بار الٰہا! فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ میری تو بیٹی ہوئی ہے، میں اپنے وعدے پر قائم ہوں، لیکن کیا ہوگا؟ یہ تو بہتر جانتا ہے۔

اس واقعہ کے پیچھے بھی قدرت کی منصوبہ بندی ہے کہ وہ بی بی پریشان ہو رہی ہیں کہ اللہ میرے تو بیٹی پیدا ہوگئی، جو نذر مانی ہے اس کا کیا ہوگا؟ اللہ نے فرمایا: وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ اگر تیرا بیٹا ہوتا تو وہ یہ کام نہ کر سکتا جو یہ بیٹی کرے گی۔ میں جانتا ہوں، میں نے خود ہی بیٹی دی ہے، جو کام میں اس بچی سے لینا چاہتا ہوں اس کی جگہ اگر بچہ ہوتا تو وہ کام نہیں ہو سکتا تھا، تیری یہ بیٹی بہت بڑا کام کر جائے گی اور وہی ہوا کہ مریم علیہا السلام سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور دینی انقلاب کی بنیاد رکھی گئی۔

روضہ اطہر میں تدفین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتیاز ہے

اللہ کریم فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ اللہ کریم بہتر جانتا ہے جو کچھ پیدا ہوا۔ اللہ خود خالق ہے اور اللہ جانتا ہے کہ یہ بچی کس انقلاب کا پیش خیمہ ہے اور اس سے قدرت کاملہ کا اظہار کس کس طرح سے ہوگا۔ اللہ کریم کے علم میں تھا کہ میں اسے بغیر خاوند کے بیٹا دوں گا اور وہ بیٹا میرا نبی ہوگا' وہ اللہ کی نشانیوں میں سے نشانی ہوگا کہ پیدا ہوتے ہی ماں کی گود میں کلام کرے گا اور بتائے گا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور اللہ نے مجھے کتاب عطا کی ہے۔ پھر اسے زندہ آسمانوں پہ اٹھایا جائے گا اور آخری عہد میں اس کا نزول ہوگا' زمین پہ آباد ہوگا' شادی کرے گا' وصال ہوگا اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق روضہ اطہر میں دفن ہوگا۔ آپ ﷺ کی اس بارے متعدد احادیث ملتی ہیں بلکہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ روز حشر میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ اس حدیث کے مطابق آج تک روضہ اطہر میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے حالانکہ بڑے بڑے عظیم لوگ دنیا سے رخصت ہوئے۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن کے گھر یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کی دو بیٹیاں تھیں اور اسی وجہ سے انہیں ذوالنورین کہا گیا' ان کی قربانیاں بے مثال ہیں۔ مدینہ منورہ میں آمد کے وقت جب مسلمانوں پہ پانی کی تنگی آئی اور یہودی مہنگا پانی دیتے تھے یا مسلمانوں کو دینے سے گریز کرتے تھے تو یہ عثمان غنی ہی تھے جنہوں نے کنوئیں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیئے۔ جتنے جہاد ہوئے ان میں بڑھ چڑھ کر قربانیاں دیں اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی لیکن در اقدس کو نہ چھوڑا اور روضہ اطہر پہ نچھاور ہو گئے۔ شہید ہوئے تو روضہ اطہر میں دفن نہیں ہوئے بلکہ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور ان کے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس طرح کے عظیم لوگ دنیا سے گئے لیکن روضہ اطہر میں سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد کوئی چوتھا بندہ دفن نہیں ہو سکا۔ حجرہ مبارک کے اندر چار قبروں کی جگہ تھی لیکن حضور اکرم ﷺ کے ساتھ شیخین کے بعد پھر کوئی چوتھا بندہ وہاں دفن نہیں ہوا اور احادیث مبارکہ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وہاں دفن ہوں گے۔

وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ عرض کیا اللہ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔ احادیث مبارکہ میں ملتا ہے کہ بنی آدم کا جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے مس کرتا ہے کہ میرا بھی اس کے ساتھ رابطہ رہے' تعلق رہے۔ شیاطین اسے مس کرتے ہیں' پھر پیدا ہوتے ہی بچے کے ساتھ ایک شیطان بھی لگ جاتا ہے جسے قرین شیطان کہتے ہیں اور وہ ساری زندگی اس کے ساتھ گزار دیتا ہے۔ چونکہ شیاطین کی عمریں بہت طویل

ہوتی ہیں عموماً وہ شیطان اس بندے کے مرنے کے بعد جہاں اس کا مدفن یا اس کے اجزائے بدن ہوں، وہیں بیٹھے اپنی عمر بسر کر دیتے ہیں۔

شیطان کی طوالت عمری

شیاطین کی عمریں اتنی لمبی ہوتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والوں میں ایک جن بھی تھا جو شیطان کی اولاد سے تھا اور مسلمان تھا۔ احکام المرجان، ایک کتاب ہے جس میں صرف جنات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس میں اس کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ ایک نہایت ضعیف العمر جن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میرا نام حام ہے، میرے باپ کا نام حیم تھا اور اس کے باپ یعنی میرے دادا کا نام لاقیس تھا جو ابلیس کا بیٹا تھا آپ ﷺ نے حیران ہو کر فرمایا کہ تیرے اور ابلیس کے درمیان صرف چار پشتوں کا فرق ہے اور تو اس کی چوتھی پشت میں سے ہے! اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ، جب آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا، اس وقت میں نوعمر لڑکا تھا، پھر انبیاء و رسل کی خدمت میں رہا اور موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں رہا۔ انہوں نے مجھے تورات کی تعلیم بھی دی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر تم نبی کریم ﷺ کا زمانہ پاؤ تو میرا سلام بھی عرض کرنا۔ میں عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بھی رہا اور انہوں نے مجھے انجیل کی تعلیم دی اور یہی فرمایا تھا اگر حضور ﷺ کا زمانہ پاؤ تو میرا سلام بھی عرض کرنا۔ تو اس حساب سے ان کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں۔

روحوں کو حاضر کرنے کے دعووں کی حقیقت

ہمارے ہاں بھی ہے جبکہ مغرب میں یہ فن زیادہ ہے کہ کچھ عملیات کر کے اور کچھ مسمریزم سا پڑھ کے ارواح کو حاضر کیا جاتا ہے۔ یہ بڑا دلچسپ سوال ہے کہ وہ روحوں کو کس طرح بلا لیتے ہیں۔ وہ روح کسی کو نظر نہیں آتی یا شائد بلانے والے یا کسی اور کو نظر آتی ہو لیکن ہو بہو اسی بندے کی طرح ہوتی ہے۔ جب بات کرتی ہے تو زبان، لہجہ، انداز سارا اسی بندے کا ہوتا ہے۔ اس بندے کے بارے کوئی بات پوچھی جائے تو وہ اس کی زندگی کے سارے واقعات سے واقف ہوتی ہے۔

روحوں کا اپنا ایک نظام ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنَ النَّارِ. روح جب بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو جہاں بھی جاتی ہے، جہاں بھی اس کا مسکن ہے وہی اس کی قبر ہے۔ قبر سے مراد روح کا ٹھکانہ ہے، تو فرمایا ہر ٹھکانہ جہاں روح جاتی ہے یا تو وہ جنت کا باغیچہ ہوتا ہے یا دوزخ کا گڑھا ہوتا ہے۔ اب یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو ارواح جنت میں چلی گئیں، دنیا کے جادوگر یا عامل اپنے جادو

سے یا مسمریزم سے یا کچھ کلمات پڑھ کر انہیں بلا لیتے ہیں تو ان کے لئے یہ باعث ایذا ہوگا کہ جنت کو چھوڑ کر ایک گناہ گار، بدکار کے کہنے پر وہ دنیا میں پکڑے ہوئے آ جائیں۔ پھر جنت کا کیا فائدہ، یہ تو جنت میں مداخلت ہوگی۔ جنتیوں کا اس طرح سے پکڑ کر دنیا میں لایا جانا محال ہے۔ جو جہنم میں ہیں وہ خود اللہ کی قید میں ہیں۔ یہاں کوئی حوالات میں ہو تو اسے کوئی جادوگر اپنے جادو سے اور کوئی کلام پڑھنے والا اپنے کلام سے پاس نہیں بلا سکتا، حوالات یا جیل سے نہیں نکال سکتا تو برزخ اور جہنم میں سے کیسے نکال کے لے آتا ہے۔

گویا مرنے والے کی روح کا واپس بلایا جانا، یا آنا دونوں صورتوں میں محال ہے لیکن کوئی تو وہاں آتا بھی ہے جو باتیں کرتا ہے اور اس کی زندگی سے واقف ہوتا ہے۔ آواز بھی ویسی ہوتی ہے تو یہ وہی شیاطین ہوتے ہیں۔ یہ وہ قرین شیطان ہوتا ہے جو بقید حیات ہوتا ہے اور اس مرنے والے کا جہاں ٹھکانہ ہوتا ہے یا اجزائے بدن ہوتے ہیں، وہاں ہوتا ہے۔ جب شیطانی عملیات کئے جاتے ہیں تو وہی شیطان حاضر ہوتا ہے جس نے اسی بندے کے ساتھ عمر بسر کی ہے۔ حلیہ ویسا ہی ہوتا ہے، لباس ویسا ہی ہوتا ہے، اس کے سارے حالات سے واقف ہوتا ہے اور ہر بات کا جواب دے سکتا ہے۔ شیطان کا حاضر ہونا تو کوئی بعید از قیاس نہیں، وہ تو زندہ موجود ہوتا ہے اور اس کی صدیوں کے حساب سے عمر ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، انسانیت کے دو ایسے افراد ہیں جنہیں شیطان مس نہیں کر سکا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ صحابیہؓ تھیں اور یہ ان کی دعا کا اثر تھا: وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں، اس دعا کا اثر یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ شیطان انہیں مس نہیں کر سکا۔ اللہ نے بہت احسن اور خوبصورت انداز سے ان کی نذر کو قبول فرمایا۔

نذر ماننے کی شرائط

ہماری امت میں بھی نذر ماننا جائز ہے اگرچہ یہ جائز نہیں ہے کہ بچے نذر کر دیئے جائیں یا بندہ نذر کر دیا جائے لیکن نذر بہر حال جائز ہے۔ یہ یاد رکھیں! نذر کا اصول ہے کہ صرف اللہ کے لئے مانی جائے گی، غیر اللہ کے لئے نذر یا منت نہیں مانی جائے گی۔ نذر بھی عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔ اس پہ دوسری قید یہ ہے کہ از قسم فرض ہو لیکن فرض نہ ہو، مثلاً زکوٰۃ فرض ہے تو آپ نذر مان سکتے ہیں کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو اے اللہ! میں تیری راہ میں اتنے روپے خرچ کروں گا۔ زکوٰۃ کی نذر نہیں مان سکتے کہ اگر یہ کام ہو گیا تو میں اتنی زکوٰۃ ادا کروں گا۔ زکوٰۃ تو ویسے ہی فرض ہے لیکن زکوٰۃ چونکہ اللہ کی راہ میں دولت کا خرچ کرنا ہے تو

اسی طرح زکوٰۃ کے علاوہ اللہ کی راہ میں آپ جتنی چاہیں' نذر مان سکتے ہیں کہ یا اللہ یہ بیماری دور ہوگئی یا یہ بچہ تندرست ہوگیا یا میرا یہ کام ہوگیا تو میں تیری راہ میں اس قدر خرچ کروں گا۔

نماز فرض ہے' اب آپ فرض کی نذر نہیں مان سکتے لیکن نماز کی قسم سے نوافل نذر مان سکتے ہیں کہ اگر میرا یہ کام ہوگیا تو میں سو رکعت نفل پڑھوں گا' دس رکعت پڑھوں گا' تو یہ ازقسم فرض ہے۔ اس طرح حج فرض ہے تو یہ نذر نہیں مان سکتے کہ میں فرض حج کروں گا' وہ تو آپ پر فرض ہے لیکن یہ نذر مان سکتے ہیں کہ میرا یہ کام ہوگیا تو میں عمرہ کروں گا یا نفلی حج کروں گا تو یہ نذر ماننا جائز ہے۔ اسی طرح روزہ فرض ہے تو نفلی روزے کے طور پر نذر مان سکتے ہیں کہ یا اللہ اگر میری یہ مصیبت ٹل گئی یا میرا یہ کام ہوگیا تو میں ایک روزہ رکھوں گا' دس رکھوں گا' یعنی نذر اللہ کی مانی جائے' ازقسم فرض ہو لیکن فرض نہ ہو۔

یہ جو روزمرہ ہم منتیں مانتے ہیں کہ میں فلاں قبر پہ مرغا چڑھا دوں گا اور فلاں خانقاہ پر بکرا دوں گا' یہ سب حرام ہے۔ ان کا کوئی جواز نہیں اور نہ بزرگوں کے نام کی نذر مانی جاسکتی ہے۔ نذر پوری کرنا بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے اور عبادت بزرگان دین کی نہیں' صرف اللہ کی کی جاتی ہے اور نہ کوئی ولی اللہ اس بات پہ راضی ہوتا ہے کہ کوئی اس کی پوجا کرے۔

دین مکمل ہو چکا' خودساختہ عبادات کی گنجائش نہیں

اسلام اللہ کی عبادت کا نام ہے' رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا نام ہے۔ اسلام اپنی طرف سے باتیں گھڑ کے انہیں عبادت بنا لینے کا نام نہیں ہے۔ اسلام وہی ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمادیا **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ** کہ تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر نعمتیں تمام کردیں یعنی مخلوق جتنے انعامات خالق سے حاصل کرسکتی ہے' وہ سارے میں نے اس دین کے اتباع میں سمو دیئے۔ اب یہ تمہاری ہمت ہے کہ اس میں سے کتنے حاصل کرتے ہو۔ **اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ** مخلوق جتنی نعمتیں بارگاہ الوہیت سے حاصل کرسکتی ہے' وہ میں نے مکمل کردیں۔ جتنے درجات' جتنی بلندی' جتنی عظمتیں کسی کو ملیں گی وہ اسی دین سے ملیں گی' دین سے باہر نہیں ہیں۔ کوئی ایسی نعمت نہیں ہے جو دین کے باہر کوئی عمل کر کے حاصل کی جائے۔ ہر نعمت اس دین میں مکمل کردی گئی اور **وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ** اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دین حضور اکرم ﷺ پر مکمل ہوگیا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ نے چھوٹے سے چھوٹے کام' مستحبات سے لے کر فرائض تک' زندگی کے ہر شعبے میں راہنمائی مکمل فرمادی۔ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تھی تو اس کا نزول میدان عرفات میں حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا۔ صحابہ کرامؓ بڑے خوش ہوئے'

بڑی خوشی کی بات بھی تھی کہ دین مکمل ہو گیا الحمدللہ اور جتنے انعامات الٰہی آنے تھے وہ آ چکے۔ سب نے تلاش کیا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھونڈو' انہیں مبارک دیں چونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے سب سے زیادہ مقرب اور قریب تھے۔ جب انہیں تلاش کیا گیا تو وہ اپنے خیمے میں الگ بیٹھے زار و قطار رو رہے تھے۔ حضرت! یہ تو خوشی کا موقع ہے' اللہ نے دین مکمل کر دیا اور آپ رو رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: موقع تو خوشی کا ہے لیکن یہ دنیا اس قابل نہیں کہ اس میں محمد رسول اللہ ﷺ قیام فرمائیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے تھے اللہ کا دین لوگوں کو پہنچانے کے لئے' اگر دین مکمل ہو گیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جائیں گے۔ میں اس بات پہ رو رہا ہوں کہ اگر دین مکمل ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ نعمتیں' بارگاہ نبوی والی محفلیں' سفر و حضر' اور نمازیں جو حضور ﷺ کی امامت میں ہم ادا کرتے تھے' وہ مزے نہیں رہیں گے۔ اس عالم میں آپ ﷺ اسی دین کی خاطر تشریف لائے۔ اگر دین مکمل ہو گیا تو اس کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ تشریف لے جائیں گے۔ اور وہی بات ہوئی کہ تقریباً اسی یا کچھ کم و بیش دنوں کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا۔ جاننے والوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ جب دین مکمل ہو گیا ہے تو اللہ کا نبی ﷺ یہاں سے تشریف لے جائے گا' دنیا میں نہیں رہے گا۔

حضور ﷺ کے بعد کوئی شخص اپنی طرف سے کوئی بھی رسم ایجاد کر دے' وہ پیر صاحب ہوں' میں ہوں' آپ ہوں' مولانا ہوں' کوئی عام آدمی ہو' کوئی عامل ہو' اور کہے کہ اس پہ ثواب ہے تو اس پہ کوئی ثواب نہیں' اس پہ گناہ ہو گا۔ ثواب اسی بات پر ہے جو حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ملتی ہے۔ نقل در نقل جو دین ہمارے پاس وراثت میں آ رہا ہے' ثواب اس میں ہے۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ ایسی صاف بات لوگوں سے کہی جائے تو خفا ہو جاتے ہیں بندہ یہ چاہتا ہے کہ جس رسم پر میں عمل کرتا ہوں اسے دین مان لیا جائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی یہ رسم دین کے خلاف ہے تو فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

میرے بھائی! اگر محنت بھی کر رہے ہو' پیسہ بھی خرچ کر رہے ہو' وقت بھی خرچ کر رہے ہو تو اسی دائرہ اطاعت کے اندر کرو جو نبی کریم ﷺ نے کھینچ دیا۔ اس محنت کا کیا فائدہ جو حضور ﷺ کی نافرمانی پہ منتج ہو! کوئی وہابی کہہ لے یا اس سے بھی کچھ زیادہ سخت لفظ کسی کے پاس ہے تو کہتا رہے۔ نہ کسی کے بھلا کہنے سے بھلا ہوتا ہے' نہ برا کہنے سے برا ہوتا ہے بلکہ اللہ کریم خود واقف ہیں' سمیع ہیں علیم ہیں۔ وہ ان نیتوں کو بھی جانتا ہے کہ کون کس نیت سے بات کر رہا ہے۔ ان ارادوں سے بھی واقف ہے کہ کون خلوص سے' اللہ کی رضا کے لئے بات کر رہا ہے اور وہ اس کو بھی جانتا ہے کون اپنی بات منوانا چاہتا ہے' خود کو بڑا بنانا چاہتا ہے' اللہ ہر حال سے

واقف ہے۔

تو انہوں نے جو نذر مانی وہ ان کی امت میں جائز تھی۔ انہیں تو اللہ کریم کی حکمتوں کی خبر نہیں تھی، اس لئے پریشان ہو گئیں کہ بیٹا ہوتا تو اللہ کے گھر آنے جانے والوں کی خدمت کرتا، دین سیکھتا، لوگوں کو دین بتاتا۔ یہ بچی ہے، اسے پردے میں رہنا ہے، لوگوں سے ملنا اس کے لئے حلال نہیں ہے، لوگوں سے کھل کر بات نہیں کر سکتی، پھر مسجد کی خدمت کیسے کرے گی۔ عوارضات بھی خواتین کے ساتھ ہوتے ہیں تو وہ پریشان ہو گئیں۔ یا اللہ! میرے تو بچی ہو گئی، میں تو اسے تیری راہ میں پوری ذمہ داریوں سے آزاد نذر کر چکی تھی۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ ان کی کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کو سونپی گئی تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی ان کی ماں کی بہن تھیں اور وہ اللہ کے نبی بھی تھے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اسے آپ میری کفالت میں دے دیں۔ ماں نے تو دے دی ہے وہ تو رکھ نہیں سکتی۔ میری بیوی اس کی خالہ ہے اور خالہ بھی ماں ہی کی قائم مقام ہوتی ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ یہ تو اللہ کی تقسیم ہے، اللہ آپ کو دے یا کسی اور کو یہ سعادت ملے تو یہ بڑی سعادت ہے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کی اور وہ قرعہ بھی حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکل آیا۔ گویا اللہ کی طرف سے یہ سعادت انہیں مل گئی۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا، وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ وہ زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دے دی گئیں۔ اور زکریا علیہ السلام اتنی احتیاط فرماتے کہ اولاد سے بڑھ کر پیار دیتے۔ خود زکریا علیہ السلام کی اولاد بھی نہیں تھی تو انہیں ایک بچی مل گئی اس لئے وہ عام بچوں کی طرح پرورش نہیں کر رہے تھے اور نہ ہی ان کا مزاج عام بچوں جیسا تھا۔

ان کی پرورش بہت بہتر ہوئی اور پھر ان سے بہت سے کمالات کا اظہار ہونے لگا۔ زکریا علیہ السلام اگر کہیں ادھر ادھر جاتے تو جس کمرے میں مائی صاحبہ ہوتی تھیں، اسے تالا لگا کر جاتے تھے کہ میری غیر حاضری میں کوئی ان سے بات نہیں کر سکتا، کوئی انہیں دیکھ نہیں سکتا لیکن جب واپس آ کر اس کمرے کو کھولتے۔ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ تو وہاں پھلوں کے ڈھیر لگے نظر آتے اور مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ موسم کی کوئی قید نہیں ہوتی تھیں بلکہ ہر پھل ان کے گرد پڑا ہوتا تھا۔ سردیوں کا پھل بھی گرمیوں کا پھل بھی، دنیا میں جہاں کہیں جو پھل ہوتا وہ ان کے گرد پڑے ہوتے۔ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ ان سے مخاطب ہو کر پوچھتے، یہ پھل کہاں سے آ گیا؟ ان کا تو نہ موسم ہے، نہ یہ بازار میں ملتے ہیں، نہ دروازہ کھلا، نہ کوئی بندہ اندر آیا تو یہ اتنے سارے پھل کہاں سے آ گئے۔ وہ عرض کرتیں قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ یہ تو اللہ نے بھیجے ہیں۔ اگر چہ بچی تھیں، معصوم تھیں لیکن معرفت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ وہ جانتی تھیں کہ اللہ قادر ہے اس نے بھیج دیئے۔

معجزہ اور کرامت

حضرت زکریا علیہ السلام خوب جانتے تھے کہ اللہ قادر ہے۔ وہ خود صاحب معجزہ نبی تھے۔ ولی اللہ کی کرامت بھی برحق ہے۔ یہ بھی ولی تھیں۔ کوئی خاتون نبی نہیں ہوئی۔ نہ ان کی والدہ نبیہ نہ یہ نبی تھیں لیکن ولی ضرور تھیں۔ ولی اللہ کی کرامت بھی ثابت ہے کہ جو چیزیں عقل کے احاطے میں نہیں آتیں وہ صادر ہوتی رہتی ہیں اور یہ منجانب اللہ ہوتی ہیں۔ نبی کا معجزہ فعل اللہ کا ہوتا ہے، صادر نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ ولی کی کرامت فعل اللہ کا ہوتا ہے اور ولی کو باتباع نبی نصیب ہوتی ہے۔ جس طرح نبی کو براہ راست ذات باری سے معجزہ نصیب ہوتا ہے، ولی کو براہ راست کوئی نعمت نہیں ملتی۔ ولی دامان رسالت کا خوشہ چین ہوتا ہے۔ ولی کو باتباع محمد رسول اللہ ﷺ یا باتباع نبی یہ نعمت نصیب ہوتی ہے، فعل اللہ کا ہوتا ہے اور کرامت ولی کی بن جاتی ہے۔

انہوں نے عرض کی، اللہ کریم بھیج دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ○ اللہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے، بغیر حساب اتنا دے دیتا ہے کہ اس سے شمار نہیں ہوتا۔ بغیر کسی حساب کے دے یا بغیر کسی استحقاق کے دے، بندہ کچھ کمال نہیں کرتا کہ یہ اس کا حق بنتا ہے، اسے ضرور دیا جائے۔ تنگی بھیج دیتا ہے، فراخی بھیج دیتا ہے، اس کی مرضی، اس کی اپنی تقسیم ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ جو عقل مند ہے وہ زیادہ دولت مند ہو جائے بلکہ ہم نے تو اکثر دیکھا ہے کہ جو لوگ کسی فن کو جانتے ہیں ان کے پاس وہ نعمت نہیں ہوتی۔ ایک عام سی مثال ہے کہ جو لوگ ساری گاڑی کھول کر جوڑ لیتے ہیں ان کے پاس تو گاڑی ہوتی بھی نہیں۔ جو گاڑی چلا لیتے ہیں ان کے پاس اپنی گاڑی نہیں ہوتی اور جنہیں گاڑی چلانا بھی نہیں آتی، کھولنا جوڑنا تو دور کی بات ہے، ان کے دروازے پہ دس دس کھڑی ہوتی ہیں۔ جو عقل والے ہیں وہ ان کے ملازم ہوتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ مالک ہوتے ہیں۔ یہ اس کی اپنی مرضی۔

حضرت زکریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس کسی ظاہری سبب کے بغیر بے حساب رزق پہنچتے دیکھا کہ وہ ایک بند کمرے میں ہیں اور وہاں ہر طرح کے پھل اور بے موسم کے میوے موجود ہیں۔ تو ان سے پوچھا: اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ کہ آپ نے یہ کہاں سے لیے، تو جواب ملا۔ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ قادر ہے۔ جب چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے، جہاں چاہتا ہے، جو چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں اولاد نہیں تھی اور آپ علیہ السلام عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ اللہ کریم کے کرم کو بٹتے دیکھا تو آپ علیہ السلام نے فوراً دعا فرمائی۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ اس موقعہ پر حضرت

زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا اور عرض کی۔ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اے اللہ مجھے اپنے پاس سے اچھی نیک صالح اولاد عطا فرما۔ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ بے شک تو ہی دعاؤں کو سننے والا ہے اور تو ہی اس عظمت کا مالک ہے جو دعا سنتا ہے اور عطا کرتا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذات باری کے ساتھ بہت قریب کا تعلق ہوتا ہے اور غیر نبی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن پھر بھی انسانی خصوصیات تو ہوتی ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور یہ فکر رہنے لگی تھی کہ جو دین کا کام کیا ہے، اسے کون سنبھالے گا۔ ایسا کون بندہ ہوگا جو میرے بعد میری ذمہ داری اور میرے علوم کا وارث ہوگا اور لوگوں کی تربیت کرے گا۔ جن لوگوں کی آپ علیہ السلام تربیت فرما رہے تھے انہیں بھی کسی سرپرست کی ضرورت تھی۔ عطائے باری کو جوش میں دیکھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اس طرح بغیر ظاہری سبب کے رزق آتے دیکھا تو دل میں ایک طلب پیدا ہوئی۔ آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ نیک اور صالح اولاد کے لئے دعا کرنا بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ محض اولاد کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اولاد ہو اور وہ نیک ہو، صالح ہو تو اللہ کی نعمت ہوتی ہے لیکن اولاد بگڑ جائے تو وہی اللہ کا عذاب بن جاتی ہے اور بندے کے لئے دنیا میں اتنے دکھ پیدا کر دیتی ہے کہ اس کا آرام اور سکھ غارت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی: ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اولاد عطا فرما اور وہ طیب اور پاکیزہ ہو۔ میرے علوم کی وارث ہو، جو دین کا کام میں نے کیا ہے اسے آگے سنبھالے اور مخلوق کی ہدایت کا یہ سلسلہ چلتا رہے۔ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ بیشک صرف تیری ہی ذات ایسی ہے، تیرے سوا کوئی نہیں جو دعاؤں کو سنے اور عطا کرے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ آپ علیہ السلام نماز پڑھنے کے لئے کھڑے تھے۔ محراب سے مراد مسجد بھی ہو سکتی ہے اور وہ کمرہ بھی جہاں حضرت مریم کے ساتھ محو گفتگو تھے، کوئی اور کمرہ بھی ہو سکتا ہے يُصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ نماز ادا کر رہے تھے کہ فرشتے نے آواز دی۔ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى ، اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو ایک بیٹے کی بشارت دی ہے۔ اللہ کریم نے اس کا نام بھی یحیٰ تجویز فرما دیا ہے۔

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اللہ کے کلمات کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ کی دعا کی تو وہ اللہ کے کلمات کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور آپ علیہ السلام کے وارث ہوں گے، آپ علیہ السلام کے دینی امور کو آگے بڑھانے والے ہوں گے۔ وَسَيِّدًا اور سردار ہوں گے، مقتداء ہوں گے، لوگ ان کی پیروی کریں گے۔

سید کا مفہوم

سید کا لغوی معنی سردار ہے۔ جس کے پیچھے کچھ لوگ چلیں، لوگ جس کی بات مانتے ہوں، جسے سردار سمجھا جائے۔ انبیاء علیہم السلام سارے ہی مقتدا ہوتے ہیں، ان کی اطاعت فرض ہوتی ہے لہٰذا وہ سردار بھی ہوتے ہیں، سید ہوتے ہیں۔ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اَنَا سَیِّدُ وَلْدِ اٰدَمَ۔ میں ساری اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں۔ یہ آپ ﷺ کا منصب جلیلہ ہے لہٰذا آپ ﷺ کی اولاد کو بھی سید ہی کہا جاتا ہے لیکن ایک اصول یاد رہے کہ نسبی اولاد ہونا ہی شرط نہیں بلکہ آپ ﷺ کا اطاعت گزار ہونا، پیروکار ہونا نسبی اولاد ہونے سے زیادہ شرط ہے۔

نسب کی عظمت اطاعت سے مشروط ہے

حضرت نوح علیہ السلام بھی اللہ کے نبی، سید اور سردار تھے۔ ان کے بیٹے نے نافرمانی کی تو جب انہوں نے دعا فرمائی کہ الٰہی اسے غرق ہونے سے بچالے، میرا بیٹا ہے اور تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے گھر والوں کو بچالے گا تو فرمایا۔ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ وہ آپ علیہ السلام کے گھر والوں میں شامل نہیں ہے اس لئے کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۫ۖ اس کے اعمال برے ہیں اور جو برائی کرتا ہے اس کا تعلق اللہ کے نبی سے نہیں ہوتا۔ بدکاروں کا، کفار کا، بدعقیدہ لوگوں کا تعلق اللہ کے رسول سے، اللہ کے نبی سے منقطع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا پیروکار ہونے کی شرط کے ساتھ نسبی اولاد ہونا اور آپ ﷺ کا خون ہونا بہت بڑی عظمت کی بات ہے۔ آپ ﷺ کی اولاد حسنین کریمین سے ہی چلی اور انہی کو سید کہا گیا۔ ان کی والدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دختر نیک اختر ہیں۔ ان کے خون میں نبی کریم ﷺ کا خون مبارک شامل ہے لیکن اس خون مبارک کی برکات تب تک رہیں گی جب تک وہ حضور ﷺ کے اطاعت گزار رہیں گے، آپ ﷺ کے تابع فرماں رہیں گے۔ اگر کوئی حضور نبی کریم ﷺ سے نسبی تعلق رکھتا ہے تو اس پر دوسروں کی نسبت زیادہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اتنا اطاعت گزار ہو کہ اطاعت رسول ﷺ اور اطاعت باری میں دوسروں کی قیادت کرے۔ یہ سرداری ہے، یہ سید ہیں اور اگر خود اطاعت کو چھوڑ دیتا ہے تو نوح علیہ السلام کے غرق ہونے والے بیٹے کی طرح ہے، نبی کریم ﷺ کے اہل خاندان سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ سید نہیں رہتا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ پہلا رشتہ اتباع کا ہے۔ اتباع کا رشتہ چھوٹ گیا، اطاعت کا رشتہ چھوٹ گیا تو باقی کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ اگر حضور ﷺ کا متبع بھی ہو، حضور ﷺ کا فرماں بردار بھی ہو اور پھر حضور ﷺ کے ساتھ خونی رشتہ بھی ہو تو پھر نورٌ علیٰ نور ہے۔ پھر اس کا احترام، اس کا ادب اور اس کا ایک خاص مقام ہے۔

تو فرمایا یہ بیٹا جو اللہ کریم آپ کو دے گا اس کا نام یحیٰ ہوگا' وہ اللہ کے کلمات کی تصدیق کرے گا اور وہ سردار ہوگا' سید ہوگا۔ وَحَصُوۡرًا اور اپنے نفس کی خواہشات کو روکنے والا ہوگا۔ نفس کی پیروی نہیں کرے گا اور وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ۝ اور اللہ کے نیک بندوں میں سے' اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی ہوگا۔ یہ سارے اوصاف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہیں اور یہ اوصاف اللہ کے نیک بندوں میں بھی ہوتے ہیں لیکن جب یہ کہہ دیا جائے کہ فلاں اللہ کا نبی ہے تو از خود اس میں یہ سارے اوصاف آ جاتے ہیں۔ اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے اور اپنے نبی کی دلجوئی کی خاطر بیٹے کی بشارت بھی دی' بیٹے کا نام بھی رکھا اور ان کے اوصاف حمیدہ کی تعریف بھی فرما دی۔ وَحَصُوۡرًا یعنی وہ زندگی میں اکیلے رہیں گے۔ حصر کا معنی ہوتا ہے بند ہو کر رہنا یعنی ان کے ازدواجی تعلقات بھی نہیں ہوں گے۔

یہ عجیب بات ہے کہ یہ خوبی کیسے ہوگئی۔ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ اَلنِّكَاحُ مِنۡ سُنَّتِيۡ' فَمَنۡ رَغِبَ عَنۡ سُنَّتِيۡ فَلَيۡسَ مِنِّي. اَوۡ كَمَا قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ کہ نکاح میری سنت ہے' جو میری سنت سے منہ پھیرے گا وہ میرے ساتھ نہیں ہوگا۔ ان کی شریعت میں شاید بغیر شادی کے رہنا بھی ایک خوبی ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر صاحب حال کا اللہ کریم کے ساتھ ایک تعلق خاص ہوتا ہے' ایک ربط ہوتا ہے۔ جو آدمی متوجہ الی اللہ رہتا ہے' دنیوی امور' لذات اور خوشیاں اور گپ شپ اس توجہ کو بٹاتی ہیں' اس تعلق کو کم کرتی ہیں۔ یعنی آپ دنیا کے کسی حلال کام میں بھی لگیں رہیں' تجارت ہے' کاروبار ہے' دین کی تبلیغ ہے' تو لوگوں سے ملنا جلنا تو ہوگا۔ توجہ لوگوں کی طرف گئی تو توجہ الی اللہ کم ہوگئی۔ شادی اگرچہ ایک مسنون فعل ہے اور نسل انسانی کی بقاء کے لئے ضروری ہے لیکن اختلاط فی الزوجین ایک ایسا فعل ہے جو سب سے زیادہ توجہ کو سلب کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام کی یہ خوبی ارشاد فرمائی کہ کوئی لمحہ زندگی ایسا نہیں جو توجہ الی اللہ کو کم کرتا ہو۔

حضرت یحیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے: نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ۝ اللہ کے مقرب بندوں میں سے اللہ کا نبی ہوگا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو خیال گزرا تو عرض کی: اللہ میں نے دعا تو کر دی' جذبہ بے خودی میں بے اختیار ہاتھ تو اٹھا دیئے لیکن میری عمر اب اس قابل نہیں کہ میری اولاد ہو سکے' میری بیوی بھی ساری عمر بے اولاد رہی ہے' بانجھ ہے۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّقَدۡ بَلَغَنِىَ الۡكِبَرُ وَامۡرَاَتِىۡ عَاقِرٌ ؕ اللہ میرا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے! میری عمر اپنے بڑھاپے کی حد کو چھو رہی ہے اور میری بیوی بانجھ ہے' اولاد کے قابل نہیں ہے' عمر رسیدہ بھی ہے۔ جب جوان تھی تب بھی اولاد نہیں ہوئی تو یہ بیٹا کیسے ہو جائے گا۔

دعا ہر مشکل کا بہترین حل ہے

قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۝ فرمایا: یہی تو بات ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ بات ہی یہی ہے کہ قدرت کاملہ کے لئے اسباب کوئی حیثیت نہیں رکھتے چونکہ وہ اسباب کا بھی خالق ہے۔ دنیا دار الاسباب ہے اور یہاں چیزیں اسباب کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہیں لیکن اسباب بھی تو مخلوق ہیں۔ اللہ اسباب کا بھی خالق ہے' اسباب کا محتاج نہیں۔ یہ سنت اللہ ہے کہ دنیا میں ہر چیز میں سبب کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اب اللہ قادر ہے کہ آپ علیہ السلام عمر رسیدہ ہیں تو وہ عمر کے اس حصہ میں توفیق عطا فرما دے۔ اہلیہ بانجھ ہیں تو انہیں وہ صحت اور اہلیت عطا فرما دے لیکن آپ علیہ السلام کو اللہ کریم بیٹا دے گا' اس عمر میں دے گا اور اسی بیوی سے دے گا۔ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۝ ایسا ہی ہوگا اس لئے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اس میں ایک سبق یہ بھی ہے کہ جب آپ اللہ سے دعا کرتے ہیں' اللہ کریم کو پکارتے ہیں تو پھر اس کی شان کے مطابق بھروسہ کیجئے' اسباب کی پرواہ نہ کیجئے۔ یہ کیسے ہوگا؟ یہ ہو نہیں سکتا یا یہ مشکل ہے۔ یہ مشکلات' ممکنات ہمارے لئے ہیں' لیکن اللہ کے لئے نہ کوئی مشکل ہے' نہ کوئی ناممکن ہے۔ وہ خود قادر ہے۔ اسباب کا خالق بھی وہ ہے اور نتائج کا مالک بھی وہ خود ہے۔ انسباب بھی خود پیدا فرماتا ہے' نتائج بھی خود پیدا فرماتا ہے۔ کوئی دکھ' کوئی پریشانی' کوئی بات ایسی نہیں ہے جو اللہ کے روبرو عرض نہ کی جائے۔ پریشانیوں کا سب سے بہتر حل اللہ سے دعا کرنا ہے۔

دعا کا سلیقہ

دعا کے اپنے آداب ہیں' طریقہ ہے' سلیقہ ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ ہر دعا سے پہلے اور آخر درود شریف ضرور پڑھا جائے' اس لئے کہ درود شریف خود دعا ہے اور یہ ایسی دعا ہے جو ہمیشہ مقبول ہوتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ خود اللہ کریم اور اس کے فرشتے اپنے نبی ﷺ پر درود بھیج رہے ہیں۔ جب ہم درود کی درخواست کرتے ہیں تو وہ کام تو پہلے سے ہو رہا ہے۔ ہم تو اپنا نام شامل کر کے اس کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ اللہ کی رضا حاصل کرتے ہیں' جو بات عرض کی گئی' اس کا پہلا حصہ بھی مانا گیا اور آخری حصہ بھی مانا گیا تو درمیان میں سے کیوں چھوڑ دے گا۔ اللہ کریم بھی ہے' اللہ قادر بھی ہے۔ دعا کی مقبولیت کے لئے اول و آخر درود شریف پڑھا جائے اور دعا حضورِ حق کے ساتھ کی جائے' اس یقین کے ساتھ کی جائے کہ میں اللہ سے بات کر رہا ہوں' اپنی گذارشات پیش کر رہا ہوں' اللہ میرے ساتھ ہے' میرے پاس ہے' میری ذات سے زیادہ میرے قریب ہے' میری بات کو سن بھی رہا ہے اور وہ اتنا کریم ہے کہ مجھ عاجز کی

بات رد نہیں فرمائے گا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ حضرت زکریا علیہ السلام اللہ کے محبوب بندے تھے، انہوں نے کہا، یا اللہ! میرے لئے کوئی نشانی بتا دے کہ جب بچے کی امید ہو تو مجھے پتہ چل جائے اور میں تیرا زیادہ شکر ادا کروں اور زیادہ نیازمندی کا اظہار کروں۔ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ ارشاد ہوا کہ جب آپ علیہ السلام سے قوت گویائی ختم ہو جائے اور تین دن تک سوائے رمز و کنایہ اور اشارے کے لوگوں سے بات نہ کر سکیں، تو آپ سمجھیں کہ اللہ نے آپ علیہ السلام کو بیٹا عطا کر دیا ہے۔

کم بولنا تعلق باللہ کے لئے معاون ہے

بات نہ کرنا بھی ایک کمال ہے۔ کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، یہ تین ایسے امور ہیں کہ جو اللہ کے ساتھ تعلق کے لئے بہت معاون اور ضروری ہیں۔ کسی نے بہت خوب کہا تھا کہ:

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن
گرچہ گفتارش بود در عدن

بات اگر عدن کے موتیوں یعنی جواہرات جیسی قیمتی بھی ہو تو باتیں کرتے کرتے بدن میں دل مر جاتا ہے۔

زیادہ باتیں کرنے سے بدن کے اندر دل مر جاتا ہے خواہ وہ باتیں اچھی ہی ہوں۔ اگر باتیں بھی بری ہوں، خلاف شریعت ہوں، فسق و فجور والی ہوں تو کیا اثر ہوتا ہوگا! اگرچہ صوفیاء کرام کے درجات میں سب سے زیادہ ترقی دین کی تبلیغ سے ہوتی ہے۔ اللہ کے بندوں کو راہ ہدایت پر لانے کے لئے جو محنت کی جاتی ہے یہ سب سے زیادہ ترقی کا سبب بنتی ہے لیکن اگر دین کی تبلیغ بھی کرتے رہیں، وعظ بھی کرتے رہیں، تقریریں بھی کرتے رہیں، دینی مسائل بیان کرتے رہیں تو جن لوگوں سے آپ مخاطب ہیں، جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کی آواز کے ساتھ، ان کے جملوں کے ساتھ جو کچھ ان کے اندر ہے، وہی باہر آتا ہے۔ اگر آپ اللہ کا کلام سنا رہے ہیں، تو اس میں نور ہے۔ کوئی اعتراض کرے گا تو اس میں ظلمت بھی ہوگی۔ اس طرح سے دین کی تبلیغ کرنے سے اگرچہ ترقی درجات ہوتی ہے لیکن مشاہدات میں کمی بھی واقع ہو جاتی ہے، دل پر غبار آ جاتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جھاڑو دینے سے سڑک، گلی یا راستہ تو صاف ہو جاتا ہے لیکن جھاڑو دینے والے کا لباس بھی خاک آلودہ ہوتا ہے یعنی آپ دینی کام بھی کر رہے ہیں لیکن معاشرے یا عوام الناس سے جو ظلمت اٹھتی ہے وہ آپ پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

یہاں اللہ نے بہت مزے کی بات فرمائی کہ: آپ علیہ السلام پر اللہ کا انعام ہوگا اور تین دن تک

آپ علیہ السلام بات نہیں کر سکیں گے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مولانا اللہ یار خانؒ) کی عمر کے آخری دن آئے تو وفات سے قریباً چالیس روز پہلے آپؒ نے بات کرنا چھوڑ دی یا آپؒ میں بات کرنے کی سکت نہ رہی۔ اگر دوائی لینی ہوتی یا پانی کا گھونٹ بھی مانگنا ہوتا، تو آپؒ چٹ پر لکھ کر دے دیتے لیکن حلق میں اور زبان مبارک پر چھالے پڑ گئے تھے کہ بات کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ سلوک وتصوف میں آپؒ کے جو منازل تھے ان کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وصال الٰہی سے پہلے مخلوق سے کلی طور پر رابطہ منقطع ہو جائے۔ یہ باتیں ان لوگوں کی ہیں جن کو یہ نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ یہ بڑی عجیب صورت ہے کہ کسی کی بات صرف اللہ سے رہ جائے اور مخلوق سے بات ہی نہ کر سکے۔

ذکر کثیر

یہاں حضرت زکریا علیہ السلام پر بھی یہ انعام ہوا کہ آپ علیہ السلام تین دن تک سوائے اشارے کے کلام نہیں کر سکیں گے اور جب یہ نعمت مل جائے گی تو وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا اللہ کا ذکر بہت کثرت سے کریں۔ وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۠ اور رات دن ذکر کرتا چلا جا۔ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۠ صبح شام۔ جیسے انگریزی میں کہتے ہیں Round the clock یعنی ہر لمحہ۔ دن کی دو انتہائیں ہیں، صبح اور شام۔ اسی طرح رات کی بھی دونوں انتہائیں ہیں، صبح اور شام۔ جب رات دن کی دونوں انتہاؤں کا ذکر آتا ہے تو مراد ہوتا ہے کہ رات دن، ہر لمحہ ہر آن ذکر الٰہی کرتے رہیے۔

ذکر دوام

نبی کی ایک نگاہ ایمان لانے والے کو شرف صحابیت سے سرفراز کر دیتی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خشوع وخضوع، ان کے رکوع وسجود اور ان کے ذکر الٰہی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ کہ ان کے کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر ذرہ بدن اللہ کا ذکر کرنے لگ جاتا ہے، ہر باڈی سیل ذاکر ہو جاتا ہے۔ اگر نبی کی ایک نگاہ سے بندہ مومن کے وجود کا ہر ذرہ ذاکر ہو جاتا ہے تو خود نبی کس درجے کا ذکر کرتا ہو گا! انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو لباس استعمال کرتے ہیں وہ لباس ذاکر ہو جاتا ہے، جو جوتا استعمال فرماتے ہیں اس کے سارے اجزا ذاکر ہو جاتے ہیں، جس زمین پر قدم رکھتے ہیں وہ زمین ذاکر ہو جاتی ہے، جس چیز کو چھو لیتے ہیں وہ ذاکر ہو جاتی ہے، جس جانور پر سواری کر لیتے ہیں اس کے بدن کا ہر جزو ذاکر ہو جاتا ہے، گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وجود کا ہر ذرہ نہ صرف یہ کہ ہر لمحہ ہر آن ذاکر ہوتا ہے بلکہ وہ ذاکر گر ہوتے ہیں کہ جسے دیکھ لیں، جسے چھو لیں، جہاں قدم رکھ

دیں' اسے ذاکر بنا دیتے ہیں۔ اللہ آج بھی اگر کسی کو دل کی نگاہ دے دے تو جہاں جہاں نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ کی گلیوں میں نکلے یا جہاں جہاں آپ ﷺ نے سفر فرمایا' جہاں جہاں صحراؤں میں قدم مبارک رکھا' آج بھی وہ قطعہ زمین اس طرح نظر آتا ہے جیسے آسمان پر چاند دکھائی دیتا ہے۔ جن راستوں سے حضور ﷺ گزرے وہ فضائیں حد نگاہ تک منور نظر آتی ہیں۔ اس کے بارے میں ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ قدم مبارک کے نشان تو منور ہو گئے لیکن اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ فضائیں کیسے منور ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ جہاں تک حضور نبی کریم ﷺ کی نگاہ پاک گئی' وہ فضا بھی منور ہو گئی اور قیامت تک رہے گی۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی کی کثرت کی کوئی حد نہیں ہے لیکن اس کے باوجود نبی کو فرمایا جا رہا ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کر۔

یہ کمال تو محمد رسول اللہ ﷺ کا تھا کہ جہاں تشریف لے گئے وہاں کے پتھروں کو بھی درود پڑھنا نصیب ہو گیا' درختوں کو بھی صلوٰۃ وسلام پڑھنا نصیب ہو گیا۔ یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وجود پاک ذاکر گر ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہو رہا ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کر۔ اس کا مطلب ہے کہ کتنا بھی ذکر کیا جائے' ذکر میں ساری عمر صرف کر دیں پھر بھی وہ کثرت ذکر ابھی باقی ہے جو مذکور کی شان کے مطابق ہے۔ اللہ کی کوئی حد نہیں۔ اس کی عظمت' اس کی شان' اس کی ذات کی کوئی حد نہیں۔ اس کے ذکر کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ یہاں اگر کوئی چار دن چار تسبیحات پڑھتا ہے یا پانچ دن نماز پڑھ لیتا ہے تو سمجھتا ہے میں نے اللہ پر بڑا احسان کیا' بڑا تیر مارا۔

ذکر کی اقسام

بہت سے احباب کا یہ گمان ہوتا ہے کہ ہم عبادت کرتے ہیں تو یہ ذکر ہے' تسبیح پڑھتے ہیں تو یہ ذکر ہے۔ ذکر کے مختلف درجات ہیں۔ صرف عبادت ہی ذکر نہیں ہے بلکہ دنیا کا جو کام بھی شریعت کے مطابق کیا جائے وہ ذکر الٰہی ہے' وہ عملی ذکر ہے اور اس میں اللہ کی یاد موجود ہے۔ یہ کام ایسے کیوں کر رہے ہو' یہ اللہ کا حکم ہے اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ اس میں ذکر موجود ہے اور یہ عملی ذکر ہے۔ کوئی بات جو اس اعتبار سے سچی اور کھری کی جائے کہ چونکہ اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کا حکم ہے سچ بولو لہٰذا میں سچی بات کر رہا ہوں تو وہ ذکر الٰہی ہے' اس کے ساتھ اللہ کی یاد موجود ہے' اللہ کے نبی ﷺ کی یاد موجود ہے۔ پھر کوئی تلاوت کرے' تسبیحات پڑھے' سارا دن اسم ربانی پڑھتا رہے یہ ذکر الٰہی ہے لیکن یہ ذکر لسانی ہے۔ ایک ذکر وہ حال ہے کہ آپ جو کام بھی کرتے ہیں' جس حال میں بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں' وہ عملی ذکر ہے۔ زبان سے نیک بات کہتے ہیں یا

تلاوت کرتے ہیں یا تسبیح پڑھتے ہیں' یہ ذکر لسانی ہے لیکن نہ حال ہمیشہ رہتا ہے اور نہ زبان ہر وقت چلتی ہے۔ عمل بھی ہر وقت نہیں ہوتا' عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ آپ سارا دن کام کرتے ہیں' رات کو سو جائیں گے تو عمل منقطع ہو جائے گا۔ زبان سے آپ کتنا ذکر کرتے رہیں لیکن زبان خاموش ہو جائے گی تو ذکر منقطع ہو جائے گا۔ ذکر کثیر نہ عمل سے ہو سکتا ہے' نہ لسان سے ہو سکتا ہے۔ تیسرا ذکر ہے ذکر قلبی' دل ذاکر ہو جائے' دل میں یاد رچ بس جائے اور دنیا کا کوئی بھی کام کر رہے ہوں لیکن دل یاد سے غافل نہ رہے۔ اس کے لئے پنجابی کا ایک محاورہ ہے: ہتھ کار وَل دل یار وَل۔

ذکر خفی قلبی

آپ کوئی کام بھی کر رہے ہوں' دل اللہ اللہ کر رہا ہو۔ آپ بات کر رہے ہوں دل اللہ اللہ کر رہا ہو۔ آپ کھانا کھا رہے ہوں دل اللہ اللہ کر رہا ہو۔ آپ سو جائیں دل اللہ اللہ کر رہا ہو۔ آپ جاگیں تو پتہ چلے دل ذاکر تھا' سینے میں دھڑک کر باہر آنا چاہتا ہے۔ آپ سوتے رہیں لیکن ذکر قلبی نصیب ہو جائے تو وہ چلتا رہے گا۔ بندہ مر جائے' قبر میں چلا جائے' مٹی کے نیچے اتر جائے لیکن دل اللہ اللہ کرتا رہے تو ایک حد تک ذکر کثیر کے معنی کو پالیتا ہے یعنی کسی نہ کسی حد تک کثرت ذکر میں داخل ہو جاتا ہے۔ عملی ذکر کثیر نہیں ہو سکتا' عمل میں انقطاع آتا ہے۔ لسانی ذکر ذکر کثیر نہیں ہو سکتا کہ اس میں انقطاع آتا ہے۔ زبان بند ہوتی ہے لیکن جب قلب ذاکر ہو جاتا ہے' ذکر خفی قلبی نصیب ہو جاتا ہے تو وہ ذکر دوام ہوتا ہے۔ دل دھڑکنا چھوڑ جائے لیکن ذکر کرنا نہیں چھوڑتا۔ موت آ جائے' دل کی دھڑکن بند ہو جائے لیکن اگر ذاکر ہے تو ذکر نہیں چھوڑتا۔ اس کے اندر جو لطیفہ ربانی ہے وہ ذکر کرتا ہی رہتا ہے۔ وہ قبر میں بھی کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ قلب ذاکر سے قبور ذاکر ہو جایا کرتی ہیں۔ کثرت ذکر کی بات جب بھی آتی ہے سوائے ذکر قلبی کے اس مفہوم کو پورا نہیں کیا جا سکتا۔

بعض لوگوں کا یہ سوال ہوتا ہے کہ جس طریقے سے صوفیا ذکر کراتے ہیں' کیا اس طریقے سے ثابت ہے؟ بڑی آسان سی بات ہے کہ قرآن کریم میں ذکر کا حکم ہے اور سب سے زیادہ جو حکم براہ راست یا بالواسطہ دیا گیا وہ ذکر کا ہے لیکن قرآن کریم نے ذکر پر کسی طریقے کی کوئی پابندی نہیں لگائی۔ جیسے نماز ہے۔ نماز کے طریقے کی پابندی ہے' وقت کی پابندی ہے' رکعت کی پابندی ہے' رکوع و سجود کی پابندی ہے' فاتحہ شریف پڑھنے کی پابندی ہے' ہر حرکت پہ تکبیر کہنے کی پابندی ہے' بہت سی پابندیاں ہیں اور طریقہ کار بھی مقرر ہے۔ روزے کا وقت' مہینہ مقرر ہے' افطار و سحر کے قواعد و ضوابط ہیں۔ حج کا وقت' دن اور ارکان بھی مقرر ہیں۔ سب عبادات

کے اوقات مقرر ہیں لیکن ذکر کے لئے کوئی طریقہ' کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے' صرف کثرت ذکر کا حکم ہے۔ جتنے سلاسل ذکر ہیں اور وہ جس طرح سے بھی ذکر کرتے ہیں' اگر ان میں کوئی خلاف شریعت عمل ہو گا تو اس کی اجازت نہیں ہو گی۔ شرعی حدود کے اندر کوئی بیٹھ کر کرتا ہے' لیٹ کر' حرکت سے' آنکھیں بند کر کے یا آنکھیں کھول کے کرتا ہے' ایک کرتا ہے یا پچاس مل کر کرتے ہیں' جو کام بھی شریعت کے اندر کرنا جائز ہے اس کے مطابق ذکر کے سارے طریقے اور سلیقے جائز ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہر ایک شیخ کی اپنی تحقیق ہے' ہر سلسلے کا اپنا طریقہ ہے۔ جس طرح انہوں نے زیادہ مفید سمجھا' اس طریقے کو انہوں نے اپنا لیا اور اس طریقے سے انہیں برکات و انوارات نصیب ہوتی ہیں۔ لہٰذا ذکر کا حکم مطلق ہے' اس کا کوئی طریقہ نہ اللہ نے مقرر فرمایا نہ اللہ کے رسول ﷺ نے مقرر فرمایا اور نہ کوئی آج پابند کر سکتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس طرح ہم ذکر کرتے ہیں یہ صحیح ہے اور جس طرح دوسرے کرتے ہیں وہ غلط ہے۔ جس طرح جس کا جی چاہے لیکن ایک ہی پابندی ہے کہ ذکر کے نام پر کوئی کام خلاف شریعت کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ شرعی حدود کے اندر کوئی جس طرح ذکر کرتا ہے' وہ سب جائز ہے۔ اگر کسی کو اس کی لذت نصیب ہو جائے تو سب سوالوں کے جواب مل جاتے ہیں چونکہ جو کچھ اس سے نصیب ہوتا ہے وہ کیفیات ہیں اور کیفیات محسوس تو کی جا سکتی ہیں' لکھنے پڑھنے میں نہیں آتیں۔ کیفیات کے لئے کوئی لفظ وضع نہیں کیا گیا کہ وہ لکھ کر بتا دے۔ کیفیات صرف محسوس کی جا سکتی ہیں اور یہ انہی کا کام ہے جنہیں اللہ نصیب کر دے۔ میری تو دعا ہے کہ اللہ تمام مسلمانوں کو نصیب کرے۔ آمین!

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ
عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ
الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ
يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖۗ
اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ
الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بیشک اللہ نے تجھ کو چن لیا' اور تجھ کو پاک کیا' اور تجھ کو تمام جہان کی برگزیدہ کیا عورتوں پر۔ اے مریم! تو اپنے رب کی فرمانبرداری کر اور سجدہ کر' اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یہ غیب کی خبریں ہیں' ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں' اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ کے لئے) اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی پرورش کرے گا؟ اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑتے تھے۔ جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بیشک اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے' اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے' دنیا و آخرت میں با آبرو اور مقربوں سے ہوگا۔ اور لوگوں سے گہوارہ میں اور پختہ عمر میں باتیں کرے گا' اور نیکوکاروں سے ہوگا۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ یقیناً اللہ نے آپ کو چن لیا ہے' منتخب کر لیا ہے۔ وَطَهَّرَكِ اور آپ کو پاک بنایا ہے۔ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ○ اور آپ کے اپنے زمانے میں دنیا بھر کی تمام خواتین سے آپ کو معزز بنایا ہے۔ منتخب کر لیا ہے۔ حضرت مریم کے ساتھ فرشتوں کے اس خطاب سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ غیر نبی سے بھی فرشتے بات کر سکتے ہیں۔ غیر نبی یعنی ولی اللہ بھی فرشتوں سے ہم کلام ہو سکتا ہے۔ ولی اللہ بھی ان کی بات سن سکتا ہے' سمجھ سکتا ہے۔ اولیاء اللہ پر من جانب اللہ الہام و القا بھی ہو سکتا ہے جیسے والدہ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوا۔

اولیاء اللہ پر الہام و القا

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر الہام فرمایا' القا فرمایا اور وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ۔ اسے صندوق میں ڈالو اور اسے دریا میں پھینک دو۔ کوئی فرشتہ بھی واسطہ نہیں ہے۔ براہ راست اللہ کی طرف سے ان کے دل پہ القاء ہو رہا ہے کہ اس بچے کو صندوق میں ڈالو اور صندوق کو دریا میں ڈال دو۔ ایک نوزائدہ اتنا پیارا اور دلربا بچہ! اللہ کے رسول اور نبی تو ویسے ہی محبت

کا پیکر ہوتے ہیں، وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے ایک دنیا میں محبتیں تقسیم کرنی ہوتی ہیں ان کا وجود عالی بندے کے دل کو جذب کر لینے والا اور کھینچ لینے والا ایک خوبصورت وجود ہوتا ہے جو محبتوں کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن پر اللہ کی ایک خدائی فریفتہ ہو جاتی ہے اور جنون کی حد تک ان سے عشق کرتی ہے۔ ایسے وجود ماں کو کتنے پیارے ہوتے ہوں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے پیار کی کیا کیفیت ہوگی اور وہ ان کی حفاظت کی فکر میں کس قدر پریشان ہوں گی!

اس کے ساتھ ہی تسلی دی جا رہی ہے کہ گھبراؤ نہیں، دریا اس کو غرق نہیں کرے گا، اس کا بگاڑے کا کچھ نہیں، اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ میں اسے آپ کو لوٹا دوں گا اور پھر جب یہ بڑا ہوگا تو اسے اپنا رسول مبعوث کروں گا۔ رب کریم تسلی دے رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں، یہ بچہ ضائع نہیں ہوگا، یہ دریا میں غرق نہیں ہوگا، کچھ نہیں ہوگا۔ اس نے جوان ہونا ہے اور میں نے اسے اپنا رسول مبعوث کرنا ہے۔ اس نے دنیا کو انقلاب سے آشنا کرنا ہے۔ یہ انقلاب آفریں بچہ ہے لیکن فی الوقت تم اسے صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈال دو، میں تمہیں لوٹا دوں گا۔ والدہ موسیٰ علیہ السلام نے اس الہام پر عمل بھی کیا اور اپنے نوزائیدہ لخت جگر کو ایک بکس میں ڈال کر دریا میں ڈال دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اہل اللہ کو من جانب اللہ الہام یا القا بھی ہوتا ہے اور فرشتے کے ذریعے بھی ان سے بات کی جا سکتی ہے۔

کوئی خاتون نبی نہیں ہوئی حضرت مریم علیہا السلام بھی ولیہ ہیں، اور قرآن فرما رہا ہے وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ جب فرشتوں نے آ کر کہا اے مریم! اس سے پہلے بھی فرشتے کی بات، اس کے بعد بھی فرشتے کا کلام تو ثابت ہے کہ ایک ولی اللہ سے فرشتے ہم کلام ہو سکتے ہیں، وہ انہیں دیکھ سکتا ہے، ان کی بات سن سکتا ہے، ان کی بات سمجھ سکتا ہے۔ اللہ کی طرف سے بھی براہ راست الہام و القا ہو سکتا ہے۔ اس طرح ایک بدکار یا گمراہ شخص کو شیطان کی طرف سے بھی القا ہو سکتا ہے وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ جو لوگ شیطان کے دوست بن جاتے ہیں تو شیطان بھی ان کے قلوب میں القا کرتا ہے، ان کے دل میں اپنی باتیں ڈالتا ہے۔ یہاں فرشتے حضرت مریم علیہا السلام کو یہ خوشخبری دے رہے ہیں کہ آپ گھبراؤ نہیں۔ ایک حالت تو یہ تھی کہ بچپن میں والدہ نے نذر کر دی، والدین کے گھر سے چلی گئیں، اللہ کی نذر ہو گئیں اور مسجد میں رہنے کو ایک حجرہ مل گیا۔ یعنی بچے سے اس کا بچپن، ماں کی گود، ماں کی ممتا، باپ کی شفقت چھن گئی۔ بہن بھائیوں کے ساتھ کھیل کود والا معاملہ ختم ہو گیا اور ایک بزرگ کی طرح ایک حجرے میں رہنا پڑ گیا تو یہ گھبرانے کی بات تو تھی۔ اللہ کریم اپنی مخلوق کی حالت سے واقف ہیں اور اپنے بندوں کی سوچوں اور انسانی جذبات کے خالق ہیں وہ انسانی جذبات کو

جانتے ہیں تو حضرت مریم علیہا السلام کو تسلی دی جا رہی ہے کہ گھبراؤ نہیں۔ تمہاری عظمت یہ ہے کہ لاکھوں بچے تمہاری ممتا کے سائے میں اللہ کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔ اللہ کی ایک مخلوق تمہارے ذریعے ہدایت پا کر اللہ کی بارگاہ تک پہنچے گی۔ فرشتوں نے انہیں کہا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ وہ خوش نصیب ہیں جس کو ماں کی ممتا یا باپ کی شفقت کی بجائے براہ راست ذات باری نے اپنی تربیت میں لے لیا۔ ماں کتنی محبتیں نچھاور کرے، باپ کتنا پیار نچھاور کرے لیکن ماں بھی مخلوق ہے اور باپ بھی مخلوق ہے۔ ماں کی محبت بھی ایک حد اور باپ کے پیار کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ آپ کو تو اللہ نے اپنی شفقت میں لے لیا اور اللہ کی شفقتوں اور اس کی رحمتوں کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ **اصْطَفٰكِ** اللہ نے آپ کو منتخب کر لیا۔

وَطَهَّرَكِ ماں کی محبت وجود کو حفاظت دے سکتی ہے لیکن شاید قلب اور دماغ کو طہارت نہ دے سکے، سوچوں کو پاکیزگی نہ دے سکے۔ باپ کی شفقت وجود کو تحفظ تو دے سکتی ہے لیکن شاید روحانی تربیت نہ کر سکے۔ یہاں اللہ کریم نے جب آپ علیہا السلام کو اپنی شفقت کے زیر سایہ لے لیا تو آپ ظاہری پرورش کی تو بات ہی چھوڑیئے، اس نے تو باطن کو بھی جلا بخش دی، **وَطَهَّرَكِ** پاک کر دیا۔ ظاہر سے لے کر باطن تک، بات سے لے کر خیال تک، عمل سے لے کر سوچ تک مکمل طور پر آپ علیہا السلام کو پاکیزہ کر دیا۔

وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ۝ اور آپ کے زمانے میں روئے زمین پر جتنی خواتین ہیں ان سب سے سربلند کر دیا اور چن لیا۔ اللہ کریم نے آپ پر اتنے کرم فرمائے تو اب یہ کریں:

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ آپ اس پہ جم جایئے، جو کچھ اللہ کی طرف سے عطا ہو رہا ہے اسے جذب کیجئے، اسے اپنے وجود کا حصہ بنا لیجئے۔ اس کا اثر یہ ہو کہ آپ کے ہر عمل سے اللہ کی اطاعت عیاں ہو۔

ولایت کیا ہے؟ ولایت یہ ہے کہ بندہ کلی طور پر اللہ کی مرضیات میں فنا ہو جائے۔ اس کی سوچ، اس کی فکر سے لے کر اس کے عمل، اس کی حرکت تک ہر شے اللہ کی اطاعت میں چلی جائے۔ یہاں یہی حکم ہو رہا ہے۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ اپنے اللہ کی اطاعت پہ اس طرح جم جائیں کہ **وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝** اطاعت کرنے والی مخلوق میں آپ علیہا السلام اسی طرح شامل ہو جائیں کہ ان کے ساتھ مل کر رکوع و سجود ہی کرتی رہیں۔ اللہ کے فرشتے، اللہ کے نیک بندے، اللہ کی باقی مخلوق، چاند، ستارے، سیارے، زمین، درخت، ذرات ہر شے اللہ کی اطاعت کرتی ہے۔ آپ علیہا السلام بھی کائنات کی اطاعت گزار ہستیوں کے ساتھ اللہ کی اطاعت گزار بن جائیں۔

وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ○ اللہ کے رکوع اور سجود کرنے والوں کے ساتھ رکوع وسجود کرو۔ اللہ کے ملائکہ تسبیح کرتے ہیں، آپ علیہا السلام بھی تسبیح کرو۔ کائنات کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرتا ہے، آپ علیہا السلام بھی ان کے ساتھ مل کر ذکر کرو۔ اللہ کے بندے مختلف اوقات میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں، آپ علیہا السلام بھی عبادت کرنے والوں کے ساتھ مل کر عبادت کیجئے۔

یہ ضروری نہیں کہ یہاں یہ ثابت کیا جائے کہ انہیں نماز باجماعت کا حکم اور تاکید ہو رہی ہے۔ نماز باجماعت بھی ثابت ہے لیکن یہاں صرف نماز باجماعت کی بات نہیں ہو رہی۔ یہاں مدعا یہ ہے۔ یٰمَرْيَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ اے مریم علیہا السلام! اللہ نے جو شفقت فرمائی، اللہ نے جو رحمت فرمائی، اللہ نے جو آپ علیہا السلام پر انعام فرمایا، اب اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام انوارات وتجلیات کو آپ علیہا السلام اپنے وجود کا حصہ بنا لیں۔ اس نور کو دل ودماغ میں سمو لیں کہ دماغ بھی روشن ہو جائے اور دل بھی روشن ہو جائے۔ دل سے خواہش ابھرتی ہے اور وہ دماغ اور اعضاء وجوارح کو اس پہ عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب دل میں وہ تجلیات جم جائیں گی، جذب ہو جائیں گی تو وہاں سے اطاعت کی خواہش ابھرے گی۔ دماغ اللہ کی اطاعت کے مطابق اعضاء وجوارح کو زندگی کے تمام اعمال کے احکام دے گا۔ لہٰذا اللہ کی اس مخلوق میں شامل ہو جائیں جو ہر وقت اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہتی ہے۔

نماز باجماعت میں برکات کا نزول

جہاں تک نماز باجماعت کا تعلق ہے، رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا، سجود کرنے والوں کے ساتھ سجود کرنا، اس کے اپنے فوائد ہیں۔ حدیث شریف میں اس کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے۔ نماز باجماعت کے بے شمار فوائد میں من جملہ ایک یہ بھی ہے کہ جو بندہ بھی اللہ کی اطاعت کے لئے باوضو ہو کر، قبلہ رخ ہو کر، تکبیر کہہ کر صرف اللہ کے روبرو کھڑا ہو جاتا ہے تو جتنا اس کا ایمان ہے، جتنی گہرائی اور گیرائی اس کے یقین میں ہے، ذات باری سے اسی طرح کے انوارات، اس طرح کی رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔ اب ساتھ دوسرا بندہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا یقین اپنا ہے، ایمان اپنا ہے، ایمان کی گہرائی اور گیرائی اپنی ہے، اسی طرح کی رحمتیں اس دوسرے پہ نازل ہوتی ہیں۔ ساتھ تیسرا کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے ایمان، گہرائی اور یقین کی پختگی کا جو درجہ ہے اس پر اس طرح کے انوارات وتجلیات اور رحمتوں کی بارش نازل ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جوں جوں یہ بڑھتے جاتے ہیں، نزول رحمت تجلیات اور انوارات وبرکات کے مختلف رنگ ان پر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ایک پر نور کی بارش برس رہی ہے تو دوسرا ساتھ محروم رہے۔ اس کا مطلب

ہے کہ اگر سو بندہ نماز ادا کر رہا ہے تو سو طرح کی رحمتیں ان سو بندوں پہ برس رہی ہوتی ہیں۔ اگر اکیلا نماز پڑھتا ہے تو وہ بھی عبادت ہے، اس پر بھی نزول رحمت ہوتا ہے لیکن اس ایک طرح کا، جیسا کہ وہ بندہ ہے۔ حاجی خلوص نیت سے اللہ کی رضا کے لئے حرم شریف میں جمع ہوتے ہیں۔ آٹھ ذوالحج کی فجر کی نماز تو سارے حاجی حرم میں باجماعت ادا کرتے ہیں۔ قریباً تیس پینتیس لاکھ لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں۔ پینتیس لاکھ بندے ایک تکبیر پہ رکوع و سجود کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ پینتیس لاکھ رنگا رنگ انوارات کی بارش ہوتی ہے اور الگ الگ نہیں بلکہ سارے مجمع پہ ہوتی ہے۔ تو نماز باجماعت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جتنے لوگ اس جماعت میں زیادہ ہوتے ہیں اتنی ہی قسم کی رحمتیں، انوارات آتے ہیں اور وہ سب پر برستے ہیں۔ اکیلا نماز پڑھتا ہے تو ایک طرح کی رحمت آئے گی اور زیادہ ہیں تو زیادہ آئیں گی۔ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق نماز باجماعت کی فضیلت بہت زیادہ ہے اور اس میں ایک راز یہ بھی نظر آتا ہے کہ اس طرح بندے کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے۔

عبادت کا جامع تصور

عبادت کا یہ تصور کہ پنجگانہ نماز ہی عبادت ہے یا نوافل ہی عبادت ہیں، درست نہیں ہے۔ پنجگانہ صلوٰۃ بھی عبادت کی ایک قسم ہے۔ یہ فرض عین ہے لیکن زندگی کا ہر عمل عبادت ہے یا ترک عبادت ہے۔ وہ چھوٹا کام ہے یا بڑا، ہر عمل اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا اللہ کے حکم کے خلاف ہے۔ اسلام محض کوئی فلسفہ نہیں، کوئی تھیوری نہیں بلکہ اسلام سارے کا سارا عمل کا نام ہے۔ اسلام پریکٹیکل ہے، صرف تھیوری یا فلاسفی یا ایک تصور حیات نہیں ہے۔ اسلام اعمال و کردار کا نام ہے۔ اسلام وہ دین ہے جو مکمل کر دیا گیا۔ انسانی زندگی میں جتنے مرحلے آتے ہیں، پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک، ہر مرحلے میں اسلام نے ایک خوبصورت ضابطہ دے دیا ہے جس میں اطاعت الٰہی بھی ہے اور دنیا کا کام بھی ہو جاتا ہے۔ جائز طریقے سے روزی کماتا ہے، تو یہ کمانا بھی عبادت ہے۔ جائز طریقے سے مزدوری کرتا ہے، روزی بھی کماتا ہے تو مزدوری کرنا بھی رکوع و سجود کی طرح عبادت ہے اور اس میں ثواب بھی ہے۔ اسی طرح زندگی کا ہر عمل عبادت ہے یا ترک عبادت ہے، جرم ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ یہ غیب کی باتیں ہیں جو لوگوں کے علوم سے ماورئ ہیں۔ اگرچہ یہ باتیں دنیا میں ظہور پذیر ہوئیں لیکن لوگوں کے پاس اس کی صحیح تاریخ نہیں ہے۔ پھر لوگوں کو اس بات کا پتہ نہیں ہے کہ فرشتے نے کیا کہا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے کیا سنا۔ لوگوں کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ اللہ نے کیا فرمایا اور حضرت مریم علیہا السلام نے کیا سنا۔ یہ باتیں غیب کی ہیں لیکن آپ ﷺ پر وحی کر دی گئیں۔ وَمَا كُنْتَ

لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ۝ جب وہ قرعہ نکالنے کے لئے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ حضرت مریمؑ کی کفالت کون کرے گا اور آپس میں بحث و تکرار کر رہے تھے' اس وقت آپ ﷺ تو ان کے پاس نہیں تھے۔

علم غیب اور اطلاع عن الغیب

غیب کا اصل مفہوم کیا ہے؟ جسے غیب کہتے ہیں اسے جاننا صرف اللہ کا خاصہ ہے۔ غیب کسے کہتے ہیں؟ ایسا علم جو انسان کے جاننے کے ذرائع سے پوشیدہ ہو' وہ غیب ہوگا۔ اب اگر اسے جاننے کے لئے کوئی ذریعہ درمیان میں آ گیا تو وہ غیب نہیں رہے گا۔ جیسے کرکٹ کھیلا جا رہا ہے لیکن ہمیں کیا پتہ کس نے چھکا مارا' کس نے چوکا مارا اور کس نے گیند پھینکی۔ ہم ٹیلی ویژن پر دیکھتے ہیں تو ایک ذریعہ درمیان میں آ گیا۔ پھر غیب نہ رہا' درمیان میں ایک ذریعہ آ گیا تو ہمیں غیب پہ اطلاع ہوگئی۔ درمیان میں سبب ہے۔ اللہ کا علم اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے کا اسے علم ہے اور درمیان میں کوئی سبب نہیں۔ وہ ذاتی طور پر جانتا ہے اور یہ ہے غیب جو صرف اللہ جانتا ہے۔ غیب مخلوق کے حوالے سے ہے لیکن اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ غیب جاننا خاصۂ ذات باری ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کیا جاتا ہے اور یہ اطلاع عن الغیب ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ تمہاری تو اتنی حیثیت نہیں کہ اللہ تمہیں غیب بتا دے لیکن وہ اپنے نبیوں کو' رسولوں کو چن لیتا ہے۔

لہٰذا ہر نبی دنیا میں جس کام کے لئے مبعوث ہوتا ہے' اسکے لئے جتنے علوم' جتنی قوتوں اور جتنی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے' وہ اسے عطا کئے جاتے ہیں۔ یہ کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کہ کس نبی کو کتنا غیب بتایا گیا' یہ مالک جانے اور نبی جانے لیکن جتنے امور غیبیہ پر تمام انبیاء علیہم السلام' رسل اور اولیاء کو مطلع کیا گیا' اللہ کے بعد سب سے زیادہ جاننے والی ہستی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضور ﷺ ہی وہ ہستی ہیں جو ساری انسانیت کے لئے اور تا قیامت سارے زمانوں کے لئے مبعوث کئے گئے۔ ان زمانوں کی نسبت' اس انسانی وسعت کی نسبت حضور ﷺ کے علوم غیبیہ کی وسعت بھی بے پناہ ہے لیکن نبی کا علم اللہ کا دیا ہوا ہوتا ہے۔ آپ اسے علم غیب نہ کہیں' اسے اطلاع عن الغیب کہیں۔ نبی کو غیب عطا کیا جاتا ہے' اللہ کو کوئی بتاتا نہیں' نبی کو بتا دیا جاتا ہے۔ یہ فرق ہے اور یہ بڑی مناسب اور سمجھ میں آنے والی بات ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تو فرمایا: وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمینوں اور آسمانوں کی ساری کائنات کھول کر ابراہیم علیہ السلام کے سامنے رکھ دی اور جب بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا تو یہ بات نہیں بتائی کہ ذبح دنبہ ہوگا لیکن بیٹا بچ جائے گا۔ آپ کسی کو بھی کہہ دیں کہ بیٹے کو لٹا کر اس کی گردن پہ

چھری رکھ دو لیکن ذبح دنبہ کر دینا تو یہ کون نہیں کر سکتا۔ میں بھی کر سکتا ہوں' آپ بھی کر سکتے ہیں۔ جب ہمیں پتہ ہے کہ ذبح تو دنبہ کرنا ہے تو پھر بیٹے کو لٹانے میں تکلیف کیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے سامنے زمینوں اور آسمانوں کی کائنات کو کھول کر رکھ دیا لیکن جب انہیں حکم دیا کہ بیٹے کو میری بارگاہ میں ذبح کرو تو آخر تک یہ نہیں بتایا کہ تیرے بیٹے کو بچا لوں گا۔

باپ بھی اولوالعزم رسول ہے' بیٹا بھی اولوالعزم رسول ہے۔ نہ باپ کو پتہ ہے یہ بچ جائے گا اور نہ بیٹے کو پتہ ہے کہ میں بچ جاؤں گا۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ' چھری چلا دی' خون بہہ نکلا' جسم تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا اور ابھی تک ابراہیم علیہ السلام سمجھ رہے ہیں کہ میں نے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیا۔ آنکھوں سے پٹی ہٹائی تو اسمٰعیل علیہ السلام کھڑے مسکرا رہے ہیں اور دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے۔ گھبرا گئے۔ میں نے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا تھا' کیا میری قربانی ضائع گئی؟ فوراً اللہ کی طرف سے یہ وحی آئی۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ میرے حبیب علیہ السلام! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بیٹے کو بچا لینا اور دنبہ رکھ دینا' یہ میرا کام تھا۔

اس کا مطلب ہے جو چیز وہ نہ بتانا چاہے' نہیں بتاتا۔ چونکہ آزمائش تھی' اگر یہ بتا دیتا تو آزمائش نہ رہ جاتی۔ اس کی اپنی حکمت ہے جو بات اپنے اولوالعزم رسولوں نبیوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے' ان سے بھی رکھتا ہے۔ جو بتانا چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔ عام آدمی کو' مجھے آپ کو یہ کون بتاتا ہے؟ یہ ساری باتیں وہ رب ہی بتاتا ہے۔ کوئی محسوس کرے' نہ کرے' سارے علوم اسی کی طرف سے عطاء ہوتے ہیں اور وہی بتاتا ہے۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ۝ فرمایا: وہ بات یاد کریں جب فرشتوں نے یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا اے مریم! اللہ آپ کو ایک کلمہ کی بشارت دیتے ہیں جو اللہ کی طرف سے ہو گا' ایسا بچہ جو اللہ کے حکم سے بغیر باپ کے پیدا ہو گا اور اللہ کا کلمہ کہلائے گا' جس کا نام اور لقب عیسیٰ بن مریم ہو گا' جس کے اوصاف یہ ہوں گے کہ دنیا و آخرت میں معزز ہو گا اور مقربین بارگاہ الٰہی میں سے ہو گا۔ اور اس کے اوصاف یہ بھی ہوں گے کہ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وہ لوگوں سے ماں کی گود میں بھی اور بڑا ہو کر بھی' دونوں حالتوں میں یکساں گفتگو کرے گا اور نیکو کاروں میں ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نوزائدگی کے عالم میں لوگوں سے خطاب فرمایا جو ماں کی پاکدامنی کا ثبوت تھا۔ حضرت مریم کی تشفی کے لئے یہ اطلاع عن الغیب ہے جو قبل از وقت دی جا رہی ہے ورنہ امور طبعی میں کسی بچے کا اس طرح خطاب کرنا بعید از ممکنات ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (٤٧) وَيُعَلِّمُهُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ (٤٨) وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ
اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ
الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ
وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ
بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ (٤٩) وَمُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ
وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (٥٠) اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ
وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (٥١)

وہ بولی، اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا؟ اور کسی مرد نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا اس نے کہا اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے اس کو "ہو جا" سو وہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کو سکھائے گا کتاب، اور دانائی، اور توریت، اور انجیل۔ اور بنی اسرائیل کی طرف ایک رسول (بھیجے گا) کہ میں تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی کے ساتھ آیا ہوں، میں تمہارے لئے گارے سے پرندہ جیسی شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں، تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، اور میں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں، اور میں اللہ کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں، اور میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، بیشک اس میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم

ایمان والے ہو۔ اور میں اپنے سے پہلی (کتاب) توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں تاکہ تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کی گئی تھیں اور تمہارے پاس تمہارے رب سے ایک نشانی کے ساتھ آیا ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ بیشک اللہ (ہی) میرا اور تمہارا رب ہے تو تم اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

اللہ کے فرشتے نے حضرت مریمؑ کو یہ خوشخبری سنائی تو انہوں نے عرض کی۔ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ بار الٰہا! میرا بیٹا کس طرح ہوگا؟ دنیا تو عالم اسباب ہے وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ اور مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں، کس طرح بیٹا ہوگا؟ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ فرمایا بیشک دنیا عالم اسباب ہے اور اس میں اللہ کے رائج کردہ طریقے جاری ہیں لیکن اللہ قادر ہے وہ جیسا چاہے کر سکتا ہے۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ جیسے چاہے، جب چاہے، جس چیز کو چاہے وجود عطا کر دے۔ جہاں چاہے عطا کر دے۔ اس کی قدرت اور شے ہے اور اس کے بنائے ہوئے نظام اور شے ہیں۔ یہ نظام، عالم اسباب یا اس میں اسباب کا ہونا بھی اس کی تخلیق ہے۔ لیکن وہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ وہ قادر ہے اور اسی لئے اسباب میں جگہ جگہ استثناء پایا جاتا ہے، ہر اصول میں استثناء موجود ہے اور استثناء اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ قادر ہے۔ اسباب کے علاوہ بھی جو چاہے کر سکتا ہے۔

مرزا قادیانی کی تحریف قرآن کی جسارت

برصغیر کا نام نہاد جھوٹا مدعی نبوت یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام یوسف تھا جس کی قبر کشمیر میں ہے۔ اسی ایک آیہ کریمہ پہ غور کر لیں کہ اگر حضرت مریم علیہا السلام کی شادی ہو چکی تھی، اگر ان کے میاں تھے تو پھر یہ عرض کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ کہ میرا بیٹا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی انسان نے چھوا نہیں۔ اللہ کریم نے قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ لیا اور گزرنے والی چودہ صدیاں اس پہ گواہ ہیں کہ قدرت باری اس کی حفاظت کا حق کس طرح ادا کر رہی ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یہ حفاظت صرف الفاظ و معانی کو نہیں، یہ حفاظت قرآن کے الفاظ کو بھی حاصل ہے، قرآن کے مفاہیم کو بھی حاصل ہے لیکن یہ یاد رہے قرآن سمجھنے والوں کو بھی حاصل ہے کہ زمین پر ایسے

لوگ بھی ہوں گے جو قرآن کو سمجھتے ہوں گے۔ اگر زمین پر کوئی سمجھنے والا ہی نہ ہو اور زمین پر قرآن باقی رہے تو حفاظت کا حق تو ادا نہ ہوا' پھر تو قرآن ضائع ہو گیا۔ ایک چیز کتنی بھی قیمتی ہو لیکن اسے دنیا میں کوئی جانتا ہی نہ ہو تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم پر عمل کرنے والے اگر نہ رہیں تو قرآن کا ہونا' قرآن کی حفاظت بے معنی ہو گی۔ لہٰذا حفاظت انہی قرآن کے الفاظ کو حاصل ہے' قرآن کے معانی کو حاصل ہے' قرآن سمجھنے والوں کو حاصل ہے' قرآن پر عمل کرنے والوں کو حاصل ہے اور یہ چاروں طرح کی حفاظت قیامت تک رہے گی۔ ان چودہ صدیوں میں کفار کی طرف سے' خصوصاً یہود' مشرکین اور عیسائیت کی طرف سے قرآن کے مفاہیم کو بدلنے کی کتنی کوشش کی گئی' آپ اور میں اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ جتنے جھوٹے نبی اور یہ فسادات کھڑے کیئے گئے' یہ سارے آیات کے مفاہیم بدل کر مختلف معنی پہنانے کی کوشش تھی لیکن الحمد للہ قرآن بھی باقی ہے اور اس کے مفاہیم بھی باقی ہیں۔ تحریف کرنے والے تباہ ہو گئے اور وہ لعنت کے مستحق ہو گئے' اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی لیکن ان کی تحریف چل نہیں سکی کہ قرآن کا ایک ایک جملہ دوسرے جملے کی حفاظت کرتا ہے۔

اب جس طرح یہ عقیدہ گھڑا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے والد بھی تھے' عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور ان کا واپس آنا روحانی طور پر ہے' غلام احمد ہی یسوع مسیح ہے جو واپس آ گیا' ان کے والد کا مزار کشمیر میں ہے۔ یہاں یہ ایک چھوٹا سا جملہ وَلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ اس ساری عمارت کو ڈھا دیتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو فرشتہ اللہ کی طرف سے بشارت دے رہا ہے اور وہ فرما رہی ہیں مجھے کسی بشر نے چھوا نہیں۔ میرزا قادیانی کی طرف سے جتنی کہانی گھڑی گئی' اس ایک جملے نے' اس ایک آیہ کریمہ نے ساری باطل کر دی۔

کن فیکون کے رموز

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مریم! اللہ قادر ہے' جب چاہتا ہے' جو چاہتا ہے پیدا فرما دیتا ہے۔ ہمارے علم میں کچھ ماضی ہے جو گزر چکا' کچھ حال ہے جو ہمارے سامنے ہے اور کچھ مستقبل ہے جس کے متعلق ہم اندازے لگاتے رہتے ہیں۔ تین زمانے ہیں' ماضی بیت گیا لیکن ماضی پہ بھی ہم متفق نہیں ہیں۔ جو حالات و واقعات گزر چکے ہیں ان پہ بھی ہماری آراء مختلف ہیں۔ جو حال ہمارے سامنے ہے اس پہ متفق نہیں ہیں۔ کوئی کچھ کہہ رہا ہے کوئی کچھ کہہ رہا ہے تو آنے والے وقت کا کیا پتہ کہ کیا ہو گا؟ اللہ کے نزدیک حال' مستقبل' ماضی وغیرہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا علم حضوری ہے۔ نہ ماضی وہاں گزرا ہے' نہ مستقبل نے آنا ہے۔ اس کی بارگاہ میں ہر چیز حاضر ہے۔ اس کا علم حضوری ہے' دائمی ہے' ازلی ہے' ابدی ہے۔ کوئی اس کی اول نہیں' ابتداء نہیں' کوئی انتہاء نہیں۔ جو چیزیں ابھی وقوع پذیر ہونی ہیں' ہمارے علم میں نہیں' وہ جب ہوں گی

تو ہم دیکھیں گے لیکن وہ اس کے علم میں حاضر ہیں۔

یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے۔ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا جب کسی چیز کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے۔ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ تو یقیناً اسی کو حکم دیا جاتا ہے۔ غور فرمائیں کہ اس چیز نے ابھی ہونا ہے۔ رب تعالیٰ نے فیصلہ فرما لیا کہ یہ چیز ہوگی۔ اس چیز نے ہونا ہے، ابھی ہوئی نہیں لیکن اللہ کی بارگاہ میں موجود ہے۔ اسی کو حکم دیا جاتا ہے، یَقُوْلُ اسی کو کہا جاتا ہے، کُنْ ہو جا۔ فرشتوں کے علم میں وہ چیز معدوم ہے، انسان کے علم میں معدوم ہے، دنیا کے علوم میں معدوم ہے، دنیا کے وجودوں میں معدوم ہے، وہ عدم میں ہے لیکن عدم بھی اللہ کے روبرو دست بستہ حاضر ہے۔ عدم میرے اور آپ کے لئے ہے۔ عدم وجود کے لئے ہے لیکن اس کی بارگاہ میں ہر چیز ہمہ وقت حاضر ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جب کسی چیز کا فیصلہ ہو جاتا ہے، فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ تو یقیناً اسی چیز کو حکم دیا جاتا ہے کُنْ ہو جا، فَیَکُوْنُ۝ تو وہ ہو جاتی ہے۔ یہ عدم اور وجود، یہ ہونا اور نہ ہونا، یہ علوم انسانی کے لئے ہے۔ فرشتوں کے علم میں وہ چیز عدم میں ہے، نہیں ہے اور فلاں حاضر ہے۔ اللہ کا علم حضوری ہے۔ ہر چیز دست بستہ حاضر ہے اور چیز ہے کیا؟ اسکی تخلیق ہے۔ جو چیز اس کے علم میں نہیں، اس کا وجود ہی نہیں۔ نہ وہ عدم میں ہے نہ وہ حضور میں ہے۔ اللہ کی ذات کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اللہ کی مخلوق ہے اور مخلوق کا وجود خالق کے علم میں تو موجود ہے۔

کنسٹرکشن کی مثال لیں۔ کوئی کھدائی کر رہا ہے، کوئی سیمنٹ بھر رہا ہے، کوئی لکڑی ٹانک رہا ہے، کوئی کیل ٹھونک رہا ہے۔ سمجھ نہیں آتی یہ کیا تماشہ ہے لیکن جو شخص بنا رہا ہے یا بنوا رہا ہے، اس کی نظر میں عمارت موجود ہے۔ وہ اس تصویر کو دیکھ رہا ہے جس میں یہ مکمل ہوگی۔ یہ سارے کام کرنے کے بعد یہاں کیا نظر آئے گا، وہ بنانے والے کے ذہن میں موجود ہے۔ ہماری سمجھ میں تب آئے گا جب یہ بن کر مکمل ہوگی۔ اگر بنانے والا ایک انسان ہے، کسی چیز کو بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں اس کی تصویر ہوتی ہے۔ بنانے والا قادر مطلق ہو تو اس کے علوم اس کی شان کے مطابق ہیں اور ہر وہ چیز وقوع پذیر ہوتی ہے جو اس کے علم میں ہے۔ ہر چیز جو وقوع پذیر ہوتی ہے، وہ ہونے سے پہلے بھی اس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ ہو کر بھی اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور یہاں سے گزر جائے گی تو بھی اس کے علم میں، اس کی بارگاہ میں حاضر ہوگی۔ ساری مخلوق دست بستہ تعمیل ارشاد کے لئے ہمہ وقت حاضر ہے۔

کَذٰلِکِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ط اے مریمؑ! تیرا اللہ جو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے، بنا دیتا ہے۔ وہ ایسا قادر ہے۔ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا جب کسی بات کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ۔ تو اسی کام کو، اسی چیز کو کہتا ہے ہو جا فَیَکُوْنُ۝ وہ ہو جاتی ہے۔ آپ کو صرف ایک بیٹے کی بشارت نہیں دی جا رہی کہ اللہ آپ کو بغیر باپ کے، بغیر

مرد کے بیٹا عطا کرے گا۔ صرف یہ بات نہیں ہے۔ وہ بیٹا اتنا انمول ہو گا کہ: وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وہ بچہ جب پیدا ہو گا تو اللہ نے اسے اس وقت ہی کتاب کا علم عطا کر دیا ہو گا' حکمت و دانائی عطا کر دی ہو گی۔ اسے تورات اور اناجیل یاد کرا دی ہوں گی۔ حکمت و دانائی' مفاہیم' کتاب کی تشریح و تفسیر عطا کر دیں گے۔ تورات' انجیل اور آسمانی کتابوں کے علوم ان کے دل میں سمو دیں گے۔

انبیاء علیہم السلام کے علوم وہبی اور بوساطت حضور ﷺ ہیں

اس آیہ کریمہ میں بڑی خوبصورت باتیں آ گئی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ کے جو رسول ہوتے ہیں وہ اللہ کے علاوہ کسی سے تحصیل علم کے محتاج نہیں ہوتے۔ انبیاء کا علم اللہ کی طرف سے دیا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں نہ عمر کی قید ہوتی ہے' نہ عقل کی' نہ بلوغت کی' نہ شعور کی بلکہ وہ ان کا وصف ہوتا ہے۔ جب نبی مبعوث ہوتا ہے تو نبوت کے سارے لوازمات اس کی ذات کا وصف بن جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ سارے علوم اللہ کی طرف سے نبی کو عطا کر دیئے جاتے ہیں اور یہ بھی ایک معجزہ ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے اسمائے گرامی میں بڑا روشن نام نبی الامی ﷺ ہے۔ امی کہتے ہیں جو شخص لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو لیکن علم کی یہ شرط نہیں کہ لکھنا پڑھنا آتا ہو تو علم ہو گا۔ سارے علوم کا مصدر ہی ذات محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی آپ ﷺ کے امتی ہیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ عالمین میں پہلے تمام نبی اور رسول بھی آ جاتے ہیں تو علوم کے جتنے خزینے پہلے انبیاء و رسل پر لٹائے گئے' انہیں یہ بوساطت محمد رسول اللہ ﷺ نصیب ہوئے۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جتنی نعمتوں کا ذکر خیر ہو رہا ہے' یہ بوساطت محمد رسول اللہ ﷺ عطا ہوئیں۔ فرمایا اللہ اپنے رسول کو کتاب عطا کرتا ہے وَالْحِكْمَةَ اور حکمت عطا کرتا ہے۔

عہد جدید کا ایک بڑا ہنگامہ خیز مسئلہ یہ ہے کہ اسلام تو چودہ سو سال پہلے کے معاشرے کی بات کرتا ہے وہ زمانہ اور تھا' وسائل اور تھے' ذرائع اور اسباب مختلف تھے' ماحول اور تھا۔ وہ زمانہ بیت گیا' اب نیا زمانہ ہے' دنیا ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے اور آج کی ضرورتیں مختلف ہیں۔ ٹیلی ویژن پہ ایک مذاکرے میں ایک خاتون کہہ رہی تھی کہ آج کوئی نبی نہیں ہے اَسْتَغْفِرُاللّٰہ ! یہ سب وہ مغالطے ہیں جو مستشرقین کے گھڑے ہوئے اعتراض ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کے وہ علماء جو مشرقی علوم پہ عبور رکھتے ہیں انہیں مستشرق کہتے ہیں جو دینی علوم کو اعتراض کے لئے پڑھتے رہتے ہیں۔ میرے بھائی آج بھی نبی ہے اور نبی ہے محمد رسول اللہ ﷺ ! قیامت تک آپ کی نبوت موجود ہے۔ آج بھی آپ ﷺ کی رسالت برقرار ہے' اس کی برکات برقرار ہیں' اس کے فیوضات جاری ہیں۔ زمانے کا خالق وہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا اور سارے زمانوں

کے لئے مبعوث فرمایا۔ اس لئے آپ ﷺ کو علوم بھی سارے زمانوں کے لئے دیئے گئے ہیں‘ چودہ سو سال پہلے کے لئے نہیں دیئے گئے۔ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے۔ آخری کتاب ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آخری کتاب ہونے کا اور آخری نبی ہونے کا یہ معنی ہے کہ اب نیا نبی مبعوث نہیں ہوگا اس لئے نئی کتاب نہیں بن سکتی۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے مبعوث ہو کر قیامت تک کے لئے وہ ساری ضرورت پوری کر دی کہ نئے نبی کی ضرورت ہی نہ رہی۔ ختم نبوت کا یہ مفہوم ہے اور آخری کتاب کا مفہوم یہ ہے کہ اب اس کے بعد قیامت تک کے لئے کسی آسمانی حکم کے نازل ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ سارے احکام اس کتاب میں موجود ہیں۔ جو چودہ سو سال پہلے کے معاشرے کی بات کرتا ہے وہ خود کسی دھوکے میں مبتلا ہے۔ قرآن چودہ سو سال پہلے کے لئے نہیں بلکہ قرآن قیامت تک کے لئے راہنمائی فرماتا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے آج زمانہ بدل گیا تو کیا بدل گیا؟ وہی پیاس ہے‘ وہی بھوک ہے‘ وہی لباس کی ضرورت ہے‘ وہی توالد و تناسل ہے‘ وہی گھر کی ضرورت ہے‘ وہی نیند ہے‘ سب کچھ وہی ہے۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے ذرائع بدل گئے ہیں‘ Means بدلے ہیں اور کچھ نہیں بدلا۔ بھوک لگتی تھی تو روکھی روٹی کھا لیتے تھے‘ آج بھوک لگتی ہے تو بسکٹ یا ڈبل روٹی مل جاتی ہے۔ پیاس لگتی تھی تو سادہ پانی پی لیتے تھے‘ آج جوس پی لیتے ہیں‘ سوڈا واٹر پی لیتے ہیں لیکن پیاس وہی لگتی ہے‘ تو کیا بدلا؟

اسلام نے یہ قید نہیں لگائی کہ سادہ روکھی روٹی کھاؤ یا سادہ پانی پیئو‘ وہ کہتا ہے سوڈا بھی پیئو‘ کیک بھی کھاؤ لیکن شرط یہ ہے کہ دوسرے کا چھین کر نہ کھاؤ۔ اپنا کما کر کھاؤ۔ کیا یہ اصول پرانا ہو گیا۔ اسلام نے تو زندگی کے وہ اصول دیئے ہیں جو پرانے ہوتے ہی نہیں۔ پیدل حج پر جاتے تھے‘ گھوڑے پہ جاتے تھے‘ ٹرین پہ جاتے تھے۔ بحری جہاز پہ جاتے تھے اب ہوائی جہاز پہ جاتے ہیں۔ اسلام کو تو کوئی اعتراض نہیں۔ تکمیل ضرورت کے ذرائع بدلے ہیں‘ ضرورتیں نہیں بدلیں‘ انسان نہیں بدلا۔ اسلام نے تو انسانیت کے لئے خوبصورت ماحول‘ خوبصورت معاشرہ اور آسان راستہ دیا ہے۔

علم و حکمت وراثت انبیاء ہے

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ اللہ اسے کتاب کا علم بھی عطا کرے گا وَالْحِكْمَةَ دانش و بینش‘ حکمت وراثت ہی انبیاء کی ہوتی ہے۔ ہر وہ بندہ دانش مند ہے جو نبی کے علوم سے مستفید ہوتا ہے‘ نبی کے اتباع سے مستفید ہوتا ہے۔ آج کے معاشرے میں ہم اسے دانشور خیال کرتے ہیں جو دین پہ زیادہ اعتراض کرتا ہے لیکن ان کی اپنی زندگیاں دیکھو تو ویران ہو چکی ہیں۔ جو شخص اپنی زندگی آباد نہیں رکھ سکتا‘ وہ ملک کو آباد کس طرح رکھے گا‘

معاشرے کو کس طرح آباد رکھے گا! اور معاشرے کو کیسے آسانیاں دے سکے گا۔ انہیں دانشور اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دین پہ اعتراض کرتے ہیں؟ دین پہ اعتراض دانشوری نہیں ہے' یہ بے دانش آدمی کا کام ہے جس کے پاس شعور نہیں ہے۔ دیکھنے والی آنکھ نہیں ہے ورنہ اللہ کے رسول جب مبعوث ہوتے ہیں تو جس قوم کے لئے اور زمانے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں' اس زمانے کی ضرورتوں کا جواب ان کے پاس ہوتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ بعثت عالی سے لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے' قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے' قیامت تک جتنے زمانے بدلیں گے' ہر نئے پیدا ہونے والے سوال کا جواب دینا قرآن کریم کی ذمہ داری ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے فرائض نبوت میں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم ایسے جاہل ہو جائیں کہ قرآن سے اپنا جواب حاصل نہ کر سکیں۔ ہم اتنے بے راہ رو ہو جائیں کہ حضور ﷺ کی ذات سے کٹ جائیں اور وہاں سے دانش حاصل نہ کر سکیں۔ قصور ہمارا ہوگا اور ہم اللہ کے رسول ﷺ کو اور اللہ کی کتاب کو الزام نہیں دے سکتے۔ انبیاء علوم' کتاب اور حکمت اللہ سے لے کر تشریف لاتے ہیں۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا رسول ہوگا' وہ عام بچہ نہیں ہوگا۔ بغیر باپ کے پیدا ہوگا اور یہ قدرت کا ایک بڑا معجزہ ہوگا لیکن فرمایا کہ اس سے بھی بڑی بات یہ ہوگی کہ اس زمانے میں وہ بچہ مخلوق کا پیشوا اور راہنما ہوگا' اللہ کی طرف سے پیشوائی اور راہنمائی کے علوم لے کر پیدا ہوگا۔ جب پیدا ہوگا تو اللہ نے اسے کتاب کی تعلیم' حکمت اور دانائی کی باتیں تورات اور انجیل کے علوم عطا فرمائے ہوں گے۔ تورات تو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی لیکن اس کے علوم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ہوں گے۔ انجیل خود انہی پر نازل ہوگی لیکن ان کا سینہ ان علوم کا بھی خزانہ ہوگا۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا رسول ہوگا۔

یاد رکھیں! یہ باتیں اللہ حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ کر رہا ہے کہ جو بیٹا ہوگا اسے تورات سکھائی جائے گی اور انجیل سکھائی جائے گی وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔ اور پھر آپ کو کوئی عام بچہ نہیں عطا کروں گا۔ ایک معجزہ تو یہ ہوگا کہ بغیر باپ کے ہوگا' دوسرا کمال اس میں یہ ہوگا کہ جب وہ پیدا ہوگا' اللہ اسے علم عطا کر دے گا' کتاب کا بھی' حکمت کا بھی' تورات کا بھی' انجیل کا بھی وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا رسول ہوگا اور انہیں فرمائے گا۔ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے عجیب و غریب معجزات لے کر آیا ہوں۔

یہ بھی نظام قدرت ہے کہ جو نبی جس زمانے میں مبعوث ہوا' اس زمانے میں جو علوم انسانوں میں

عام تھے، جس سے عام لوگ واقف تھے، اس طرح کے معجزات عطا فرمائے۔ موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اس وقت جادوگروں کا زور تھا اور مصر میں جادو سے ہر شخص واقف تھا۔ آپ علیہ السلام کو ایسے معجزات دیئے گئے جو جادو کا توڑ تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت بنی اسرائیل میں طبابت عام تھی اور بے شمار حکیم تھے۔ عجیب وغریب علاج کرنے والے ماہر نباض تھے۔ انہیں ایسے معجزات عطا فرمائے گئے کہ وہاں کے طبیب عاجز آ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے جادوگر عاجز آ گئے تو یہاں طبیب عاجز آ گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ جب مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ کو ایسے معجزات عطا فرمائے گئے کہ جب تک دنیا قائم ہے، اس میں جو بھی عجیب وغریب علم ہو وہ ان کے سامنے عاجز ہو جائے۔ آج اگر آپ سیاروں پر، چاند پر جانے کی بات کرتے ہیں تو آپ کو واقعہ معراج یہ یاد دلاتا ہے کہ چاند تو عالم ساوی میں ہے، یہاں تو بالائے عرش کی سیر ہوئی۔ آپ ابھی تک آسمان سے نیچے کی باتیں کر رہے ہیں لیکن ہر بات کا جواب وہاں موجود ہوگا، ہر جگہ نقش کف پائے رسول ﷺ ثبت ہوگا۔ کوئی بھی علم، کوئی بھی دانش ایسی نہیں جہاں نبی کریم ﷺ کا نقش کف پا موجود نہ ہو۔

ولی کا کشف علم نبوت کے تابع ہے

حضرت مریم علیہا السلام نبی نہیں تھیں۔ کوئی خاتون نبی اور رسول نہیں بنی۔ اس کا مطلب ہے اولیاء اللہ کو الہام بھی ہو سکتا ہے، کشف و مشاہدہ بھی ہو سکتا ہے اور ان کا الہام برحق بھی ہوتا ہے۔ نبی کی بعثت سے ولی کی بنیاد پڑتی ہے اور یہ کمال اسے باتباع نبوت نصیب ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ جو بات نبی سے ہوتی ہے اس میں شبہ نہیں ہوتا اور پوری امت اس پر عمل کرنے کی مکلّف ہوتی ہے۔ جو کشف یا الہام یا القاء ولی کو ہوتا ہے، ایک تو وہ نبی کے تابع ہونا چاہیے کہ نبی کو غلطی نہیں لگ سکتی، ولی کو سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے۔ علم نبوت سے متصادم ہے تو اسے سمجھنے میں غلطی لگی ہے، اتباع نبی کا ہوگا۔ دوسری بات ولی صاحب الہام بھی ہو تو اپنے الہام پر خود عمل کرنے کا مکلّف ہے، دوسرے اسکے الہام پر عمل کرنے کے مکلّف نہیں ہیں۔ نبی کو جو وحی ہوتی ہے پوری امت اس پر عمل کرنے کی مکلّف ہوتی ہے۔

کشف کا معنی ہے کسی چیز کا کھول دینا، پردے کا ہٹا دینا تو کشف میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ الہام اور القاء میں دل میں بات القاء کر دی جاتی ہے جسے وجدان بھی کہتے ہیں۔ اہل اللہ کا وجدان یہ ہوتا ہے کہ بات اللہ کی طرف سے ان کے قلوب میں آ جاتی ہے۔

ولی اللہ کو یہ چیزیں باتباع نبوت نصیب ہوتی ہیں اگرچہ یہ خاصہ انبیاء علیہم السلام ہی کا ہے۔ جب

بھی کوئی نبی مبعوث ہوا اسے اللہ کا دین بذریعہ کشف' الہام یا القاء ہی نصیب ہوا۔ ولی اور نبی کے کشف میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ولی کا القاء' الہام' وجدان یا کشف' یہ سب نبی کے کشف' نبی کے الہام' نبی کے القاء کے تابع ہوتے ہیں۔ الہام تو ولی کو بھی ویسا ہی ہوتا ہے اور حق ہوتا ہے لیکن نبی کو جو استعداد قبولیت اور اسے سمجھنے کی جو طاقت دی جاتی ہے' وہ بے عیب ہوتی ہے۔ اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اور اللہ کا نبی اس الہام یا القاء یا بات کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کرتا جبکہ ولی اللہ اس طرح معصوم نہیں ہوتا۔ محفوظ ہوتا ہے' اللہ اپنے بندوں کی گناہ سے حفاظت فرماتا ہے لیکن معصوم ہونا اور بات ہے اور محفوظ ہونا اس سے کم تر درجہ ہے۔ لہٰذا الہام یا القاء یا کشف میں غلطی نہیں ہوتی' سمجھنے میں ولی اللہ سے غلطی ہو سکتی ہے۔ اگر حدود شرعی کے اندر کسی ولی اللہ نے کشفاً کوئی چیز دیکھی یا الہام ہوا یا القاء ہوا تو وہ حق ہے اور صاحب کشف پر اس کا اتباع ضروری ہوتا ہے۔ نبی کا کشف وحی ہوتا ہے' نبی کا الہام بھی وحی ہے' القاء بھی وحی ہے' وجدان بھی وحی ہے حتیٰ کہ اللہ کے نبی کا خواب بھی وحی الٰہی ہوتا ہے اور ساری امت اس کے ماننے کی مکلّف ہوتی ہے۔

یہ بین اور واضح فرق ہوتا ہے وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۝ ہم نے اس کو اپنی طرف سے علوم عطا کر دیئے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہمیشہ لدنی علم عطاء ہوتے ہیں۔ اللہ کا کوئی نبی بھی دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں ہوتا' کسی انسان سے علوم حاصل نہیں کرتا' کسی فرشتے کا شاگرد نہیں ہوتا' براہِ راست اللہ کریم سے علوم حاصل کرتا ہے۔

معجزات عہد کے کمالات کے مطابق ہوتے ہیں

وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوں گے اور انہیں ارشاد فرمائیں گے اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے معجزات لے کر مبعوث ہوا ہوں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا ایک پہلو یہ نظر آتا ہے کہ جو نبی جس عہد میں مبعوث ہوا' اس عہد میں جو کمالات عامۃ الناس کے پاس تھے' صاحب کمال لوگوں کا ڈنکا بجتا تھا اور لوگ ان کے پیچھے بھاگتے تھے' اس طرح کے معجزات اس نبی کو عطا فرمائے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام جب مبعوث ہوئے تو جادوگروں کا زور تھا' فرعون کے جادوگر مشہور تھے لیکن جو معجزات موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے گئے وہاں جادوگر عاجز آ گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام جب مبعوث ہوئے تو حکمت کا بہت زور تھا اور اطباء بہت عروج پر تھے۔

نبی کریم ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو بلاغت و فصاحت میں عرب اس مقام پر تھے کہ باقی دنیا کو عجم یعنی گونگوں کا جہاں کہتے تھے۔ غلام اور کنیزیں سوال و جواب میں وہ شعر کہہ دیا کرتی تھیں جو آج بھی ادب کی

زینت ہیں۔ کسی سے پانی مانگو یا کسی سے کوئی بات کہو تو وہ جواب میں شعر کہہ دیتے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک کنیز تھی۔ کوئی شخص آپ سے ملنے آیا تو حضرت آرام فرما رہے تھے۔ اس نے کہا جب بیدار ہوں تو میری حاضری لگوا دیجئے کہ عبداللہ حاضر ہوا تھا۔ اس کی ایک آنکھ میں سفیدی تھی تو اس نے عرض کی حضرت جاء غبد الله۔ غبد الله حاضر ہوا تھا۔ آپ نے حیرت سے پوچھا کہ عبداللہ ہوگا لیکن تم نے اسے غبد الله کیوں کہا۔ اس نے کہافی عینه نقطه، اس کی عین میں، آنکھ میں نقطہ تھا۔ عین پر نقطہ ڈالیں تو غین بن جاتا ہے۔ آپ ذرا ادبی ذوق دیکھیں کہ اس نے سارا تعارف صرف ایک نقطہ میں کرا دیا کہ عبداللہ جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔

عرب میں جب فصاحت و بلاغت اپنے کمال پر تھی حضور نبی کریم ﷺ نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں معانی کے جہان سمو دیئے کہ بڑے بڑے ادیب، شاعر اور فصیح و بلیغ لوگ عاجز آ گئے حتیٰ کہ قرآن نے دعوت دی کہ ادب میں تم بہت کمال پر ہو، ذرا قرآن کی طرح کا ایک جملہ تو بنا کر دکھاؤ لیکن کوئی اسے قبول نہ کر سکا۔ اسی طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں جو کمال انسانوں کو حاصل ہوتا، معجزات اس کے مقابلے میں ہوتے اور یہ نوع انسانی کو ان کی طرف متوجہ کرنے کا سبب بنتے۔

جب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت و بعثت ہوئی تو طبابت اپنے کمال پر تھی۔ آپ نے فرمایا اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانیاں، معجزات لے کر پیدا ہوا ہوں۔ طبیب بیمار کو ٹھیک کرتے ہیں لیکن اللہ نے مجھے یہ کمال دیا اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ میں تمہارے لئے مٹی سے ایک پرندے کی مشابہ شکل بناتا ہوں، مٹی کا ایک پرندہ بناتا ہوں فَاَنْفُخُ فِیْهِ پھر میں اس پر پھونک ماروں گا فَیَكُوْنُ طَیْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ تو اللہ کے حکم سے وہ پرندہ زندہ ہو جائے گا۔ یعنی بیمار کو ٹھیک کرنا، قریب المرگ کو صحت مند کر دینا تو طب کا کمال ہے لیکن مٹی کی ایک صورت بنا کر اس کو زندہ کر دینا طب کے بس میں نہیں ہے۔ آپ کا یہ معجزہ تھا جس کے سامنے طب عاجز آ گئی۔

جائز کلام ہو، مقصد جائز ہو تو اللہ کا نام لے کر درود شریف پڑھ کر پھونک مارنے اور دم کرنے کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔ کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہیں سفر پر تھے۔ راستے میں خانہ بدوش ملے جن کے ایک آدمی کو سانپ نے ڈس لیا تھا اور اس کی حالت بگڑ رہی تھی۔ ایک صحابیؓ نے اسے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کر دیا تو اللہ کی شان، وہ بھلا چنگا ہو گیا۔ انہوں نے کچھ بکریاں ہدیۃً دیں کہ ہمارا مریض ٹھیک ہو گیا ہے۔ انہیں دم کرنے کی اجازت تھی نہ یہ پتہ تھا کہ سورۂ فاتحہ سے یہ ٹھیک ہو جائے گا اور نہ یہ پتہ تھا کہ بکریاں لینا درست ہے

یا نہیں۔ وہ بکریاں لے کر سیدھے بارگاہ رسالت پناہی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان بکریوں کا لینا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ کیا دم کیا تھا۔ یا رسول اللہ ﷺ سورۂ فاتحہ پڑھ کر پھونک ماردی تھی۔ فرمایا تمہیں کس نے کہا کہ اس میں یہ قوت بھی ہے اور یہ دم بھی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ بس دل میں بات آئی۔ فرمایا تم نے ٹھیک کیا اور وہ بچ گیا۔ علاج کے لئے اگر دم کرتے ہیں تو اس پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان بکریوں میں میرا حصہ بھی رکھنا۔

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ میں تمہارے لئے مٹی سے ایک پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ فَاَنْفُخُ فِیْهِ میں اس پر پھونک ماردوں گا۔ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ میں پرندہ مٹی کی صورت میں بناؤں گا، پھونک میں ماروں گا۔ مخلوق کو پیدا کرنا اور انہیں زندگی دینا تو اللہ کا کام ہے۔ وہ اللہ کا رسول، ان پہ کروڑوں رحمتیں ہوں، فرمارہا ہے کہ میں بناؤں گا۔

اسی طرح فرمایا: وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ آنکھیں خراب ہوتی ہیں، طبیب علاج کرتے ہیں تو درست ہوجاتی ہیں لیکن کوئی پیدائشی طور پر اندھا پیدا ہوتا ہے، میں اس کو بھی بینا کردیتا ہوں۔ وَالْاَبْرَصَ برص ایک جلدی مرض ہوتا ہے، کھال سفید ہونے لگ جاتی ہے جسے پھلبہری بھی کہتے ہیں۔ بعض اس کا ترجمہ کوڑھ کرتے ہیں۔ جزام کو بھی برص کہتے ہیں۔ یہ دونوں امراض جزام یا کوڑھ لاعلاج ہیں اور پھلبہری اگرچہ نقصان دہ نہیں ہے لیکن لاعلاج ضرور ہے۔ جلد خراب ہوجاتی ہے اور گرمی سردی بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ فرمایا میں اس کو بھی ٹھیک کردیتا ہوں حتیٰ کہ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ میں تو اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کردیتا ہوں۔ طبیب زندہ کا علاج کرے گا لیکن مردے کو زندہ تو نہیں کرسکتا۔

علامہ دمیری کی ایک کتاب حیات الحیوان ہے۔ اس میں علامہ دمیری بڑا عجیب واقعہ نقل فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص قبیلے کا سردار تھا۔ اس کی ایک چچازاد بہن بہت حسین اور خوبصورت تھی۔ بچپن سے اکٹھے کھیلے تو اس سے بہت پیار ہوگیا۔ اس نے چچا کی منت سماجت کر کے اس سے شادی کرلی اور بڑا خوش تھا لیکن تھوڑے ہی عرصے میں وہ فوت ہوگئی۔ اب اس کی دنیا تاریک ہوگئی۔ ہر وقت اس کی قبر سے لپٹا روتا رہتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ہوا تو وہ اس قبرستان میں گھوم رہا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا پریشان کیوں ہو تو اس نے سارا ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے قبر دکھاؤ میں اللہ کے حکم سے زندہ کردیتا ہوں۔ وہ پریشانی میں کسی اور قبر پر لے گیا تو آپ نے فرمایا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰه۔ اللہ کے حکم سے زندہ ہوکر کھڑا ہوجا تو قبر میں سے ایک حبشی غلام نکلا جس کے منہ اور ناک سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے اور آنکھیں پتھرائی ہوئی

تھیں۔ جیسے ہی باہر نکلا تو اس نے کہا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ عِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ۔ اس نے اسلام قبول کرلیا تو وہ آگ سرد ہوگئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو غلام ہے۔ کہنے لگا گھبراہٹ میں میں بھول گیا ہوں، وہ ساتھ والی قبر ہے۔ آپ نے اس غلام سے کہا چلے جاؤ جہاں سے آئے ہو تو وہ واپس قبر میں داخل ہوگیا۔ اب دوسری قبر پہ آپ نے حکم دیا قُمْ بِـاِذْنِ اللّٰـهِ اللہ کے حکم سے جی اٹھو تو وہ لڑکی جی اٹھی۔ بہت خوش ہوا اور وہ آپس میں مل گئے۔ عیسی علیہ السلام اپنے راستے تشریف لے گئے۔ کچھ دن ہی گزرے تو کوئی اور تاجر جو خوبصورت، جوان اور قبیلے کا سردار بھی تھا، وہاں سے گزرا۔ وہ لڑکی پر فریفتہ ہوگیا اور لڑکی بھی اس پر فریفتہ ہو گئی۔ اس نے اسے ساتھ لیا اور چلا گیا۔ جب یہ واپس گھر پہنچا تو لوگوں نے بتایا کہ اس کی بیوی فلاں تاجر کے ساتھ چلی گئی ہے تو اس نے ان کے پیچھے گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے کسی منزل پہ ان کو جا پکڑا۔ اسے کہا تم میری بیوی لئے جا رہے ہو تو اس نے کہا یہ تمہاری بیوی نہیں یہ تو میری کنیز ہے۔ اس نے بیوی سے بات کی تو اس نے کہا، میں تمہیں نہیں جانتی، میں تو اس کی کنیز ہوں۔

علامہ دمیری لکھتے ہیں: یہ جھگڑا چل رہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں سے گزرے۔ اس نے عرض کی اللہ کے نبی! یہ وہ خاتون ہے جو آپ کی دعا سے زندہ ہوئی، اب یہ میرے ساتھ بے وفائی کر رہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تو وہی خاتون نہیں ہے جو میری دعا سے قبر سے زندہ ہوئی۔ اس نے کہا، اللہ کے نبی آپ بھول رہے ہیں، میں اس شخص کی کنیز ہوں۔ جب اس نے اللہ کے نبی کی بات کا انکار کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو میری دعا سے تمہیں ملا ہے، وہ واپس کر دو اور اگر تم اس کی کنیز ہو تو اس کے ساتھ جاؤ۔ جب آپ نے یہ دعا فرمائی تو اس پر موت وارد ہوگئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کارگہ حیات میں جو معجزات ظاہر ہوتے ہیں اور قدرت باری اور عنایات باری کا جو ظہور ہوتا ہے وہ دیکھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے۔ وہ غلام کافر مرا تھا، اسے دوبارہ حیات ملی تو ایمان نصیب ہوگیا اور مومن مرا۔ یہ مومن مری تھی، دوبارہ حیات نصیب ہوئی تو یہ کافر ہوگئی اور کفر پہ مری۔ جسے عبرت حاصل کرنا ہو، عظمت الٰہی اور اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرنا ہو تو اس واقعہ کو دیکھے۔ یہ آپ کے معجزات میں سے تھا کہ میں مردے کو اللہ کے حکم سے زندہ کر دیتا ہوں۔ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ طبیب نبض پر ہاتھ رکھ کر یہ بتاتا ہے کہ تم نے بادی چیز کھالی، تم نے گرم چیز کھالی۔ طبیب چیزوں کے نام بھی لے دیتے ہیں کہ تو نے کھیرا کھایا ہوگا، تم نے آج کدو کا سالن کھایا، تم نے چنے کی دال کھائی۔ یہ نبض چنے کی دال کا نام لیتی ہے نہ کھیرے کا نام لیتی ہے لیکن وہ نبض

سے علامات دیکھتے ہیں اور پھر موسم اور حالات کے مطابق دیکھتے ہیں کہ آج کل کیا کھایا جا رہا ہے۔ یہ گرمی یا بادی یا خشکی یا تری اس غذا سے ہو سکتی ہے اور وہ پکڑ لیتے ہیں کہ تم نے یہ چیز کھائی۔

یہاں تک تو اطباء کا کمال ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نبض دیکھ کر نہیں بتاؤں گا بلکہ تمہیں دیکھ کر یہ بتا دوں گا کہ تم نے کیا کھایا اور یہ بھی بتاؤں گا کہ تمہارے گھر میں کیا باقی رکھا ہے۔ طبیب نبض دیکھ کر یہ تو نہیں بتا سکتا کہ تمہارے گھر میں کیا رکھا ہے۔ فرمایا میں اللہ کے حکم سے بتاتا ہوں، اللہ کے دیئے ہوئے علم سے بتاتا ہوں۔ میں نہ صرف یہ بتاؤں گا کہ تم نے کیا کھایا وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ میں یہ بھی بتاؤں گا کہ تم نے گھر میں کیا رکھا ہے؟ کیا چھوڑ کر آئے ہو۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اور یہ ساری نشانیاں عظمت الٰہی کی ہیں۔

فرمایا: وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو حقائق مجھ سے پہلے آسمانی کتابوں نے بیان فرمائے ہیں، جو خبر مجھ سے پہلے آسمانی کتابوں نے دی ہے، میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میرے سارے معجزات، سارے کمالات نبوت اور برکات نبوت عظمت الٰہی، توحید، اس کی ذات، اس کی صفات اور آخرت کی طرف بلاتی ہیں اور تمام انبیاء کی تعلیمات بھی اسی طرف بلاتی ہیں اور میں ان تعلیمات کی تصدیق کرتا ہوں۔

اللہ نے تم پر بعض احکام تمہارے گناہوں، کوتاہیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے نافذ کر دیئے تھے اور بعض اچھی چیزیں تم پر حرام کر دی تھیں۔ بعض جانوروں کی پیٹھ کا گوشت تمہارے لئے حلال ہے، باقی سارا بدن حرام ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ ایک امتحان تھا کہ کوئی ایک پورا بکرا یا دنبہ ذبح کرتا ہے تو دو اڑھائی کلو گوشت، جو پیٹھ پر ہے، کھا سکتا ہے لیکن باقی سارا ضائع کرنا پڑ گیا۔ ان پر اس طرح کی پابندیاں تھیں تو فرمایا: وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ اللہ نے تم پر اس طرح کی جو چیزیں تمہاری کوتاہیوں اور لغزشوں کی وجہ سے بطور سزا حرام کر دی تھیں، وہ چیزیں میں تم پر اللہ کے حکم سے حلال کرتا ہوں یعنی تمہیں ان مصیبتوں سے نجات دلاتا ہوں۔

وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ اور میں اللہ کی طرف سے بے شمار نشانیاں لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اللہ سے تعلق پیدا کرو، اللہ سے عشق پیدا کرو، اللہ سے محبت اور تقویٰ پیدا کرو۔ تقویٰ کا مطلب ڈر لکھ دیتے ہیں لیکن تقویٰ وہ ڈر ہے جو تعلق میں دراڑ آنے کا ڈر ہو۔ چور، ڈاکو کا ایک ڈر ہے، قتل ہونے کا ایک ڈر ہے، درندے کا ڈر ہے، سانپ کا ڈر ہے، بہت سے ڈر ہیں۔ انسان بہت سی چیزوں سے ڈرتا ہے لیکن ایک ڈر یہ ہوتا ہے کہ کسی کے ساتھ انتہائی قریبی رشتہ ہو، تعلق ہو اور کوئی ایسا کام نہ ہو جائے کہ اس

رشتے میں دراڑ آ جائے، وہ بندہ ہم سے ناراض ہو جائے۔ یہ تعلق جب اللہ کریم سے بن جائے اور بندے کا اللہ سے ایسا تعلق ہو کہ نافرمانی کرتے ہوئے ڈر لگے کہ اگر یہ گناہ ہو گیا تو رب جلیل کے ساتھ جو میرا تعلق ہے وہ خطرے کی زد میں ہوگا، اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ فرمایا اللہ سے عشق کرو، اللہ سے تعلق قائم کرو، اللہ سے اپنا رابطہ قائم کرو اور یہ کیسے ہوگا؟ وَاَطِيْعُوْنِ○ میرا حکم مانو، میری اطاعت کرو، میری فرمانبرداری کرو۔

اسلام کیا ہے؟ اطاعت پیغمبر کا نام اسلام ہے صرف کہہ دینے کا نام اسلام نہیں۔ کلمہ پڑھنے سے بندہ مسلمان شمار ہو جاتا ہے لیکن کردار اس کی گواہی دیتا ہے فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ○ اللہ سے جو تعلق ہے، وہ اطاعت پیغمبر سے قائم رہتا ہے۔ جتنی نبی کریم ﷺ کی اطاعت ہوگی، جتنی اللہ کے رسول کی اطاعت ہوگی، وہ تعلق اتنا مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے گا۔ جتنی اطاعت میں کمی آ جائے گی وہ تعلق کمزور ہوتا جائے گا حتیٰ کہ وہ تعلق ٹوٹ بھی جاتا ہے اور جب ٹوٹتا ہے تو بندہ مسلمان نہیں رہتا۔

ہمارے ہاں ایک اصطلاح رواج پا گئی ہے کہ ہم ‘اسلام پسند’ ہیں ‘اسلام پسندوں’ نے یہ کیا ‘اسلام پسندوں’ نے وہ کیا۔ اس اصطلاح کا مفہوم کم از کم میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اسلام پسندی یا اسلام ناپسندی، دو ہی راستے ہیں۔ جسے اسلام پسند نہیں وہ اسلام قبول نہ کرے، بات ختم ہو گئی اسلام میں زبردستی تو نہیں کہ کسی پہ زبردستی اسلام ٹھونسا جائے۔ لہٰذا دو ہی گروہ ہیں، مسلم ہیں یا کافر، جو اسلام کو قبول کرتا ہے وہ پسند کیسے نہیں کرتا اور کوئی پسند نہیں کرتا تو قبول کیوں کرتا ہے؟ یہ فلسفہ عجیب ہے کہ مسلمان بھی ہے اور اسلام پسند نہیں ہے یعنی اسلام کو ناپسند کرتا ہے! جو چاہے نظریہ اور عقیدہ اپنائے لیکن وہ عقیدہ نہیں رہتا جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا، جو حضور ﷺ چاہتے ہیں وہ نہیں رہتا۔ پھر کسی اور کو نبی مان لے یا کسی اور عقیدے میں چلا جائے۔ یعنی یہاں اسلام پسندی یا ناپسندی کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام پسند اور ناپسند دو طبقے نہیں ہیں۔ اسلام میں پسند نہیں ہے۔ اسلام پر جان دینے والا طبقہ مسلمان ہے۔ وہ اسلام پر سب کچھ قربان کر سکتا ہے۔ اسلام ہی اس کی منزل ہے، اسلام ہی اس کا مقصد ہے، اسلام ہی اس کی زندگی ہے اور جسے پسند نہیں وہ اسلام قبول نہ کرے۔

معجزہ، کرامت اور استدراج

معجزہ اور کرامت عظمت الٰہی کے لئے ہوتا ہے اور شعبدہ اور استدراج اپنی ذات منوانے کے لئے ہوتا ہے یعنی معجزات اور شعبدے میں، کرامت اور استدراج میں یہ فرق ہے۔ کوئی عجیب بات جو عقل و سمجھ سے باہر ہو اور اس کا تعلق دین سے نہ ہو، اسے استدراج کہتے ہیں جیسے ہندو جوگیوں سے اور شعبدہ بازوں سے محیر العقول شعبدے صادر ہوتے ہیں۔ کرامت یا معجزہ دین کی سربلندی کے لئے، دین کے اثبات کے لئے ہوتا ہے

اور دوسرے کمالات کسی فرد کے ذاتی مفاد کے لئے ہوتے ہیں۔ جہاں معاملہ دین کا نہ ہو اور پیسے بٹورنے کا ہو یا اپنی دھونس جمانے کا ہو، وہاں کوئی عجائبات ظاہر ہوں تو جادو سے، شعبدے سے ہو سکتے ہیں لیکن وہ استدراج ہو گا۔ جہاں خالص للّٰہیت ہو، محض اللہ کے لئے، اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اور کسی کو گمراہی سے بچا کر ہدایت پر لانے کے لئے کسی سے کوئی عجیب بات ظاہر ہو تو ولی سے کرامت ہوگی اور نبی سے معجزہ ہوگا۔

معجزے اور کرامت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ کی عظمت کا قائل ہو اور اللہ کی عبادت کرے۔ اس لئے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تم سب کا بھی رب ہے۔ انبیاء کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات کا مقصد اس آیہ کریمہ نے واضح کر دیا کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۝ کہ قرآن کریم نے جتنے معجزات گنوائے ہیں، مردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد اندھوں کو بینا کرنا، جزام اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرنا، یہ سارے اس لئے تھے کہ عظمت باری کا اظہار ہو اور لوگ اللہ جل شانہ کی عظمت کا اقرار کریں، ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں۔ ایمان وتقویٰ کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ کے نبی کا اتباع اور اطاعت کی جائے اور یہ اطاعت نہ صرف ظاہراً کی جائے بلکہ خلوص قلب سے کی جائے، عمل نبی کے حکم کے مطابق ہو اور خلوص دل کے ساتھ کیا جائے۔

ربوبیت

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ اس کی وجہ یہ ہے کہ یقیناً اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تم سب کا رب بھی ہے۔ ربوبیت اللہ جل شانہ کی صفت ہے۔ رب صفاتی نام ہے اور ربوبیت اتنی بڑی اور اتنی وسیع صفت ہے جس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ الفاظ میں نہیں سما سکتی۔ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت، ہر وقت، ہر جگہ، ہر حال میں پوری کرنا ربوبیت کی ہی شان ہے۔ اب ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بنیادی شرط ہے کہ پورا کرنے والے کو ہر ضرورت کا علم ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پورا کرنے پر قادر ہو، اس کے پاس دینے کے لئے وہ سب کچھ ہو جو اس ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرے۔ اسے کسی سے پوچھنے یا مشورہ کرنے کی، اجازت لینے کی یا مدد کی ضرورت نہ ہو۔ یہ ربوبیت باری ہے کہ وہ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت، ہر آن، ہر حال میں، ہر جگہ پوری کر رہا ہے اور کسی کے بتائے بغیر، ہر وجود کے حال سے ذاتی طور پر واقف ہے، ہر فرد کی ضرورت سے ذاتی طور پر واقف ہے، ہر فرد کی ضرورت ذاتی طور پر پوری کر رہا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یقیناً اللہ ہی میرا رب ہے، وَرَبُّكُمْ اور تم سب کا رب بھی وہی ہے، تم سب کی ضرورتیں بھی وہی پوری کر رہا ہے۔ اس لئے فَاعْبُدُوْهُ ؕ اس کی عبادت کرو۔ علماء حق

فرماتے ہیں کہ عبادات جتنی بھی کی جائیں اور جتنی بھی اطاعت الٰہی کی جائے، وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کا حق ادا نہیں کرتی۔ یاد رکھیں! ہم عبادت سے صرف نماز، روزہ مراد لیتے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں ہر کام یا عبادت ہے یا نافرمانی ہے۔

دین اور مذہب

اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو چھوٹی سی چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سے بڑی بات تک ایک نظام دیتا ہے، اس کا طریقہ کار ارشاد فرماتا ہے اور ایک مکمل دین ہے۔ دین اور مذہب میں فرق ہوتا ہے۔ مذہب وہ ہے جسے آج کے زمانے میں کلچر کہتے ہیں۔ مذہب سے مراد چلنے کا راستہ، لوگ رہنے سہنے کی جو روش اور طریقہ اپنا لیتے ہیں، اور اپنے جن طریقوں سے زندگی گزار رہے ہیں، انہیں ثواب اور اللہ کی رضامندی کا باعث سمجھ لیں تو وہی تہذیب اور وہی کلچر مذہب بن جاتا ہے۔

ہر قوم راست را ہیست
دینے و قبلہ گاہیست

ہر قوم کی اپنی راہ، اپنا مذہب اور اپنی قبلہ گاہ ہے۔ مذاہب بے شمار ہیں لیکن دین ایک ہے۔ دین وہ ہے جس میں زندگی کے سارے رویے اللہ کی پسند کے مطابق ڈھل جائیں۔ اس کے لئے کوئی ایسا لائحہ عمل، کوئی ایسی کتاب، کوئی ایسی تحریک ضروری ہے جو اللہ کی طرف سے ہو۔ جو مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰہِ ہو۔ جو آسمانی ہو اور جو انسان کے چھوٹے سے چھوٹے رویے سے لے کر زندگی کے بڑے سے بڑے فیصلے تک راہنمائی کرے۔ وہ بندے کو کہاں سے ملے گی۔ کوئی ایسا بندہ ہو جو اللہ کریم سے وہ کتاب حاصل کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، اللہ سے بات کرنے سننے کی اہلیت رکھتا ہو یعنی اللہ کا نبی اور رسول ہو۔ جب اللہ کا نبی مبعوث ہو اور اللہ سے وہ کتاب لائے تو اس کے مطابق نظریہ رکھنا، عقیدہ رکھنا اور اس کے مطابق زندگی کے سارے اعمال کرنا دین کہلاتا ہے۔

مغرب میں پہلے تو یہ تھا کہ ہر شے کلیسا کے ہاتھ میں تھی حتیٰ کہ حکومت بھی دراصل کلیسا کی ہوتی تھی۔ کلیسا والے جسے چاہتے بادشاہ بنا دیتے اور جسے چاہتے ہٹا دیتے۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ بادشاہوں نے کلیسا سے جان چھڑائی اور کلیسا کو مذہبی امور تک محدود کر دیا۔ پوپ کو مذہبی امور تک پابند کر دیا اور جو سیاسیات اور حکومت کے کام تھے وہ بادشاہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ تب سے اب تک مغرب میں یہ روش چلی آ رہی ہے کہ مذہب ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے، جو چاہے رکھے جو چاہے کرے لیکن سیاسیات میں ہر شخص کو حکومت کے بنائے ہوئے اصول، قوانین اور ضابطوں کی پابندی کرنا ہوگی۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ دین کے معاملے

میں تو ہر شخص آزاد ہے، جو قانون اللہ بنائے، جو چاہے اس کی تشریح کر لے اور اس کے مطابق عمل کرے، عمل نہ بھی کرے تو اس میں کوئی مداخلت نہ کرے لیکن جو قانون بندے بنائیں، جو قانون ملک کی اسمبلی بنائے یا جو قانون ملک کی حکومت بنائے، ہر شہری اس کی پابندی ضرور کرے۔ کیا عجیب فلسفہ ہے! یہ کہاں کی دانشوری ہے کہ بندوں کو اللہ سے زیادہ اہمیت دی جائے! یہ بیماری اب یہاں بھی پھوٹ رہی ہے۔ ڈنکے کی چوٹ کہا جاتا ہے کہ مذہب کو الگ رکھیں اور سیاست کو الگ رکھیں تو پھر توازن قائم رہ سکتا ہے۔ مذہب کو سیاست سے الگ کر دیں تو مذہب کے پاس باقی کیا رہ جائے گا۔

نبی الفاظ کے ساتھ جذبے بھی عطا کرتا ہے

انسان کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کر سکتے۔ صرف ایک مجبوری ہوتی ہے کہ قانون کا کوئی رکھوالا یا کوئی آدمی شکائت کر دے۔ کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو جو جی چاہے کرو۔ اس کے برعکس دین ظاہری چوکیداری نہیں کرتا بلکہ بندے کے اندر عمل اور اطاعت کا ایک جذبہ پیدا کرتا ہے، ایک قوت ایمانی پیدا کرتا ہے۔ نبی میں اور سیاسی لیڈروں میں یہی فرق ہوتا ہے۔ دنیا میں بڑے عظیم لیڈر ہوئے ہیں جنہوں نے اس عہد کی تاریخ کو بدل دیا، جغرافیے کو بدل دیا اور سلطنتوں کی حدود تبدیل کر دیں اور بے شمار بڑے بڑے کام کئے لیکن سیاسی لیڈروں، حکمرانوں اور بادشاہوں کے کام صرف ان کی قوت سے ہوتے ہیں، لوگ مجبور ہو کر وہ کام کرتے ہیں لیکن جب وہ انسان گزر جاتا ہے تو وہی لوگ جو اس کے بڑے پیروکار کہلاتے تھے اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

آج چین میں سرعام ماؤزے تنگ پر تنقید کی جاتی ہے لیکن یہ وہی ماؤزے تنگ ہے جو چین کے عظیم انقلاب کا بانی ہے۔ یہ لوگ جب گزر جاتے ہیں تو ان کی وہ حیثیت نہیں رہتی، اس لئے کہ لوگوں کے دل ان کے ساتھ نہیں ہوتے۔ لوگ ان کی طاقت کے سامنے مجبور ہو کر صرف جسمانی طور پر ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

نبی اللہ کا وہ بندہ ہوتا ہے جو صرف تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس پر عمل کرنے کا جذبہ بھی عطا کرتا ہے۔ وہ کسی پر جبر نہیں کرتا، کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ نبی جو ایک ایک لفظ ارشاد فرماتا ہے اور جو اس کو قبول کرتا ہے، اس کے ساتھ اسے وہ جذبہ بھی نصیب ہو جاتا ہے جو اس پر عمل کی توفیق ارزاں کر دیتا ہے۔ اگر اللہ کا نبی قربانی اور جہاد کی بات کرتا ہے اور بندۂ مومن جب نبی سے یہ بات سنتا ہے تو اس کے اندر قربان ہونے کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جب نبی اللہ کی اطاعت کی بات کرتا ہے اور اللہ کا وہ بندہ جو نبی پر ایمان لا کر، اسے نبی مان کر اس سے اللہ کی اطاعت اور عبادت کی بات سنتا ہے تو اس کے اندر وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، وہ جذبہ پیدا ہو جاتا

ہے کہ اس کا عبادت کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ کوئی روکنا چاہے تو بھی نہیں رکتا۔ اس کے اندر وہ جذبہ آجاتا ہے کہ بارش، طوفان، گرمی، سردی، بیماری، مرض کوئی چیز اسے اللہ کی عبادت سے نہیں روک سکتی۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عبادت ادھاری مزدوری ہے، یہ ادھاری نہیں، یہ وہ مزدوری ہے جس کی اجرت ہر فرد پیشگی لے چکا ہے۔ رَبُّكُمْ وہ تمہارا رب ہے، تمہارا خالق ہے، تمہیں عدم سے وجود میں لایا اور تمہیں اتنی نعمتیں دیں جو تم خود بھی نہیں جانتے۔ اس نے تمہارے وجود میں اتنی نعمتیں رکھی ہیں کہ جن کی عظمت سے تم آشنا ہی نہیں ہو۔ ایک دانت میں جب درد ہوتا ہے یا ایک دانت اکھڑ جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کتنی بڑی نعمت تھی جسے ہم نے ساٹھ ستر برس استعمال کیا۔ نظر نہیں رہتی تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کتنی بڑی نعمت تھی جسے ہم نے ایک عمر استعمال کیا۔

اللہ کی نعمتوں پر ادائیگی شکر ممکن ہی نہیں

ایک روایت ملتی ہے کہ جبرائیل امینؑ نے بارگاہ رسالت پناہی ﷺ میں عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ میں نے بنی اسرائیل میں ایک شخص کو دیکھا جو آبادی چھوڑ کر سمندر میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر اللہ اللہ کرنے کے لئے چلا گیا۔ وہ چار سو سال زندہ رہا اور اللہ کی عبادت اور ذکر اذکار کے بغیر اس نے کچھ نہیں کیا۔ جب موت کا وقت آیا تو اللہ کریم نے اسے اتنی عزت بخشی کہ ملک الموت کو حکم دیا کہ اس بندے سے پوچھ لینا وہ کس حال میں مرنا چاہتا ہے۔ ملک الموت نے پوچھا تو اس نے عرض کیا: بارِ الٰہا میں دوگانہ کی نیت کرتا ہوں اور جب میں سجدے میں جاؤں اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھ رہا ہوں تو میری روح قبض کر لے۔ جب قیامت قائم ہو اور میں اٹھوں تو سجدے میں ہوں اور 'سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی' کہہ رہا ہوں۔ جبرائیل امین نے عرض کی یا رسول اللہ! اسے فوت ہوئے صدیاں بیت گئی ہیں لیکن اس کا وجود آج بھی اس جزیرے میں اسی طرح محفوظ سربسجود ہے۔ اور قیامت کو اسی حال میں اٹھے گا۔ اللہ کریم آپ کو یہ حیرت انگیز بات بتانا چاہتے ہیں کہ یہ بندہ جب میدان حشر میں پیش ہوگا تو ارشاد فرمایا جائے گا کہ میرے اس بندے کو میری رحمت سے جنت میں لے جاؤ۔ وہ عرض کرے گا: الٰہی! تیری رحمت تو بے شک ہے لیکن تو نے مجھے چار صدیاں زندگی دی، اور چار سو سال بغیر تیرا نام لینے کے میں نے دوسرا لفظ زبان سے نہیں نکالا، بغیر تیری ذات کے کسی فرد کو نہیں دیکھا، میری اس چار سو سالہ عبادت کا بھی تو کوئی اجر ہوگا۔ فرمایا: یہ عدل کا دن ہے اور کسی کا کوئی مطالبہ رد نہیں۔ میں تیرے ساتھ رعایت برت رہا تھا لیکن تو حساب کر لے۔ ارشاد ہوگا میری نعمتوں کو ایک پلڑے میں رکھو اور دوسرے پلڑے میں اس کی چار سو سالہ عبادت کو رکھ دو۔ چار سو سال اس نے جو صرف نظر کی نعمت استعمال کی، ان آنکھوں کو ایک پلڑے میں

رکھ دیں گے اور دوسرے میں چار سو سالہ عبادت رکھی جائے گی تو وہ کم پڑ جائے گی۔ ارشاد باری ہوگا کہ تم نے تو ایک آنکھ کی قیمت بھی نہیں چکائی اور تمہارے پاس تو بے شمار نعمتیں ہیں، جو ابھی باقی ہیں۔ تیرا میرا حساب بہت لمبا ہے اور تجھے سزا بھگتنے میں بڑا عرصہ لگے گا کہ تو نے اظہار تشکر میں کمی کی اور نعمتوں کی قیمت ادا نہیں کی۔ حکم ہوگا یہ انصاف کا طالب ہے، اسے اتنا عرصہ جہنم بھیج دو۔ وہ کہے گا، بارالٰہا مجھ سے غلطی ہوگئی، مجھے تیری رحمت درکار ہے، میری عبادت کی کوئی حیثیت نہیں، مجھے معاف فرما۔ حکم ہوگا کہ آج دونوں راستے تیرے لئے کھلے ہیں۔ عدل چاہتا ہے تو جہنم میں چلا جا، رحم چاہتا ہے تو جنت میں چلا جا۔

نعمتوں کے مقابلے میں جو اس نے ہمیں عطا کیں اللہ کی جتنی اطاعت کی جائے وہ کم ہے یہاں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیۡ اللہ میرا بھی رب ہے وَرَبُّكُمۡ تم سب کا بھی رب ہے۔ تم پر اللہ کے کتنے احسانات ہیں فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ خلوص دل کے ساتھ اس کی عبادت کرو۔ زندگی کے ہر کام میں اطاعت کا نام عبادت ہے۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ○ زندگی کا یہ سیدھا راستہ ہے ہم روزانہ نماز کی ہر رکعت میں دعا کرتے ہیں اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ سیدھا راستہ یہ ہے کہ زندگی کا ہر عمل اطاعت الٰہی میں ڈھل جائے، ہماری سوچیں اللہ کی اطاعت میں ڈھل جائیں، ہمارا دل اور ہماری زبان اللہ کے نام سے تر رہے۔ ہمارا کردار حضور ﷺ کی اطاعت میں ڈھل جائے تو یہ صراط مستقیم ہے۔ اس میں سستی ہو جاتی ہے، اللہ کی یاد بھول جاتی ہے تو فرمایا: وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيۡتَ دنیا کے کسی کام نے، کسی پریشانی نے ذکر بھلا دیا ہے تو جیسے خیال آتا ہے پھر شروع ہو جاؤ، اللہ کمی پوری کر دے گا لیکن چھوڑو نہیں۔ اسی طرح خطا ہو جائے تو توبہ کرو، کمی رہ جاتی ہے تو توبہ کرو۔

اللہ کی بے نیازی کا حقیقی مفہوم

ہمیں جن عبادات پہ ناز اور فخر ہوتا ہے، وہ ہمارے حساب سے بڑی ہیں لیکن جب انہیں بارگاہ الوہیت میں پیش کیا جائے تو عظمت الٰہی کہاں اور میرے اور آپ کے سجدے کہاں جن میں نہ خشوع ہے نہ خضوع ہے نہ خلوص ہے۔ رٹی رٹائی عبادتیں ہیں۔ اللہ کی کتنی مخلوق ہے جو باقاعدہ نماز پڑھتی ہے لیکن جب ان سے پوچھو کہ سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی کا مطلب اور معنی کیا ہے تو کہتے ہیں کوئی پتہ نہیں۔ زندگی بھر مسلمانی کے دعویٰ کے ساتھ گزار دیتے ہیں لیکن دو جملے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ نہیں آتا۔ جب مفہوم کا پتہ ہی نہیں تو اس پہ یقین کیا ہوگا۔ ہماری بے عملی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمیں پتہ ہی نہیں کہ ہم اللہ سے بات کیا کر رہے ہیں، ہم بارگاہ الوہیت میں عرض کیا کر رہے ہیں، ہمیں چاہیے کیا اور وہ ہمیں دے کیا رہا ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہر فرد کو چاہیے کہ کم از کم کلمے کا، نماز کا کچھ تو مطلب یاد کر لے۔ کچھ تو جانے میں اللہ

کی بارگاہ میں، ہر رکعت میں یہ سوال کرتا ہوں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ فرمایا: اللہ تمہارا رب ہے، پالن ہار ہے، مالک ہے۔ خلوص دل کے ساتھ اس کی اطاعت اور عبادت کرو۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ یہ ہے صراط مستقیم جو تم مانگتے ہو۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ
الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝٥٢ رَبَّنَآ
اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝٥٣ وَمَكَرُوْا
وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝٥٤ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ ع ۵ ۱۳ ۱۳
وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ
فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ
فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝٥٥ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝٥٦ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥٧
ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝٥٨

پھر جب عیسیٰؑ نے معلوم کیا ان سے کفر (تو) کہا کون ہے اللہ کی طرف میری مدد کرنے والا؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی طرف مدد کرنے والے ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، اور گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل کیا اور ہم نے رسولؐ کی پیروی کی، سو تو ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دے۔ اور انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ (سب) تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔ جب اللہ نے

کہا اے عیسیٰؑ! میں تجھے قبضے کرلوں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا اور تجھے ان لوگوں سے پاک کر دوں گا جنہوں نے کفر کیا' اور جنہوں نے تیری پیروی کی انہیں ان کے اوپر قیامت کے دن تک (غالب) رکھوں گا جنہوں نے کفر کیا۔ پھر تمہیں میری طرف لوٹ کر آنا ہے' پھر میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔ پس جن لوگوں نے کفر کیا' سوانہیں دنیا و آخرت میں سخت عذاب ہوگا' اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے' اور انہوں نے نیک کام کئے تو (اللہ) ان کے اجر انہیں پورے دے گا' اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا' ہم آپ ﷺ پر یہ آیتیں اور حکمت والی نصیحت پڑھتے ہیں۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

یہ ساری تعلیم فرمانے کے بعد بھی عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ ان کی قوم میں سے کفر نہیں جا رہا۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ بے شمار معجزات دکھانے کے بعد' عظمت الٰہی بیان کرنے کے بعد' اللہ کی کتاب سنانے کے بعد اللہ کے لئے' اللہ کی راہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تعاون کرنا تو کجا' سارے لوگ ہی اللہ کی نافرمانی پہ تل گئے۔ اتنے سارے دلائل اور معجزات دیکھنے کے بعد بھی توبہ کا ارادہ نہیں کیا اور اپنے کفر پر جمے' تو کیا کوئی ایسا بھی ہے جو ساتھ دے!

حواریین اور اناجیل

چند لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے جنہیں حواریین کہتے تھے۔ حواریین سے مراد ہے ساتھی' ہر وقت ساتھ رہنے والے لوگ۔ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ ان لوگوں نے کہا کہ ہم اللہ کی راہ میں آپ کا ساتھ دیں گے۔ آج عیسائیوں کے پاس جو اناجیل مختلف ناموں سے موسوم ہیں ان میں وہ انجیل کوئی بھی نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں دی تھی۔ یہ اس لئے مختلف ہیں کہ ان حواریوں نے مختلف ناموں سے جو زبانی روایات سنائیں کہ عیسیٰ علیہ السلام یہ فرماتے تھے' وہ لکھی گئیں اور ان حواریوں کے نام سے مختلف اناجیل بن

گئیں۔ اس لئے مختلف ناموں سے متعدد اناجیل ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ: نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ دین میں' اللہ کی راہ میں' اللہ کے راستے میں ہم آپ کے ساتھی ہیں۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ اس لئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ اور آپ بھی اے اللہ کے نبی اس بات کے گواہ رہیے' آپ ہماری شہادت دیجئے کہ ہم ماننے والوں میں سے ہیں۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ہم نے اللہ کی عظمت' آپ کی نبوت اور آپ کے ارشادات تسلیم کئے۔ اے اللہ! تو ہمیں مومنین کاملین کی فہرست میں شامل کر لے۔

روز محشر شہادت رسول اللہ ﷺ ہی کام آئے گی

حواریین نے تو یہ عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! ہمارے ایمان پہ' ہماری مسلمانی پہ آپ گواہ رہے لیکن یہ یاد رہے کہ قیامت کو اسلام اسی کا قبول ہوگا جس پر رسول اللہ ﷺ گواہی دیں گے کہ اے اللہ! یہ واقعی مسلمان ہے اور اس نے میری اطاعت کی۔ میدان حشر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے اور ان کی امتیں ہوں گی۔ بے شمار لوگ جو زندگی بھر کفر کرتے رہے' وہ کہہ دیں گے یا اللہ ہمیں تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔ یہ حال اور یہ واقعات جو سامنے آ رہے ہیں' اگر ہمیں بروقت ان سے مطلع کیا جاتا تو ہم کیوں غلط راستہ پر چلتے' باپ دادے کی پیروی کرتے اور رسومات میں جکڑے رہتے۔ انبیاء سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے' اللہ کریم تو بہتر جانتا ہے' تو نے ہمیں مبعوث فرمایا' جو تو نے ارشاد فرمایا' من وعن ہم نے ان تک پہنچایا۔

اللہ کریم فرمائیں گے میں تو جانتا ہوں' اس پر کوئی شہادت ہے' کوئی گواہی ہے! اس وقت امت محمدیہ کو یہ اعزاز ہوگا کہ وہ انبیاء کی تعلیمات کی گواہی دے گی۔ کہ اے اللہ! تیرے تمام نبیوں نے تیرے تمام رسولوں' نے تیرے سارے احکام پورے اور مکمل پہنچا دیئے اور ان پر عمل کر کے دکھایا۔ یہ بد بخت تھے' ان لوگوں نے مانا نہیں۔ ان پر تو گواہی ہو گئی لیکن تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تم کیسے جانتے ہو؟ تم نے ان کا زمانہ پایا نہ انہیں دیکھا۔ اللہ! ہم پر تیرا نبی مبعوث ہوا' محمد رسول اللہ ﷺ۔ وہ تیری کتاب قرآن کریم لایا۔ ہمیں تیرے نبی ﷺ نے بتایا اور تیری کتاب نے بھی بتایا کہ تیرے تمام انبیاء نے پورے خلوص کے ساتھ' پوری دیانت کے ساتھ تیری امانت ان بندوں تک پہنچائی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوگا تم محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی ہونے کے مدعی ہو تو تمہاری شہادت درست ہے لیکن کیا ضرورت اس بات کی ہے محمد رسول اللہ ﷺ بھی تمہیں امتی مانتے ہیں! تم تو پہلی امتوں پر گواہی دو گے لیکن وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ محمد رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہوں کہ یا اللہ واقعی یہ میرا امتی ہے' تب بات بنے گی۔ یہی بات یہ انصاری کہتے ہیں وَاشْهَدْ اے اللہ کے نبی! اس بات کے گواہ ہونا کہ ہم مسلمان ہیں۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے بارے میں قرآن کریم خبر دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے' اللہ! ان لوگوں کو میری نگاہوں سے ہٹا دے' اللہ انہیں میرے سامنے مت لا' اپنے فرشتوں کو حکم دے کہ انہیں ادھر سے لے جائیں۔ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا○ یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگی کے نصاب سے قرآن خارج تھا۔ انہوں نے زندگی بھر اپنے نظام حیات میں قرآن کو داخل نہیں ہونے دیا۔ اے اللہ! آج یوم حشر انہیں میری امت میں داخل نہ ہونے دے۔ دین الگ کر دیا جائے اور سیاست الگ کر دی جائے تو اس کا پتہ وہاں چلے گا جہاں محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت چاہیے ہوگی۔ دین برحق الگ کرنے کی چیز نہیں ہے۔ دین سارا اکمل اور جامع ہے' فرد سے لے کر کائنات تک ہر معاملے میں راہنمائی کرتا ہے' وہ سیاست ہو' حکومت ہو' کاروبار ہو' تجارت ہو' گھریلو زندگی ہو' قومی ہو یا بین الاقوامی ہو۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۠ انہوں نے یعنی یہود نے خفیہ تدبیر کی وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ مکر اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اردو میں ہمیشہ برے معنوں میں آتا ہے۔ کسی کی برائی کے لئے بہت خفیہ سازش کرنا اور عربی میں خفیہ تدبیر کے معنوں میں آتا ہے۔ اگر وہ تدبیر اچھائی کے لئے ہے تو اچھا ہوگا' برائی کے لئے ہے تو مفہوم برا ہوگا۔ یہود نے مکر کیا' عیسیٰ علیہ السلام کو راستے سے ہٹانے کی خفیہ تدبیر کی۔

علمائے یہود نے الزام لگایا کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور نئی کتاب کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ ہمارے پاس پہلے تورات موجود ہے۔ یہ شخص نبی نہیں ہے' لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور عقائد خراب کر رہا ہے۔ ایک دفعہ بادشاہ نے جواب طلبی کر کے عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ دیا لیکن یہود کے علمائے سوء نے دوبارہ مقدمہ بنوایا اور تدبیر یہ کی کہ آپ کو معاذ اللہ شہید کر دیا جائے۔

علمائے حق اور علمائے سوء

زمین حق سے خالی نہیں رہتی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی گھر سے نکل کر تلاش حق میں حضور ﷺ تک پہنچنے تک بے شمار مصائب سے بھری پڑی ہے۔ وہ چلتے چلتے بحیرہ راہب کے ٹھکانے پر پہنچے جس نے حضور نبی کریم ﷺ کے بارے بھی پیشگوئی کی تھی۔ ضعیف العمر آدمی تھا اور اس نے ساری عمر صوم میں گزار دی۔ بالاخانے پہ رہتا تھا اور اس کے شاگرد نیچے عبادت کراتے۔ وہ سال میں ایک دفعہ لوگوں سے ملتا تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وہاں پہنچے تو اس دن کا انتظار کرتے رہے۔ اس سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں' رات دن اللہ اللہ ہی کرتے ہیں آپ میری راہنمائی فرمایئے۔ اس نے کہا کہ حق یہ ہے کہ میرے پاس بھی حق نہیں ہے۔ حق گم ہو چکا ہے' ہماری

کتابوں میں بھی تحریف ہو چکی ہے اور میں خود حق کا متلاشی ہوں۔ ہماری کتاب میں پیشگوئی موجود ہے کہ اللہ کا آخری نبی مبعوث ہوگا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ وادی بطحا میں مبعوث ہوگا اور تم اگر چاہو تو اس طرف سفر کرو۔ اگر تمہیں اس کے مبعوث ہونے کا پتہ چلے تو مجھے بھی خبر کرنا۔ آپ وہاں سے نکلے تو ایک ویرانے میں ایک ایسے شخص کے ٹھکانے پر پہنچے جس کے پاس دو چار بکریاں تھیں اور تنہا جنگل میں رہتا تھا۔ کبھی کبھی لوگ آتے اور اس کی زیارت کر کے چلے جاتے لیکن وہ کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں ڈیرے ڈال دیئے لیکن کافی عرصہ اس نے بات نہ کی۔ بالآخر ایک دن وہ ان سے گویا ہوا کہ تم یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ میں اس امید پہ بیٹھا ہوں کہ یقیناً آپ کے پاس حق ہوگا اور آپ میری راہنمائی فرمائیں گے۔ اس نے کہا میرے پاس صحیح دین عیسوی موجود ہے اور میں تعلیمات عیسیٰ علیہ السلام پر عمل بھی کرتا ہوں لیکن حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ اگر میں زبان کھولوں اور حق بات کروں تو لوگ مجھ پر الزام لگا کر قتل کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں اس لئے خاموشی سے بیٹھا ہوں۔

میری موت کے ساتھ دنیا سے وہ آخری آدمی بھی اٹھ جائے گا جس کے پاس حق ہے اور دنیا کبھی حق سے خالی نہیں رہتی۔ اگر میں مر جاؤں تو میری چادر میں مجھے دفن کر دینا۔ میرے پاس جو بکریاں ہیں یہ تم لے لینا اور مکہ مکرمہ کی طرف سفر کرنا۔ یہ بات یقینی ہے کہ جس دن میری روح پرواز کر جائے گی اس دن اللہ کا نبی اعلان نبوت کر دے گا چونکہ دنیا حق سے خالی نہیں رہتی۔ میں وہ آخری بندہ ہوں جس کے پاس حق ہے۔ وہ فوت ہو گیا تو آپ نے اس کو اسی چادر میں غسل کفن دے کر دفن کر دیا اور بکریاں لے کر چل پڑے۔ آگے یہود کے ایک قبیلے نے بکریاں بھی چھین لیں اور انہیں غلام بنا لیا۔ بڑی مصیبتوں کے بعد حضور ﷺ کی خدمت عالی میں پہنچے۔ اہل حق زمین اور آسمان کی حیات اور دنیا کی حیات کا مدار ہیں۔ اس کائنات کے قائم رہنے کا سبب ہیں۔ احقاق حق علمائے حق کا منصب ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں علمائے سوء کہتے ہیں علمائے حق تو حق کے علماء ہو گئے اور سوء کہتے ہیں برائی کو، تو کیا برائی کے بھی علماء ہوتے ہیں۔ علماء تو وہ ہوتے ہیں جو دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں تو پھر وہ برائی کے علماء کیسے ہو گئے؟ برائی کے علماء وہ ہوتے ہیں جو دین کے علم کو ذریعہ معاش بنا کر اسے بیچتے ہیں، حق و ناحق فتوے بیچتے ہیں، سچ اور جھوٹ بیچتے ہیں، بدعات اور رسومات جاری کرتے ہیں اور ان کے غلط سلط جواز تلاش کرتے رہتے ہیں۔ جب کوئی حق کی بات کرتا ہے تو علمائے سوء اس کے خلاف فتوے دیتے ہیں۔

وَمَكَرَ اللّٰهُ ط اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ انہوں نے قتل کرنے کی تدبیر کی اور اللہ کریم نے آپ کو بچانے کی تدبیر کی۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اور سب سے اچھی تدبیر کرنے والا تو اللہ جل جلالہٗ ہی ہے۔ اللہ کریم نے جو

تدبیر کی وہ بہت عجیب تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح مع الجسد اٹھایا گیا

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ فرمایا: اے عیسیٰ آپ آزردہ نہ ہوں، پریشان نہ ہوں، میں آپ کو وصول کرنے وللا ہوں۔ مُتَوَفِّيْكَ موت کو بھی وفات اس لئے کہہ دیا جاتا ہے کہ روح واپس وصول کر لی جاتی ہے لیکن یہاں بات روح کی نہیں ہو رہی۔ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بات ہو رہی ہے اور عیسیٰ روح کا نام نہیں ہے بلکہ روح مع الجسد کا نام ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، صاحب کتاب رسول تھے۔ صرف روح، روح کہلائے گی، بدن بدن کہلائے گا اور جب روح اور بدن جمع ہوتے ہیں تو مکمل انسان ہوتا ہے۔ جب اللہ نے فرمایا يٰعِيْسٰٓى تو اس کا مطلب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اپنے ہاں وصول کر لیا اور فرمایا وَرَافِعُكَ اِلَىَّ میں تجھے اپنے پاس اٹھا لوں گا وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کافروں کے کفر، ان کی شرارت اور ان کی برائی سے آپ کو محفوظ کر دوں گا۔ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ اور جو لوگ آپ کا اتباع کریں گے ان کو میں قیامت تک کافروں پر فضیلت دوں گا، غالب رکھوں گا۔ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ پھر تم سب کو میرے پاس واپس آنا ہے۔ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ تو جن باتوں میں تمہیں اختلاف تھا، میں ان کا فیصلہ روز حشر کروں گا۔

یہاں بہت سی باتیں گھڑی گئیں، خصوصاً جن لوگوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کئے، انہوں نے باتیں گھڑیں۔ انہیں اس لئے گھڑنا پڑیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس آیت کا مفہوم یہ ارشاد فرمایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کریم نے زندہ سلامت آسمانوں پر اٹھا لیا اور جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لئے اندر گیا تھا اس کی شکل عیسیٰ علیہ السلام جیسی کر دی اور اسے یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر لٹکا دیا۔ اللہ نے فرمایا مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ یقیناً انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں صلیب پر لٹکا سکے۔ اللہ کریم نے یہ تدبیر کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔

اس آیت سے اجراء نبوت کا تعلق جوڑنا مرزا قادیانی کی مجبوری اس لئے بن گئی کہ اس نے کہا، میں ہی وہ عیسیٰ ہوں جس کی خوشخبری حضور ﷺ نے دی تھی اور وہ عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں۔ ختم نبوت کی جو وضاحت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی، یہ ہے کہ ایک بہت ہی خوبصورت، بہت شاندار، بہت مضبوط عالیشان محل ہو لیکن اس میں ایک جگہ خلا ہو۔ دیکھنے والا جب دیکھے تو اسے پتہ چلے کہ یہ عمارت تو بہت مضبوط، بہت خوبصورت ہے

لیکن ایک جگہ خالی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے اس خلا کو پر کر دیا یعنی نبوت کی جو عمارت تھی وہ بحمد اللہ مکمل ہوگئی اور اب اس میں کسی نئی اینٹ کا اضافہ نہیں ہوگا' کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اللہ کریم نے جو چاہا اور منشاء باری کے مطابق جو نبوت مکمل ہونا تھی' حضور ﷺ کی بعثت سے وہ مکمل ہوگئی اور اس کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ بعض نے کہا سے مراد مہر ہوتی ہے اور حضور ﷺ وہ مہر ہیں جس سے نبی بنتے ہیں۔ یہ سارے حیلے حوالے جھوٹے مدعیان نبوت' کذابوں اور دجالوں کے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بالوضاحت اس مسئلہ کو حل فرما دیا کہ نبوت مکمل ہوگئی اور اب قیامت تک نبوت حضور ﷺ ہی کی رہے گی۔

جھوٹے مدعی نبوت نے اس پہ بڑا زور دیا کہ مُتَوَفِّيْكَ سے مراد موت ہے' تمہیں موت دے کر اٹھا لوں گا۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو موت ہی دینا تھی تو اللہ نے کیا تدبیر کی۔ اگر اس کا معنی موت لیا جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ تو ختم ہوگیا۔ یہودیوں نے قتل کر دیا یا اللہ نے موت دے دی تو فرق کیا ہوا؟ اگر انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا' شہید کرنے کا مکر کیا تھا تو تدبیر الٰہی بچانے کی تھی' نہ کہ موت دینے کی! یہ کہا جائے کہ اللہ نے موت دے دی اور روح آسمانوں پہ اٹھالی تو ہر نیک بندے کی روح اوپر اٹھا لی جاتی ہے۔ جو بھی نیک بندہ فوت ہوتا ہے اللہ کریم اس کی روح علیین میں لے جاتا ہے' وہ عالم بالا میں چلی جاتی ہے۔ قبر کے ساتھ' وجود کے ساتھ اس کا ربط رہتا ہے لیکن گھر تو اس کا عالم بالا میں ہوتا ہے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام میں اور دوسرے مرنے والوں میں فرق کیا رہا کہ یہودیوں کے ہاتھوں قتل نہ ہوئے لیکن اللہ نے خود مار دیا' ان کا مقصد تو پورا ہوگیا۔ یہ مفہوم نہیں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کریم نے زندہ آسمانوں پہ اٹھالیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نوجوان تھے اور جب تشریف لائیں گے تو جوان ہوں گے۔

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ سن عیسوی علیہ السلام کے رفع آسمانی سے شروع ہوتا ہے' اکیسویں صدی عیسوی جارہی ہے تو ہمارے نظام اوقات کے مطابق دو ہزار سال ہوگئے۔ عند اللہ ہزار سال کا ایک دن ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ علیہ السلام کو آسمانوں پہ دو دن گزرے' زمین پر دو ہزار سال بیت گئے۔ آسمانوں پر اگر تیس دن بھی اور رہیں گے' ساٹھ دن بھی اور رہیں گے تو ایک دو مہینے میں جوانی میں کیا فرق آجائے گا۔ لہٰذا جب تشریف لائیں گے تو ویسے ہی جوان ہوں گے یعنی چند دن کا فرق ہوگا۔ اگر ہزار صدی بھی بیت جائے تو سو دن ہی گزریں گے' سو دن میں کوئی بوڑھا تو نہیں ہوگا۔

حضور ﷺ نے بشارت دی تھی کہ آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام پھر آسمانوں سے نزول فرمائیں گے' جہاد کریں گے' شادی کریں گے زمین پہ آباد رہیں گے' طبعی موت سے فوت ہوں گے اور میرے روضہ مبارک

میں دفن ہوں گے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ قیامت کے روز اس طرح اٹھیں گے کہ ایک طرف میں ہوں گا اور دوسری طرف عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے اور درمیان میں یہ دونوں ہوں گے۔ اللہ کی شان ہے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو یہ شرف نصیب ہوا کہ روضہ اطہر میں جگہ ملی۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ روضہ اطہر میں جگہ ملی۔ روضہ اطہر حضرت عائشہؓ کا حجرۂ مبارک تھا اور اس میں ایک قبر کی جگہ باقی تھی۔ اس کے بعد بھی بڑے بڑے عظیم لوگ دنیا سے رخصت ہوئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فوت ہوئے، حسنین کریمین فوت ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا جو ذوالنورین تھے، آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں ان کے نکاح میں تھیں اور کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا وصال ہوا لیکن اس کے باوجود کوئی چوتھی ہستی یہ شرف نہ پا سکی۔ آج تک وہ جگہ خالی ہے اور جس طرح حضور ﷺ کا ارشاد ہے، عیسیٰ علیہ السلام ہی وہاں دفن ہوں گے۔

یہ بڑا عجیب سوال ہے کہ اگر اللہ کو نبوت باقی رکھنا تھی تو اور نبی بھیج دیتا اور اگر تکمیل آپ ﷺ کی ذات سے کرنی تھی تو حضور ﷺ بعد میں تشریف لے آتے لیکن اس کا اپنا ایک نظام ہے۔ آپ ﷺ اس وقت پہ تشریف لائے جب آپ ﷺ کی ضرورت تھی کہ پورے جہان کا ایک نبی ہو۔ اس کی وجہ آج سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا اس طرف بڑھ رہی تھی کہ پوری دنیا ایک گاؤں بن جائے، ایک گلوبل ویلج بن جائے۔ اب ایک گاؤں میں کتنے دین ہونے چاہئیں اور کتنے نبی ہونے چاہئیں۔ اللہ نے پہلے سے ایک نبی ایسا بھیج دیا جو پوری دنیا کے لئے ایک ہی نبی اور ایک ہی رسول ہے اور رہے گا اور ایسا دین دے دیا جو پوری دنیا کے لئے، ہر موسم، ہر حال میں قابل عمل ہے۔

اہل اللہ کا باطنی نظام

سوال پیدا ہوا کہ گلوبل ویلج تو چودہ سو سال بعد بنا اور اللہ نے اس کی تکمیل چودہ سو سال پہلے کر دی۔

جس طرح ستاروں، سیاروں کے ساتھ ظاہری دنیا کی روئیدگی وابستہ ہے، اسی طرح انبیاء و رسل کے ساتھ ایمانیات کا تعلق ہے، حالات کا تعلق ہے، لوگوں کے مزاجوں کا اور ضمیر کا تعلق ہے۔ جب نبی دنیا سے اٹھتا ہے تو نبی کے جانشین ہوتے ہیں اور ان کے وجودوں کے ساتھ وہ تعلق وابستہ ہو جاتا ہے۔ جہاں چاند کی روشنی نہیں پہنچتی، وہاں ستارے چاند کی جگہ روشنی دیتے ہیں۔ قطبین میں چاند اور سورج کم کم نکلتے ہیں لیکن قطبی ستارے روشنی دیتے ہیں اور سارا نظام چلتا رہتا ہے۔ اسی طرح جب انبیاء دنیا سے پردہ فرماتے ہیں تو ان کے جانشینوں کے وجودوں کے ساتھ وہ چیز وابستہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح صحابہؓ تابعین، تبع تابعین جب چلے جاتے ہیں تو اولیاء اللہ ہوتے ہیں اور ان میں مناصب ہوتے ہیں، غوث اقطاب ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دین پہنچانے کا شعبہ

قطب ارشاد کے وجود کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور اس کے مزاج کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طرح قطب مدار کے مزاج کے مطابق لوگوں کے سیاسی خیالات ڈیویلپ ہوتے ہیں اور امور دنیا اور نظام دنیا Develop ہوتا ہے، لوگوں کی سوچ اس طرح بن جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ قطب مدار یا قطب ارشاد یا قطب الاقطاب یا غوث کو پتہ بھی ہو کہ میں قطب ہوں یا میں غوث ہوں، جس طرح ضروری نہیں کہ سورج کو پتہ ہو کہ اس کے وجود کے ساتھ کیا کیا وابستہ ہے، جس طرح چاند کو خبر نہیں کہ اس کے طلوع وغروب کے ساتھ کیا کیا وابستہ ہے۔ بعض اوقات ان لوگوں کو اللہ بتا بھی دیتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ خود بھی جانتے ہوں کہ میں وہ بشر ہوں جس کے ساتھ یہ حالات وابستہ ہیں۔ جس وجود میں انوارات الٰہی اور برکات نبوی ہوتی ہیں، ان میں سے اللہ منتخب فرما لیتے ہیں۔ جس کو جو چاہے منصب دے دیتا ہے اور حالات وواقعات اس کے وجود کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نبوت مکمل ہو گئی تو اللہ کریم نے ایک نبی کو باقی رکھ لیا جو پھر نزول فرمائیں گے اور دنیا میں آئیں گے۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود صاحب کتاب نبی ہیں لیکن اپنی کتاب کی تعلیم نہیں دیں گے، اس پر عمل کی دعوت نہیں دیں گے چونکہ اس کے احکام منسوخ ہو چکے۔ قرآن کریم پر عمل کی دعوت دیں گے جو اپنے نزول سے ہمیشہ کے لئے ابدی اور دائمی کتاب ہے۔ اس میں بے شمار حکمتیں ہوں گی۔ کائنات میں سیاروں کا نظام، سورج چاند ستاروں کی گردش اور ان کا نظام، اس سے رات دن بنتے ہیں، اس سے بادل بنتے ہیں اور برستے ہیں، اس سے موسم بھی آتے اور جاتے ہیں، اس سے گرمیاں سردیاں خزاں اور بہار بھی ہوتی ہے۔ سورج کی تمازت سے بیج اگتے ہیں، پھل، پودے اگتے، بڑھتے اور پکتے ہیں۔ ان میں مٹھاس آتی ہے۔ یہ سیارے صرف روشنی اور گرمی نہیں دیتے بلکہ کائنات کے نظام میں انہیں اللہ کریم نے بہت بڑا دخل دیا ہے۔ سویڈن کی ایک بندرگاہ میں سمندر کی لہریں بہت زور سے آتی تھیں اور کھڑے ہوئے لنگرانداز جہازوں کو ڈسٹرب کرتی تھیں۔ انہوں نے ایک تدبیر کی کہ سمندر میں ہٹ کر ایک ایسی دیوار بنا دی جائے جس سے آگے یہ لہریں نہ آسکیں اور پانی پرسکون رہے۔ جب وہ دیوار بن گئی تو دیوار کے اندر جو مچھلیاں رہ گئی تھیں وہ مرنے لگیں۔ پتہ چلا کہ چاند کے بڑھنے گھٹنے کے ساتھ سمندر میں جو مدوجزر ہوتا ہے، جو پانی کو الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے۔ جہاں وہ مدوجزر نہیں پہنچتا وہاں گہرائی کے پانی میں آکسیجن کی وہ مقدار نہیں رہتی کہ اس میں مچھلیاں زندہ رہ سکیں۔ تو یہ مدوجزر ہوتا ہے یہ اللہ کریم کے اپنے نظام ہیں۔ چاند کو اس کی خبر نہیں کہ اس کے وجود کے ساتھ قدرت نے کیا کیا وابستہ کر دیا ہے۔ اسی طرح سورج کے ساتھ کتنی چیزیں وابستہ ہیں لیکن خود سورج کو اس کی خبر نہیں اور خبر ہونا ضروری بھی نہیں۔ یہ اس کا اپنا نظام ہے کہ کس سے کیا کام لینا ہے۔

اسی طرح اہل اللہ کا باطنی نظام ہے جن کے وجود کے اپنے اثرات ہیں لیکن ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود سے کیا کیا حکمتیں وابستہ کر دی ہیں۔ اسی طرح دنیا پہ کوئی نہ کوئی نبی کو ماننے والا باقی رہ جاتا ہے اور دنیا میں جب کوئی بھی شخص نبی کو ماننے والا نہیں رہے گا، نور نبوت نہیں رہے گا تو قیامت آ جائے گی۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام میں ایک حکمت

عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں، ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایسا دور آئے گا کہ اولیاء اللہ کی قوت اس تاریکی میں ناکام ہو جائے گی۔ اتنی ظلمت بڑھ جائے گی کہ ولی کے وجود کے ساتھ لوگوں کی اصلاح ممکن نہیں رہے گی۔ اقطاب اور غوث ہوں گے لیکن ظلمت اتنی بڑھ جائے گی، گناہ اتنا بڑھ جائے گا، برائی اتنی بڑھ جائے گی کہ ولی کے وجود کی برکات اس کو سنبھالنے کے لئے کافی نہیں ہوں گی۔ وہاں نبی کی قوت چاہیے ہو گی کہ اس برائی کا مقابلہ کرے۔ نیا نبی تو اللہ نے مبعوث نہیں کرنا، اللہ نے پہلے نبیوں میں سے ایک نبی کو محفوظ رکھ لیا کہ جب مخلوق کو ضرورت پڑے گی تو میں پھر سے ایک نبی کو بھیج دوں گا۔ عیسیٰ علیہ السلام اتباع بیشک حضور ﷺ کا کریں گے، قرآن کریم کا کریں گے لیکن بات کرنے والا تو اللہ کا نبی ہو گا، اس کی روحانی قوت تو نبوت کی ہو گی جس سے لوگ اصلاح پذیر ہوں گے۔ اور بھی بیشمار حکمتیں ہوں گی، لیکن یہ حکمت الٰہی ہے جو میں جان سکا اس حکمت الٰہیہ میں یہ بھید ہے کہ ان کے وجود مسعودؑ سے پھر اصلاح امت ہو گی، لوگ پھر جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے، پھر برائی کے خلاف لوگ جمع ہوں گے اور برائی کو مٹا کر دین کو غالب کیا جائے گا۔ آپ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری میں یہ حکمت الٰہیہ ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ فیصلہ کے دو اصول بیان فرما دئے گئے۔ اول وہ گروہ جس نے کفر کیا، اس کو دنیا اور آخرت، دونوں میں سخت عذاب دونگا اور ان کا کوئی یار و مددگار نہ ہو گا۔ رہا دوسرا گروہ **وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ** ۝ اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، تو ان کی نیکیوں کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا کہ انعام تو پسندیدہ لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔ ان کے مقابل کفار حق قبول نہ کرنے کی پاداش میں غضب الٰہی کے سزاوار ٹھہرے۔

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ یہ آیات، یہ کلام، یہ ذکر جو پر از حکمت ہے، ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اللہ کریم آپ کو دلائل نبوت کے طور پر، **مِنَ الْآيَاتِ** نشانی کے طور پر، معجزات کے طور پر، آپ کی نبوت کی حقانیت کے طور پر پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ ذکر حکیم ہے، یہ پر از حکمت باتیں ہیں اور ان میں کوئی ایسی بات نہیں جس میں شبہ کیا جا سکے یا جس پر اعتراض کیا جا سکے۔

اتباع رسالت پناہ کے لئے دائمی غلبہ کا وعدہ

ان آیات میں اتباع رسالت پناہ کے لئے دائمی غلبہ کی نوید بھی ہے۔ جہاں کفار کے لئے دنیا و آخرت میں عذاب کی وعید ہے، اہل ایمان کے لئے انعام کا وعدہ صرف آخرت سے ہی مخصوص نہیں بلکہ دنیا میں بھی ان کے لئے انعامات اور بحیثیت قوم کفار پہ غلبہ کی خوشخبری ہے۔ **وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا** اور ان کافروں کے جو تمام رذیل خیالات ہیں، ان سے آپ کو پاک کردوں گا **وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ** اور آپ کے اتباع کرنے والوں کو قیامت تک کافروں پر فضیلت دوں گا۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ**! آج بھی دونوں اعتبار سے یہ فضیلت قائم ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے تب تک رہے جب تک حضور ﷺ مبعوث نہیں ہوئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آپ ﷺ کے آنے کی خبر دی تھی اور حضور ﷺ پر ایمان لانے کی تلقین بھی کی تھی جب حضور ﷺ مبعوث ہو گئے تو جس نے حضور ﷺ کو نہیں مانا وہ عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں میں نہ رہا۔ حضور ﷺ کے زمانے سے لے کر قیامت تک اللہ نے ان لوگوں کو معتبر و معزز رکھنے اور غالب رکھنے کا وعدہ کیا۔ اس وقت بھی عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع صرف وہی کریں گے جو حضور ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ ﷺ کے پیروکار ہوں گے۔ آقائے نامدار ﷺ کے جو متبعین ہیں وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتے۔ دنیا میں بظاہر جتنی بڑی طاقتیں ہیں وہ ان کو خاطر میں نہیں لاتے اور یہ طاقتیں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ جو لوگ ان کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہوتے ہیں، متبعین نہیں بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو حضور ﷺ کا اتباع چھوڑ کر ان کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، ان کی رسومات اپناتے ہیں، ان کے رواجات اپناتے ہیں اگرچہ نام کے مسلمان ہوتے ہیں۔

مسلمان کبھی رسوا نہیں ہوتا

آپ کہتے ہیں مسلمان رسوا ہو رہے ہیں! مسلمان رسوا نہیں ہوتا، رسوا وہ ہوتے ہیں جو ان جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر مسلمان رسوا ہوتے تو طالبان کا وجود مٹ گیا ہوتا۔ وہ حضور ﷺ کے متبعین ہیں۔ دنیا بھر کی طاقتوں نے سارا زور لگا لیا اور آج پھر واویلا کر رہے ہیں کہ وہ ہم سے زمین چھین رہے ہیں۔ وہ مسئلہ تو ان سے حل نہیں ہو رہا۔ اللہ کا اور اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کرنے والا اور اللہ کو ماننے والا ایک ایک فرد جہاں بیٹھا ہے، اپنی جگہ اس کا ایک جہان آباد ہے۔ دنیا کی کوئی کافر طاقت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ جوان

کی غلامی میں لگے ہیں، وہ خواہ حکمران ہوں، بادشاہ ہوں، ذلیل و رسوا ہیں اور انہیں ذلیل ہونا چاہیے۔ یہاں چونکہ وعدہ متبعین سے ہے تو جو اتباع رسالت چھوڑ دیتے ہیں، وہ ذلیل ہوتے ہیں۔ اللہ نے وعدہ تو اپنے نبی کے ماننے والوں کے ساتھ کیا ہے۔ جو لوگ نبی کا اتباع چھوڑ کر یہودیوں اور عیسائیوں کی پیروی اختیار کرتے ہیں، ان کی رسومات اپناتے ہیں، ان جیسے رواجات اپناتے ہیں اور انہی جیسا بن کر رہنا چاہتے ہیں، وہ ذلیل ہوتے ہیں اور انہیں ذلیل ہونا چاہیے، کیونکہ وعدہ الٰہی یہی ہے۔

مسلمان سمجھتے ہیں کہ ہم پر عیسائی غالب ہیں۔ عیسائی اس لئے غالب ہیں کہ ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن چھوڑ کر عیسائیوں کا دامن پکڑ رکھا ہے۔ اسی لئے جو لوگ آج بھی دامان نبوی ﷺ سے وابستہ ہیں وہ انہیں پرکاہ بھی نہیں سمجھتے۔

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ جو تیرا اتباع کریں گے انہیں ہمیشہ میں کافروں پر غالب رکھوں گا۔ آپ دیکھ لیجئے کہ دنیا میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ذاتی وقار اور عزت و آبرو ہے، یہ دنیا میں کس کے پاس ہے، اس شخص کے سوائے جو حضور ﷺ کا غلام ہے، کسی کے پاس عزت نہیں بچی۔ آج اگر عزت و آبرو ہے تو اللہ کے بندوں کے پاس اور حضور ﷺ کے غلاموں کے پاس ہے۔ رہا اقتدار تو یہ ہمیشہ ان کے پاس رہتا ہے، اقتدار ان کا غلام ہوتا ہے۔ انہیں کسی مقتدر کی پرواہ نہیں ہوتی، اقتدار ان کی جوتیوں میں رہتا ہے۔ وہ کسی کے غلام نہیں ہوتے۔ اقتدار کیا ہوتا ہے؟ اگر کسی ملک کا صدر بھی اپنی مرضی سے فیصلے نہ کر سکے، حکومت ملنے کے بعد بھی اس نے غلامی کرنی ہے تو وہ نام کا حکمران ہے لیکن اصل میں غلام ہے اور جو متبعین رسالت پناہ ﷺ ہوتے ہیں وہ کسی کے غلام نہیں ہوتے، وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کرتے ہیں۔ عزت و وقار بھی انہی کے پاس ہوتا ہے اور اقتدار بھی انہی کے پاس ہوتا ہے۔

خونِ شہداء طلوع فجر کی نوید ہے

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ یہ دنیاوی حالات بدلتے رہتے ہیں لیکن حق ہمیشہ باقی رہے گا، غلبہ اسلام ہی کا رہے گا۔ اگر رات گہری ہوگئی ہے تو یہ طلوع فجر کی نوید ہے۔ جب اندھیرا بہت بڑھ جاتا ہے اس وقت سحر طلوع ہونے لگتی ہے۔

اگر عثمانیوں پہ کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

لاکھوں ستارے ڈوبتے ہیں تو سورج طلوع ہوتا ہے۔ اگر اللہ کے نیک بندے شہید ہو رہے ہیں تو یہ

طلوع فجر کی نوید ہے کہ ستارے مٹ رہے ہیں اور سورج طلوع ہونے والا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین مٹ جائے گا۔ وہ خوش نصیب ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید ہو رہے ہیں اور جو فساد کر رہے ہیں وہ بدنصیب ہیں۔ مظلوموں' بے گناہ لوگوں' شہریوں کو اگر امریکہ کا صدر قتل کرے تو وہ بھی ظالم ہے اور اگر عام آدمی اٹھ کر کسی پر گولی چلا دے' مسجد میں بم پھینک دے تو وہ بھی ویسا ہی ظالم ہے۔ وہ بھی بے گناہ لوگوں کو مارنے والا ہے۔ راہ حق کے شہید وہ ستارے ہیں جو طلوع فجر کے لئے غروب ہو رہے ہیں۔ انشاء اللہ فجر طلوع ہو گی' دین باقی رہے گا' اللہ کے بندے باقی رہیں گے اور اللہ کی عظمت باقی رہے گی۔ غلبہ دین حق کو ہی ہو گا' یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ میں آپ کے اتباع کرنے والوں کو قیامت تک غالب رکھوں گا۔

ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ پھر تم سب نے پلٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے۔ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۝ جن باتوں میں لوگ جھگڑا کرتے ہیں اور اہل حق پہ فتوے لگاتے ہیں' وہ بھی میرے پاس آئیں گے اور متبعین حق بھی میرے پاس آئیں گے۔ تو ان ساری باتوں کو میں پورے انصاف کے ساتھ طے کر دوں گا کہ کون حق پر تھا اور کون جھوٹا تھا۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۝۵۹ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ۝۶۰ فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْكٰذِبِیْنَ۝۶۱ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۝۶۲ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ۝۶۳ ع

بیشک اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ جیسی ہے۔ اسے مٹی سے پیدا کیا' پھر کہا اس کو ''ہو جا'' تو وہ ہو گیا۔ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے' پس

شک کرنے والوں سے نہ ہونا۔ جو آپ ﷺ سے اس بارے میں جھگڑے، اس کے بعد جب آپ ﷺ کے پاس علم آ گیا تو آپ ﷺ کہہ دیں! آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے، اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں، اور ہم خود اور تم خود (بھی) پھر ہم سب التجا کریں، پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ بیشک یہی سچا بیان ہے، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک اللہ ہی غالب، حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ پھر جائیں تو بیشک اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

خلاصۂ تفسیر ومعارف

وفد نجران

دریں اثناء نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ حاضر ہوا جس میں تین افراد تھے۔ نجران عیسائیوں کی بستی تھی جو اب بھی مدینہ منورہ سے غالباً ہزار بارہ سو کلومیٹر فاصلہ پر ہے۔ یہ کافی پڑھے لکھے لوگ تھے اور ان کے پاس علماء بھی تھے۔ اس وفد کی یہ خواہش تھی کہ وہ نبی کریم ﷺ سے بات کر کے اپنے سچا ہونے کے ثبوت پیش کریں اور آپ ﷺ کو قائل کرنے کی کوشش کریں کہ بالفرض اگر کوئی نئی نبوت آئی ہے تو وہ اپنی حدود میں رہے۔ اس وفد کا اصل مقصد اپنی بات منوانا تھا۔ انہوں نے جب بارگاہ رسالت پناہی ﷺ میں یہ مکالمہ شروع کیا تو ایک دلیل انہوں نے یہ بھی دی کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں ہیں تو پھر آپ بتایئے عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے۔ اس کا جواب وحی الٰہی سے دیا گیا۔ فرمایا: ان جاہلوں سے کہیے اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ باپ کا ہونا قانون فطرت ہے لیکن اللہ قادر ہے۔ اس قانون میں بھی استثناء موجود ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا تو صرف باپ نہیں ہے لیکن آدم علیہ السلام کو دیکھیں تو ان کی نہ ماں ہے نہ باپ ہے۔ اگر اللہ ماں باپ کے بغیر پیدا کر سکتا ہے تو بغیر باپ کے پیدا کیوں نہیں کر سکتا! قیاس شرعی حجت اور شرعی دلیل ہے۔ یہاں سے علمائے حق نے قیاس کا اصول بھی لیا ہے کہ ایک مسئلے کو دوسرے پر قیاس کیا جائے، جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو آدم علیہ السلام کی تخلیق پر قیاس کرنے کی دلیل دی جا رہی ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے آدم علیہ السلام۔

اب آدم علیہ السلام کی نہ والدہ ماجدہ ہے، نہ باپ ہے۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝ اور انہیں حکم دیا کُنْ اور وہ ہوگیا، وہ زندہ ہو گئے۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ۝ اے مخاطب یہ حقائق جو ارشاد فرمائے جا رہے ہیں، یہ ارشادات جو محمد رسول اللہ ﷺ تم تک پہنچا رہے ہیں، وہ باتیں جو میرا نبی حق بتا رہا ہے، یہ اللہ کی طرف سے ہیں، اَلْحَقُّ ہیں۔ جہاں الف لام لگایا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ مثالی چیز ہے، اکلوتا حق ہے، اس کے علاوہ حق نہیں، جس سے ہٹ کر کوئی دوسرا سچ نہیں۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ کھری اور سچی بات وہ ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہے۔

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ۝ سو اے مخاطب! اللہ کی باتوں میں ذرہ برابر، ادنیٰ سے ادنیٰ شک کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ تو عقلی اور نقلی دلائل تھے نبی کریم ﷺ نے اور قرآن کریم نے اس سے پہلے بھی پورا واقعہ کھول کر بیان فرمایا۔ پہلی کتابوں سے بھی آپ ﷺ نے اللہ کی توحید اور لاشریک ہونے کے دلائل دیئے اور جب انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ پھر آپ ﷺ بتا دیجئے عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے کیسے پیدا ہو گئے تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال تو آدم علیہ السلام کی طرح ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تو ہیں جبکہ آدم علیہ السلام بن ماں باپ پیدا ہوئے۔

قرآن کی تحریف معنوی کی ایک اور کوشش

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کذاب قادیانی نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا تو اس نے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا اور اس کا نام یوسف تھا، وہ کشمیر میں فوت ہوا اور اس کی کشمیر میں ہی قبر ہے۔ یہ سب خرافات ہیں۔ اللہ کریم نے اس کا جو واضح جواب ارشاد فرمایا وہ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی طرح ہے۔ وہ بغیر ماں باپ کے پیدا کئے گئے، مٹی سے بنائے گئے اور اللہ نے حکم کُنْ دیا اور وہ جاندار، ساری محسوسات اور سارے احساسات کے ساتھ سارے انسانوں کے جدامجد بن گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا تو وہ قادر ہے، اس نے پیدا کر دیا۔

حقیقی سچائی

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ سے مراد ہے Ultimate Truth، جس کے علاوہ کوئی سچائی نہیں۔ مغرب کو یہ بھی اعتراض ہے کہ اسلام سچا مذہب ہوگا لیکن سارا سچ صرف اسلام میں تو نہیں ہے، باقی مذاہب کے پاس بھی تو سچ ہے۔ "The Muslim has the Monoply of the Truth" مسلمان سمجھتے ہیں کہ ساری سچائی ہمارے ہی پاس ہے، سچائی پر انہوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ Monoply اچھے معنوں میں نہیں بلکہ کسی چیز پہ

زبردستی قبضہ کر لینے کے لئے کہتے ہیں لیکن یہ درست نہیں ہے۔ اسلام Ultimate truth ہے۔ یہ حقیقتاً سچائی ہے اور جو سچائی ہوتی ہے اس کے باہر کوئی دوسری سچائی نہیں ہوتی۔ ایک خبر سچی ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ نہیں ہوتا کہ اس سے ملتی جلتی پانچ، سات اور خبریں اور بھی سچی ہوں۔ سچائی ہمیشہ ایک اور کھری ہوتی ہے۔ اسلام الحق ہے، Ultimate Truth ہے اور اس جیسی کوئی دوسری سچائی نہیں۔ اس سچائی کی دلیل یہ ہے کہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ہے، یہ اللہ کریم کی طرف سے ہے، یہ رب العلمین کی طرف سے ہے جہاں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ لہٰذا جو خبر محمد رسول اللہ ﷺ دیتے ہیں، وہ قرآن ہو یا حدیث ہو، جو ارشاد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ اللہ کے قرآن کی آیت ہو یا حضور ﷺ کی حدیث کا ارشاد ہو، یہ حقیقی سچائی ہے اور دوسری کوئی سچائی نہیں ہے۔

مناظرہ اور مباہلہ

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ حق تیرے رب کی طرف سے ہے۔ سچائی پروردگار کی طرف سے ہے اور اس میں کسی ادنیٰ ترین شک کی گنجائش بھی نہیں ہے، اب اس کے بعد بھی وہ جھگڑا کرتے ہیں، وہ اس بات کو نہیں مانتے، دلائل عقلی، دلائل نقلی پہ قائل نہیں ہو رہے اور اپنی بات پہ جھگڑا کئے جا رہے ہیں تو فرمایا: **فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ** جب آپ کو اللہ کی طرف سے یہ علم عطا کر دیا گیا اور حق اور کھری کھری بات بتا دی گئی لیکن اس کے بعد بھی اگر یہ عیسائیوں کا وفد نہیں مان رہا، جھگڑا کر رہا ہے تو مناظرہ یعنی دلائل دینے میں تو آپ نے انتہاء کر دی۔ اللہ کریم نے آپ کی طرف سے دلائل دیئے لیکن یہ محض کج بحثی پہ بضد ہیں۔ مناظرہ یہ ہوتا ہے کہ نظیر یعنی دلیل دی جاتی ہے، اپنی بات پہ دلائل دیئے جاتے ہیں لیکن اگر اس سے بات نہ بنے تو پھر دوسرا حل مباہلہ ہے۔ مباہلہ یہ ہوتا ہے کہ اگر دلیل سے بندہ نہیں مان رہا تو پھر اسے کہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں تم بھی پاک صاف ہو کر آ جاؤ، میں بھی آتا ہوں۔ دونوں دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ جو سچا ہے اسے قبول فرما، محفوظ رکھ اور جو جھوٹا ہے اس پر عذاب نازل فرما، ابھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے حکم دیا۔

مباہلہ

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ آپ کے پاس جب حقیقی علم آ گیا، آپ کے پاس سچائی آ گئی اور آپ ﷺ نے انہیں بتا بھی دی لیکن اس کے بعد بھی اگر یہ آپ ﷺ سے جھگڑا کرتے ہیں تو اے میرے حبیب ﷺ انہیں فرما دیجئے۔ **فَقُلْ تَعَالَوْا** آؤ۔ **نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۝** ان سے کہئے کہ اگر تم دلائل کو نہیں مانتے تو آؤ دوسرا کام کرتے ہیں۔ ہم اپنے بیٹوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو شامل کرو، ہم اپنی عورتوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنی عورتوں کو

شامل کرو، ہم اپنی جانوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنی جانوں کو شامل کرو۔ عیسائیوں کے اس وفد میں تین آدمی تھے، شرجیل، عبداللہ بن شرجیل اور جبار بن منذب، جو نجران سے یعنی بارہ تیرہ سو میل دور سے سفر کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ کوئی خادم ہو، الگ بات ہے لیکن بیوی بچے ساتھ نہیں تھے۔

اللہ کریم نے فرمایا ان سے کہئے کہ ہم اپنے بچوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنے بچوں کو شامل کرلو۔ ہم اپنی خواتین کو، عورتوں کو شامل کرتے ہیں، بیویوں کو شامل کرتے ہیں۔ نِسَآءَ کا لفظ عورتوں پر آتا ہے، عورتوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنی عورتوں کو شامل کرلو۔ ہم اپنی جانوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنی جانوں کو شامل کرلو یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات کے ساتھ تمام مسلمان بچے، آپ ﷺ کے تمام متبعین، تمام مسلمان خواتین، تمام مسلمان مرد شامل ہو گئے۔ تمہارے ساتھ تمام عیسائی بچے، تمام عیسائی عورتیں، تمام عیسائی مرد شامل ہو گئے۔ اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۝ اے اللہ! جھوٹوں پر اب لعنت برسا، انہیں تباہ کر دے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر یہ میرے ساتھ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیتے تو نجران کی وادی آگ سے بھر جاتی اور نجران کے عیسائیوں کا کوئی فرد باقی نہ بچتا بلکہ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ وادی میں کوئی پرندہ نہ بچتا، کوئی درخت نہ بچتا، ہر چیز راکھ ہو جاتی، تباہ ہو جاتی۔ دل سے وہ بھی جانتے تھے کہ نبی تو برحق ہے لیکن کج بحثی پر مصر تھے۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو انہوں نے کہا، ہم جزیہ دیں گے، اسلامی ریاست کی اطاعت قبول کرتے ہیں، ہمیں اپنے مذہب پہ رہنے دیا جائے لیکن ہم آپ ﷺ کے ساتھ مباہلہ نہیں کرتے، ہم دعا نہیں مانگتے۔

مباہلہ کے متعلق ایک تاریخی غلط فہمی

مباہلہ کے بارے میں ہمارے ہاں بڑی بڑی عجیب باتیں لکھی گئی ہیں۔ بعض نئے فرقوں نے بہت سی باتیں اختراع کر کے اس میں ڈال دی ہیں اور کہا یہ گیا ہے کہ یہ باتیں بعض احادیث کی کتابوں میں بھی داخل کر دی ہیں۔ کہا یہ گیا کہ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلب فرمایا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور خود نبی کریم ﷺ ان چار ہستیوں کو ساتھ لے کر میدان مباہلہ میں تشریف لے گئے۔ اس روایت کے غلط ہونے کے لئے ایک ہی دلیل کافی ہے کہ نجران سے آئے ہوئے تین بندے ہیں جن کے بیوی بچے وہاں سے بارہ سو میل دور ہیں۔ کوئی عام آدمی بھی اگر ان سے بات کرتا ہے تو انہیں ایک مہینہ دو مہینے وقت دے گا کہ اپنے بچے لے آؤ، ہم بھی اپنے بچے باہر نکالتے ہیں۔ یہ تو کسی عام آدمی سے بھی تصور نہیں کیا جا سکتا

کہ ان کے بیوی بچے تو ہزار بارہ سو میل دور بیٹھے ہوں اور وہ اپنے بیوی بچے لے کر میدان میں نکل جائے کہ لاؤ بیوی بچے، یہ کونسا طریقہ ہے! پھر اس بات کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا سراسر زیادتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ابناء بناتے ہیں تو درست ہے کہ آپ ﷺ کے بیٹے ہیں، بچے ہیں، آپ ﷺ کی اولاد ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اگر آپ ابناء میں داخل کریں تو بھی درست ہے کہ ایک تو نبی کریم ﷺ نے گھر پر ہی ان کی پرورش کی، دوسرے وہ آپ ﷺ کے داماد بھی ہیں اور داماد بھی بیٹوں کی مانند ہوتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی آپ اولاد میں داخل کریں گے تو جو لفظ نِسَآءَ عورتوں کے لئے ہے، اس لفظ کے مطابق عورتوں میں کون آیا؟ بیٹی عورت تو نہیں ہوتی۔ حضرت فاطمہؓ حضور ﷺ کی تو بیٹی ہی ہیں، لختِ جگر ہیں، تو عورتوں میں پھر کس کو داخل کریں گے؟

اَنْفُسَنَا میں ایک اور تماشہ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نفس نبی ہیں، اس لئے کہ اَنْفُسَنَا میں صرف حضرت علیؓ شامل ہیں حالانکہ سرے سے یہ روایت ہی غلط ہے۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا ہی نہیں۔ نہ حضور ﷺ نے کسی کو بلایا، نہ حضور ﷺ باہر تشریف لے گئے اور نہ ہی فطرت سلیمہ اس بات کو قبول کرتی ہے کہ وفد نجران کے بیوی بچے تو بارہ سو میل دور ہوں اور حضور ﷺ چند افراد کو لے کر میدان میں نکل آئیں اور فرمائیں کہ نکالو بیوی بچے! ایسی حرکت تو عام آدمی بھی نہیں کرتا، حضور ﷺ سے کس طرح متوقع ہے! یہ گھڑی گھڑائی باتیں ہیں جو داخل کر دی گئیں، ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ایک روایت ہوتی ہے اور ایک درایت ہوتی ہے۔ روایت یہ ہوتی ہے فلاں نے فلاں سے سنی، فلاں نے فلاں سے سنی۔ درایت یہ ہوتی ہے کہ جس ہستی کی بات کریں، اس کی شان کے مطابق بات ہے تو اسے عقل قبول کرتی ہے۔ اس ہستی کو زیب نہیں دیتی تو درایت کے مطابق یہ ساری روایت باطل ہے۔

پھر ایک اور حدیث گھڑ لیتے ہیں۔ **دمک دمی لحمک لحمی نفسک نفسی۔** حضور ﷺ نے فرمایا تیرا خون میرا خون ہے۔ تیرا گوشت میرا گوشت ہے۔ تیری جان میری جان ہے تو گویا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایک جان دو قالب ہو گئے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو آپ نفس نبی بتاتے ہیں یعنی حضور ﷺ کی ذات اور حضرت علیؓ کی ذات ایک ہے تو حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی جگر گوشہ اور بیٹی ہیں، پھر ان کے ساتھ حضرت علیؓ کا نکاح کیسے درست ہے۔ حضرت علیؓ اگر نفس نبی ہیں تو پھر حضرت فاطمہؓ کے لئے بدرجہ باپ ہو گئے، پھر یہ نکاح کیسے درست ہے۔ یہ ساری

باتیں بھول کر افسانہ تراشنا شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حسنین کریمینؓ کسی جھوٹ کے محتاج نہیں ہیں کہ جھوٹ بول کر ان کی قدر و منزلت بنائی جائے۔ ان کے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت علیؓ بھی نبی کریم ﷺ کے پروردہ ہیں، اولاد بھی ہیں، داماد بھی ہیں، چچا زاد بھی ہیں اور چوتھے خلیفہ برحق بھی ہیں۔ حسنین کریمین اور حضرت فاطمہؓ کے لئے یہی اعزاز کافی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی لخت جگر اور خون جگر ہیں۔ ان کی رگوں میں وہ خون دوڑ رہا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ وہ اس سے بڑی کسی عظمت کے محتاج ہی نہیں اور ان کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے جھوٹ گھڑنے کی ضرورت ہے نہ انہیں کسی کے جھوٹے دلائل کی کوئی احتیاج ہے۔ اللہ نے جو عظمت انہیں دی ہے وہ ان کے لئے بہت بڑی ہے۔

قرآن کے الفاظ کے مطابق اصل واقعہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ہم اپنے بیٹوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو شامل کر لو، ہم اپنی عورتوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنی عورتوں کو شامل کر لو۔ شامل دعا تو کیے جا سکتے ہیں خواہ وہ بارہ سو میل دور بیٹھے رہیں۔ اے اللہ! اگر ہم حق پر ہیں تو ہمیں سلامت رکھ، جھوٹے ہیں تو ہمیں، ہمارے بیٹوں کو، ہمارے مردوں کو، ہماری عورتوں کو سب کو ہلاک کر دے۔ نبی کریم ﷺ نے دعوت مباہلہ دی، دست مبارک نہیں اٹھائے، دعا نہیں فرمائی بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نجران پر عذاب آ گیا تھا اور اس وادی کو آگ نے گھیر لیا تھا۔ اگر وہ دعا کے لئے میرے مقابلے میں ہاتھ اٹھاتے تو اس سے پہلے کہ ان کے ہاتھ نیچے گرتے، وہ خود بھی ہلاک ہو جاتے اور ساری وادی آگ سے بھر جاتی۔ نہ صرف ان کے بیوی بچے اور تمام انسان مرتے بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جانور، چرند پرند مر جاتے، درخت جل جاتے، سبزہ جل جاتا، ساری وادی تباہ ہو جاتی۔ یہ صحیح حدیث موجود ہے۔ لہٰذا، یہاں سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خدانخواستہ اگر میں غلط ہوں تو نہ میں رہوں، نہ میرا کوئی ماننے والا رہے، نہ ان کی اولاد رہے نہ عورتیں رہیں، عالم اسلام ختم ہو جائے اور اگر تم جھوٹے ہو تو پھر تمہارا سارا نظام ختم ہو جائے۔ اس پر وہ لرز گئے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کے مقابلے میں دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے، ہم اسلامی ریاست کی اطاعت قبول کرتے ہیں، ہم جزیہ دیں گے۔ یہ بات صحیح حدیث میں بھی حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی اگر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیتے تو ان کا یہ حشر ہوتا۔

قرآن وحی متلو اور حدیث وحی غیر متلو ہے

یاد رہے! قرآن وہ کلام ہے جو صرف محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن ہے۔ وحی کا روئے زمین پر کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے کہ جب حضور ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی تو میں بھی سن رہا تھا،

یہی آیت اتری ہے۔ **اصدق الصادقین** ﷺ اس معاملے میں اکیلے ہیں۔ صرف محمد رسول اللہ ﷺ نے سنی اور آپ ﷺ نے فرمایا یہ آیت لکھ لو' یہ وحی الٰہی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ میرا رسول ﷺ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝** اپنی پسند سے بات نہیں کرتا۔ **اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝** سوائے اس کے جو اس پر وحی ہو۔ آپ ﷺ وحی کی صداقت پر گواہ ہیں۔ وحی الٰہی محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر گواہ ہے لہٰذا ساری حدیث بھی وحی الٰہی ہے۔ قرآن اور حدیث میں فرق کیا ہے۔ قرآن میں الفاظ بھی اللہ کریم کے ہیں اور معانی بھی اللہ کریم کے ہیں۔ حدیث میں معانی و مفاہیم اللہ کریم کے ہیں' الفاظ نبی کریم ﷺ کے ہیں۔ لہٰذا حدیث کا انکار بھی ویسا ہی کفر ہے جیسا قرآن کا انکار کفر ہے۔ چونکہ قرآن وحی متلو ہے' وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے' اسے ایک کتاب کے طور پر' قرآن کریم کے طور پر منضبط کر دیا گیا۔ حدیث وحی غیر متلو ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ یہ سارا واقعہ حق ہے' یہ حقیقت ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ **وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ** اس لئے کہ اللہ کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں اور یہ سارا واقعہ اللہ ارشاد فرما رہا ہے جو معبود برحق ہے' جس کا فرمایا ہوا ہر لفظ حق ہے۔ **وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝** اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اگر چاہے تو جو بھی آپ سے ضد بازی کر رہا ہے' اسے ابھی تباہ کر دے۔ جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اسے تباہ کر دے۔ جو بھی گناہ کرتا ہے یا اللہ پر ایمان نہیں لاتا اسے تباہ کر دے لیکن وہ حکیم و دانا ہے۔ اس نے ایک نظام بنا دیا' لوگوں کو مہلت دے دی' لوگوں کے سامنے راستے واضح کر دیئے۔ اب اس کی مرضی' اس کی حکمت' وہ دیکھ رہا ہے کہ کون کس راستے پہ چلتا ہے۔ بالآخر اس کی انتہا کو پہنچ جائے گا۔ **فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ؑ** اگر کوئی روگردانی کریں تو اللہ ایسے فسادیوں کو خوب جانتا ہے۔ یہ اللہ سے بھولے ہوئے نہیں' اللہ انہیں رسوا کرے گا' ان پر گرفت کرے گا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا
اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

آپ ﷺ کہہ دیں اے اہل کتاب! اس ایک بات پر آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مشترک) ہے' کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ

کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو تم کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلم (فرمانبردار) ہیں۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

ان آیات کریمہ میں دور حاضرہ کے بڑے اہم سوال کا جواب عطا فرمایا گیا ہے جبکہ دنیا ایک ہو چکی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ کسی دوسرے گوشے سے تنہا نہیں ہے، یعنی پوری دنیا ایک گاؤں، گلوبل ویلج بن گئی ہے۔ ظاہر ہے جب دنیا میں ایک دوسرے کی اطلاعات اور خبریں ملیں گی، معاملات بھی ایک دوسرے سے ہوں گے، تعلقات بھی ایک دوسرے سے بنیں گے۔ جہاں تک آدمی کی بات پہنچتی ہے وہاں تک اس کے معاملات پہنچتے ہیں، اس کے تعلقات پہنچتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں مسلمان غیر مسلم کے ساتھ یا مسلمان اہل کتاب کے ساتھ کیسے تعلقات رکھے۔ یہاں باتفصیل اس سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

مسلمانوں اور اہل کتاب میں توحید قدر مشترک ہے

نبی کریم ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ آپ ﷺ اہل کتاب سے فرما دیجئے۔ کفار میں سرفہرست تو اہل کتاب ہیں جن پر کتاب نازل ہوئی۔ ان میں دو بڑے گروہ یہود اور نصاریٰ ہیں۔ ان سے فرمائیے: تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور ہمارے پاس بھی اللہ کی کتاب ہے۔ جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے، حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور آقائے نامدار ﷺ تک جس قدر طویل سلسلہ انبیاء کا ہے، اللہ کے ان تمام مقرب بندوں نے توحید باری کی طرف دعوت دی۔ جتنی کتابیں نازل ہوئیں سب کی بنیادی دعوت اللہ کی توحید کی طرف تھی۔ اختلاف اگر ہے تو یہود نے حضور ﷺ کی نبوت کو قبول نہ کیا، عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن موسیٰ علیہ السلام کو تو نبی مانتے ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو مانا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت کا اقرار نہیں کرتے لیکن جو کتاب عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اسے تو مانتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی، یہود اسے مانتے ہیں۔ تورات میں بھی، انجیل میں بھی بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ واحد ہے، لاشریک

ہے، وہ خالق ہے باقی سب مخلوق ہے۔ وہ جو سب سے اعلیٰ، سب پر غالب، ہر ایک کے حال سے واقف، ہر بات پہ قادر، کسی کا محتاج نہیں، صرف وہ عبادت کے لائق ہے۔ جو انتہائی عظمت کا مالک ہے، وہ حق رکھتا ہے کہ اس کے سامنے اپنی عاجزی بیان کی جائے۔ عبادت انتہائی تذلل، انتہائی عاجزی کا نام ہے جو کسی عظیم ہستی کے سامنے اپنی ذات، اپنی ضروریات اور اپنی بقاء کے لئے کی جاتی ہے۔ تو عبادت کا مستحق وہی ہے جو سب سے اعلیٰ، سب کے حال سے واقف، سب کی ضرورتیں پوری کرنے والا اور قادر مطلق ہے۔ کسی کی مدد کی احتیاج نہیں رکھتا۔ اے اہل کتاب! اس ایک بات پہ تو اتفاق ہو سکتا ہے۔

صدقات واجبہ کا مصرف

جو صدقات واجبہ ہیں، فرض ہیں جیسے زکوٰۃ یا عشر، یہ غیر مسلم پر خرچ نہیں کئے جائیں گے، یہ مسلمان غریب کا حق ہے۔ مسلمان ملک کی حکومت، مرکز کا فرض ہے کہ صدقات واجبہ کو جمع کرے اور ان کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ان لوگوں پہ خرچ کیا جائے جو اللہ کی راہ میں دن رات کام کرتے ہیں اور اپنی مزدوری کے لئے وقت نہیں نکال سکتے۔ پڑھنے پڑھانے والے لوگ، دینی مسائل بتانے والے لوگ، ایسے لوگ جو شب و روز اللہ کے دین کا کام کر رہے ہیں اور ان کے پاس اپنی نوکری، ملازمت یا تجارت کے لئے وقت نہیں بچتا۔

اس میں بھی تخصیص کی گئی ہے۔ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ ایسے لوگ جو لوگوں سے چمٹ چمٹ کر مانگتے نہیں پھرتے بلکہ اللہ کے بھروسے پر اللہ کے دین اور مخلوق کی بہتری کا کام کئے جا رہے ہیں۔ آپ انہیں چہروں سے پہچان سکتے ہیں، ان کی کارکردگی سے پہچان سکتے ہیں۔ اس میں وہ لوگ خارج ہو جاتے ہیں جو اخبار میں اشتہار دیتے ہیں کہ چرم ہائے قربانی فلاں کو دیجئے، زکوٰۃ کے پیسے فلاں کو دیجئے۔ جس کو رسالہ بھیجتے ہیں اس کے ساتھ ایک منی آرڈر فارم بھی ہوتا ہے جس پر ان کا واپسی پتہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ صدقات قربانی ہمیں دیجئے۔ بیشک وہ دین کا کام کر رہے ہیں لیکن قرآن نے انہیں اس گروہ سے خارج کر دیا ہے۔ جو لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ جو چمٹ چمٹ کر لوگوں سے مانگتے نہیں پھرتے۔

مانگنے والوں نے تو پیشہ بنا لیا ہے۔ وہ صرف دین پہ خرچ نہیں کرتے بلکہ اس سے عیاشی بھی کرتے ہیں، اچھا کھاتے پیتے بھی ہیں۔ قرآن نے اس کا سدباب کیا ہے کہ جو لوگ دین کا کام کرتے ہیں انہیں یہ نہیں چاہیے کہ وہ لوگوں پہ بوجھ ڈالیں۔ حق یہ ہے کہ اپنی محنت سے روزی پیدا کریں، رزق پیدا کریں اور اسے دین پر خرچ کریں۔ اگر آپ اتنے مصروف ہیں کہ کام نہیں کر سکتے تو اللہ رازق ہے۔ اس پہ بھروسہ کریں، کام کئے جائیں وہ آپ کی روزی کا انتظام کر دے گا۔ اس نے دوسرے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جو صاحب حیثیت ہیں،

صاحب جائیداد ہیں، ان پر عشر اور زکوٰۃ واجب ہے، مرکز ان سے وصول کرے اور پہلے ان لوگوں پر خرچ کرے جو اللہ کی راہ میں پابند ہو گئے ہیں۔ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دین کا کام کر رہے ہیں اور اپنی محنت مزدوری کے لئے ان کے پاس کوئی لمحہ نہیں بچتا کہ وہ کام کر سکیں۔ اس پر بھی قید لگا دی کہ یہ جو مانگنے والے ہیں، جو اشتہار دیتے ہیں، جو چندے کے سفیر بھیجتے ہیں، جو گھر گھر مانگتے پھرتے ہیں، وہ اس میں شامل نہیں ہیں۔ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ

صدقات نافلہ کا مصرف عمومی ہے

بعض اوقات آدمی اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے کہ مجھے اتنی آمدن ہوئی ہے، اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں دے دوں۔ میں نے پیٹ بھر کے کھایا ہے، کسی غریب مسکین کا بھی پتہ کر لوں، کسی بیمار کا علاج کرا دوں۔ نفلی صدقات مطلق سب انسانوں کے لئے ہیں، اس میں کافر مومن کی تمیز نہیں ہے۔ ایک کافر بیمار ہے تو آپ اس کا علاج کرائیں، اللہ کریم اجر دے گا۔ ایک کافر کا بچہ پڑھنا چاہتا ہے، آپ اسے پڑھائیں، اس کی مدد کریں۔ اسے علم ملے گا تو شاید اسے شعور بھی ملے اور ہو سکتا ہے ہدایت بھی مل جائے۔ یہ جتنے عمومی کام ہیں، کسی کا گھر گر گیا ہے اس کی مدد کی جائے، کوئی بیمار ہے اس کا علاج کرایا جائے، کسی کا بچہ پڑھتا ہے، کسی کے گھر میں کھانے کو نہیں ہے، اسے دیا جائے، ان میں کفار کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے۔ یہ بالکل درست ہے۔ اگر آپ کافر کی مدد کریں گے تو اللہ کریم اجر دے گا۔

غیر مسلم کے تعلقات سے عقائد متاثر نہ ہوں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہود کے ساتھ لین دین کیا ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے کیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہود سے ادھار لیا ہے اور واپس کیا ہے۔ معروف واقعات ہیں۔ غیر مسلموں سے لین دین کرنا، کاروبار کرنا، تجارت کرنا، ملازمت کرنا، یہ عقیدے کو متاثر نہ کریں یعنی مومن اور کافر کے تعلقات کی حد یہ ہے کہ اس میں دین نہ آئے، معاملات دنیا ہی رہیں۔ دلی انس، دلی محبت، عقیدت غیر مسلم سے نہیں ہو گی۔ غیر مسلم پہ بحیثیت انسان شفقت ہو گی۔ آپ جانوروں پہ شفقت کریں تو بھی اللہ کریم راضی ہوتا ہے۔ پرندوں پہ شفقت کریں تو اللہ کریم راضی ہوتا ہے۔ انسان تو پھر انسان ہے۔ مومن اور غیر مسلم کے تعلقات کی نوعیت یہ ہو گی کہ جہاں دین درمیان میں نہیں آتا، وہاں تک کوئی ممانعت نہیں۔ آپ کسی غیر مسلم کے پاس ملازمت کر رہے ہیں یا آپ کسی غیر مسلم کی مزدوری کر رہے ہیں یا کسی غیر مسلم کو آپ نے مزدوری پہ رکھ لیا ہے یا ملازم رکھ لیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ صدقہ نافلہ کے ذریعہ کسی غیر مسلم محتاج کی مدد کرتے ہیں، ضرورت پوری کرتے ہیں، بیمار کا علاج کراتے ہیں تو یہ سارے بھلائی اور نیکی کے کام ہیں۔ اللہ کی رضا کے لئے انسان کی جو

مدد کی جاتی ہے، وہ سب سے افضل اور سب سے بہتر کام ہے لیکن جب بات ایمانیات کی آئے گی تو غیر مسلم کے تعلقات سے ایمان متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا انہیں کہیے کہ تمہاری اپنی کتابوں میں بھی اللہ کی توحید موجود ہے۔ بنیادی دعوت اللہ کی توحید کی طرف ہے لیکن یہودیوں نے اپنی کتاب اور اپنے نبی سے بھی انحراف کر کے یہ کہہ دیا۔ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی اپنی کتاب سے تجاوز کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ تو ان سے کہیے تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کم از کم جو بات قدر مشترک ہے، قرآن بھی توحید باری کی طرف دعوت دیتا ہے، انجیل بھی توحید باری کی طرف دعوت دیتی ہے، تورات بھی توحید باری کی طرف دعوت دیتی ہے، عیسیٰ علیہ السلام نے بھی عظمت الٰہی کی طرف دعوت دی، موسیٰ علیہ السلام نے بھی عظمت الٰہی کی طرف دعوت دی۔ آیئے اس بات پہ ہم آپس میں متفق ہو جائیں۔

وہ بات کیا ہے جس پہ ہم سب برابر یقین رکھتے ہیں اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا اور کسی چیز کو رائی برابر بھی اس کی ذات یا اس کی صفات میں شریک نہ کریں۔ یہ دعوت قرآن دے رہا ہے اور بزبان محمد رسول اللہ ﷺ دے رہا ہے۔ حضور ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ یہ دعوت دیجئے۔ تعلق اور معاملات کی بات تو تب ہوگی جب اس بنیادی بات پہ کوئی متفق ہوگا اور اگر عقیدے میں ہی، اس بنیادی بات پہ کوئی متفق نہیں ہوتا تو اس سے آگے تعلقات کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

توحید کا اعتراف عقل انسانی کی مجبوری ہے

توحید باری سے لوگ کیوں بھٹکتے ہیں؟ برصغیر میں ہندوؤں کی بڑی قوم ہے جن کے آگے مختلف فرقے ہیں۔ جین مت ہے، بدھ مت ہے لیکن بنیادی طور پر سارے ہندو ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں بات بات پہ کوئی دیوی دیوتا نکل آتا ہے۔ اولاد دینے والا دیوتا، مینہ برسانے والا، خوشیاں دینے والا حتیٰ کہ قتل کرنے والا دیوتا بھی ہے۔ عجیب بات ہے کہ جو بیماری آتی ہے اس کے لئے بھی دیوتا مقرر ہیں۔ کوئی قتل ہو جاتا ہے، کسی کے ساتھ ظلم ہوتا ہے تو وہ کالی ماتا کے سر جاتا ہے اور اس کی پوجا بھی ہوتی ہے۔ اس کا بت ایسا بنایا ہوا ہے کہ سرخ زبان ٹھوڑی تک لٹکی ہوئی ہے، رنگ کالا ہے، ایک ہاتھ میں تلوار یا خنجر ہے اور ایک ہاتھ میں کٹا ہوا سر ہے۔ ان سب کے باوجود ان کو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ایک سب سے بڑا دیوتا مہادیو ہے جو سب دیوتاؤں کا بھی دیوتا ہوتا ہے۔ سارے اس کے محتاج ہیں اور سب اس کی عبادت کرتے ہیں۔ یعنی عقل انسانی مجبور ہو کر توحید باری پہ جا

کے رکتی ہے۔ جب رشی' اوتار آئے اور چلے گئے تو پھر کون ہے جو یہ سب کچھ کر رہا ہے اور ان سب کے پاس کس کی طاقت ہے؟ آخر ایک ہستی یعنی اللہ کو ماننا پڑتا ہے خواہ کسی بھی نام سے کوئی مانے۔ اگر نہ مانے تو تسلسل لازم آتا ہے کہ اس کو کس نے دیا' فلاں نے دیا تو اس کو کس نے دیا' اس طرح تو یہ سوال ختم ہی نہیں ہوتا۔ چلتا جاتا ہے آخر ایک ہستی آ جاتی ہے جو کسی کی محتاج نہیں' کسی نے اس کو کچھ نہیں دیا' وہ خود سب کو سب کچھ دے رہی ہے۔ عقل سے مجبور ہو کر ماننا پڑتا ہے اور یہ اس کی عظمت کا کمال ہے کہ بغیر مانے چارہ نہیں۔

اللہ پر ایمان کا حقیقی مفہوم

عقل اگر عاجز آ جائے' اس کے پاس کوئی چارہ نہ رہے اور وہ مان بھی لے تو نہ وہ اس ذات کو پہچان سکتی ہے' نہ اس کی صفات کو پہچان سکتی ہے۔ ماننا اس طرح جائے گا جس طرح رسول اللہ ﷺ منواتے ہیں۔ ہمارے فقہاء نے ایمان کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ آپ بچے کو جب اللہ کا تصور دیتے ہیں تو اسے یہ بتائیں کہ میں اللہ کی ذات کو' اس کی صفات کو ویسا مانتا ہوں جس طرح حضرت محمد ﷺ نے' جو مکہ میں حضرت عبداللہ کے گھر پیدا ہوئے اور ہجرت فرما کر مدینہ منورہ مقیم ہوئے' اس کی ذات اور صفات منوائیں۔ یہ ایمان کی بنیاد ہے۔

عقلاً تھک ہار کر رک جانا کہ کوئی ایسی ہستی ہے' یہ اور بات ہے اور اس کو پہچان لینا' اس کی معرفت حاصل کرنا' اس کو جان لینا' یہ دوسری بات ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ جس نے مانا' اس کی عقل نے لاجواب ہو کر مانا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل

اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ عقل کو آخر عاجز آ کر ایک ایسی ہستی ماننی پڑتی ہے جو کسی سے کچھ نہیں لیتی۔ سب کچھ اپنے پاس سے عطا کرتی ہے۔ ایمان یہ ہے کہ اللہ کو ویسا مانا جائے جیسا وہ ہے اور یہ بات صرف اللہ کا رسول ﷺ بتاتا ہے۔ جب معرفت الٰہی بوساطت نبی ﷺ نصیب ہوتی ہے تو آدمی اللہ کے سوا باقی ساری مخلوق سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اسے پتہ ہے کہ میرے دکھ سکھ وہ جانتا ہے' میری مصیبتیں وہ جانتا ہے' میری پریشانیاں اس کے علم میں ہیں' میری ضرورتیں اس کے علم میں ہیں' مجھے نہیں پتہ لیکن وہ جانتا ہے۔ میری ضرورتیں وہ ذاتی طور پر پوری کر سکتا ہے۔ اس نے کسی دوسرے کی احتیاج چھوڑی ہی نہیں۔ وہ ہر وقت میری جان سے زیادہ میرے قریب ہے۔ مجھے اسے بتانے کے لئے کہیں جانا نہیں پڑتا' مجھے صرف دل اور روح کا رشتہ اس سے استوار رکھنا ہے۔ کیسے رکھنا ہے؟ وہ طریقہ بھی اللہ کے رسول ﷺ نے بتا دیا کہ آپ اس کی عبادت کریں گے' جیسے اس نے بتایا ہے۔ سنت کے مطابق جب آپ عبادت کریں گے تو ہر سجدہ' ہر رکوع' ہر

قیام، عبادت کا ہر لفظ آپ کو اس کی معرفت اور اس کے قرب کا احساس دلاتا جائے گا اور آپ کا ایک رشتہ اس ہستی کے ساتھ بنتا چلا جائے گا۔

ثواب کیا ہے

جتنا جتنا رشتہ اللہ سے مضبوط ہوتا جائے گا، اتنا اتنا آپ کے اخلاق سے لے کر کردار تک کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔ آپ اپنے آپ کو جتنا اللہ کے قریب محسوس کریں گے، اتنا اللہ کی نافرمانی سے ڈریں گے اور قرآن نے عبادت کا یہی ثواب بتایا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِؕ نماز بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے۔ بے حیائی کی سوچ ہو یا اس پر عمل ہو، برائی کی فکر ہو یا اس پر عمل ہو، برائی عقیدے کی ہو، قلب کی ہو یا عمل کی ہو، نماز ہر بے حیائی ہر برائی سے روکتی ہے۔ اس لئے کہ وہ معرفت الٰہی دیتی ہے۔ یہ یقین نصیب ہوتا ہے کہ اللہ موجود ہے۔ اب اللہ کے روبرو کوئی بے حیائی کا کلمہ کیسے نکالے۔ اللہ کے روبرو کوئی اس کی نافرمانی کیسے کرے۔ یوں ایک رشتہ رب العلمین سے بنتا ہے۔ لیکن جو یہاں ہی الگ ہو جائے اور اللہ کے علاوہ اپنی ضرورتیں کسی دوسری ذات سے جوڑ لے تو اس کی اصلاح کیونکر ہو؟

اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کو رب بنانا

توحید کو عقلاً مانتے ہوئے بھی لوگ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ اس پہ ایمان نہیں لاتے کہ انہوں نے کسی دوسرے کو اپنا رب مان لیا ہوتا ہے۔ لَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِؕ ہم اللہ کے سوا ایک دوسرے کو آپس میں اپنا رب نہ بنائیں۔ رب کون ہوتا ہے؟ رب وہ ہوتا ہے جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر جگہ ہر وقت پوری کر رہا ہو۔ اب اگر یہ یقین اللہ کے ساتھ ہو جائے تو پھر وہ عاجزی، وہ تذلل جو اللہ کا حق ہے، وہ بندہ کسی دوسرے کو نہیں دے گا، صرف اللہ ہی کو دے گا۔ امور دنیا میں ایک دوسرے سے سابقہ پڑتا ہے لیکن وہ حد رہے گی کہ جہاں تک تعلق کی اللہ نے اجازت دی وہاں تک میں رکھوں گا، جہاں سے اللہ روک دے گا میں اس سے آگے نہیں بڑھوں گا۔ اس لئے کہ میری حاجات کسی فرد نے نہیں، رب العلمین نے پوری کرنی ہیں۔ جب اللہ کی ذات کے ساتھ یہ یقین دل میں نہیں ہوتا، اللہ پر بھروسہ نہیں رہتا کہ وہ میرا یہ کام کر دے گا۔ جب امیدیں غیر اللہ سے وابستہ ہوتی ہیں تو جس سے بندہ امید وابستہ کرتا ہے اس کی بات بھی مانتا ہے، اس کا احترام بھی کرتا ہے۔ جب بندہ اللہ کی بات چھوڑ کر اس کی بات مانتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کو اپنا رب مان لیا۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بیشتر دکانداروں اور کاروباری حضرات نے تو اپنے کاروبار اور دکان کو رب مان رکھا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ اذان ہوتی ہے، نماز کا وقت گزر جاتا ہے اور

یہ دکان سے نہیں اٹھتے کہ فارغ ہوتا ہوں تو پڑھ لیتا ہوں۔ گویا نماز کی ثانوی حیثیت ہے اور اوّلیت دکان کو ہے۔ وہ فرماتے تھے پھر اس کا رب تو دکان ہے یعنی اسے زندگی کی بقا اور اپنی ضروریات کی تکمیل کی زیادہ امید تو دکان کے ساتھ ہے۔ اللہ کی طرف سے بلاوا آیا' اس نے سنا لیکن گیا نہیں کہ اگر فرصت نہ ملی تو چلو پھر سہی' ایک آدھ نماز رہ بھی گئی تو خیر ہے۔ اکثر تو پڑھتے ہی نہیں۔ اس طرح لوگ جب اپنی امیدیں ایک دوسرے سے وابستہ کرتے ہیں تو یہاں سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی اطاعت چھوڑ کر پھر اس کی اطاعت اختیار کی جاتی ہے جس سے امید وابستہ ہے۔

اسباب اختیار کریں لیکن امید اللہ سے ہو

ہر بات کو ماننے کے دو پہلو ہوتے ہیں' ایک مثبت اور ایک منفی۔ مثبت یہ ہوتا ہے کہ اس کا اقرار کیا جائے۔ منفی یہ ہوتا ہے کہ اس کے خلاف جو کچھ ہے اس کا انکار کیا جائے۔ ہم اللہ کی عظمت کا اقرار بھی کریں اور ساتھ اپنی حاجات دوسروں سے وابستہ بھی رکھیں تو وہ اقرار قابل قبول نہیں ہوگا۔ یہاں انکار بھی کرنا پڑے گا کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا میری حاجت براری نہیں کرسکتا۔ انسان کے لئے یہ مشکل وقت ہوتا ہے جب اسے یہ کہا جاتا ہے کہ تم عالم اسباب میں ہو' تم دنیا میں ہو' اسباب اختیار کرو۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے مزدوری کرو' آسمان سے آٹے کی بوریاں نہیں برسیں گی' کام کرو' محنت کرو۔ رزق حلال کے لئے جو محنت کی جاتی ہے وہ اسی طرح فرض عین ہے جس طرح نماز روزہ حج زکوٰۃ فرض عین ہے اور اس کا اتنا ہی ثواب ہے جتنا کسی بھی فرض کی بجا آوری کا ثواب ہے۔ لہٰذا دنیا کے اسباب بھی اختیار کرنا پڑیں گے' محنت کرنا پڑے گی' کوشش کرنا پڑے گی۔ ایمان یہ ہے کہ کوشش میں کمی نہ رہے لیکن نتائج کی امید اپنی محنت سے وابستہ نہ کرے' امید اللہ سے وابستہ کرے۔

یہاں آ کر معاملہ نازک ہو جاتا ہے۔ بندہ جب تھوڑی سی کاوش کرتا ہے تو اسے اپنی کاوش پہ ناز ہو جاتا ہے کہ یہ کام تو میری محنت سے ہو گیا۔ جیسے قارون نے کہا تھا کہ میں نے خزانہ تو اپنی دانش اور اپنی محنت سے بنایا ہے' اللہ کے نام پر زکوٰۃ کیوں دوں؟

ہر ذرہ ہے خود محو نمائی

ہر ذرے کی اپنی ایک انانیت ہے۔ وہ سمجھتا ہے میں بہت کچھ ہوں۔ انسان ان گنت ذرات کا مجموعہ ہے۔ انسان کے وجود کے ایٹمز' اس کے ذرات گننے لگیں تو آپ شمار نہیں کر سکتے۔ ہر ذرہ جب خودنمائی پہ آتا ہے تو کتنے ذرات سے دماغ دل ذہن اور وجود بنتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کتنی بڑی انا کا مجموعہ ہے۔ جب معاملہ سلجھ جاتا ہے تو کہتا ہے یہ میں نے کیا۔ جب بگڑ جاتا ہے تو کہتا ہے اللہ کو یہی منظور

تھا۔ یعنی خرابی کرنے والا اللہ ہے، بگاڑنے والا اللہ ہے اور بنانے والا یہ خود ہے۔ جب اللہ کی عظمت کی صحیح پہچان دل میں نہیں ہوتی تو معاملہ یہ ہوتا ہے کہ

بات بن جائے تو شان یہ تدبیر کی ہے
گر بگڑ جائے خطا کاتب تقدیر کی ہے

ہم مسلمانوں نے تو یہ نسخہ پکا یاد کر رکھا ہے کہ جب کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں اللہ کی طرف سے ہے۔ جب نفع ہوتا ہے تو کہتے ہیں میں نے محنت کی، میری دانش کی داد دو، میری تدبیر کو سراہو، دیکھو میں نے کتنا کارنامہ سرانجام دیا۔ یہاں آ کے توحید باری کا پتہ چلتا ہے کہ محنت بھی پوری جانفشانی سے کرے، اسباب بھی سارے اختیار کرے اور کامیابی ہو تو کہے اللہ نے کام کر دیا۔ میں نے تو صرف اسباب جمع کئے تھے، میں نے تنکے اکٹھے کئے تھے، ان سے گھر اور گلشن اس نے بنا دیا۔ میں نے تو کھاد اور مٹی ڈالی تھی، اس میں گل اس نے اگا دیئے۔ میں نے تو اس کی اطاعت کی تھی، میں نے تو اس کی رضا کے لئے محنت کی تھی، نتیجہ اس نے عطا فرمایا۔ اگر اپنی پسند کے خلاف نتیجہ آیا تو یہ یقین ہو کہ یقیناً جو میں مانگ رہا تھا وہ میرے لئے مفید نہیں تھا۔ جو اللہ نے دیا ہے وہ میرے لئے بہترین ہے، اس لئے کہ وہ میری بہتری چاہتا ہے۔ ہر وقت اس کی رحمت ہے مجھ پر، اس کی شفقت ہے مجھ پر، وہ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ہے، وہ بہت بڑا رحم کرنے والا ہے، اس کی رحمت نے جو عطا فرمایا وہ میرے لئے بہتر ہے۔

مومن کی کوئی دعا رائیگاں نہیں جاتی

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ مومن کی کوئی آرزو، کوئی خواہش، کوئی دعا رائیگاں نہیں جاتی، سب قبول ہوتی ہیں۔ جو بہتر ہے وہ عطا کرتا ہے، جو مانگنے والے کے حق میں بہتر نہیں وہ نہیں دیتا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں بعض اوقات جو مانگتا ہے فوراً مل جاتا ہے۔ بعض اوقات ہم جو مانگتے ہیں، وہی مل جاتا ہے لیکن کچھ تاخیر سے ملتا ہے کہ اس کا ہمارے لئے مناسب وقت وہ ہوتا ہے جب وہ ملتا ہے۔ بعض اوقات مانگتے کچھ اور ہیں، ملتا کچھ اور ہے جیسے بچہ ماں سے چھری لینے کے لئے ضد کرے تو وہ چھری دینے کی بجائے اسے بسکٹ پکڑا دے۔ قدرت وہ بدل دیتی ہے کہ تم بے وقوف ہو، جو مانگ رہے ہو اس سے تباہ ہو جاؤ گے۔ دعا رائیگاں نہیں جاتی، کوئی متبادل چیز مل جاتی ہے۔ اگر کچھ بھی نہ ملے تو حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ دعا اللہ کریم اپنے پاس رکھ لیتے ہیں کہ میرے بندے نے مجھے پکارا تو تھا۔ عرصہ محشر میں کچھ لوگ ہوں گے جن کا حساب کتاب ہو جائے گا اور فرشتے بارگاہ الوہیت میں عرض گزار ہوں گے کہ یا اللہ اس کے اعمال ہم نے تول لیے۔ ارشاد ہو گا، میرے

پاس بھی اس کے اعمال، اس کی امانتیں ہیں اور وہ دعائیں ہوں گی جن کا بدلہ اسے دنیا میں نہیں دیا گیا۔ اللہ کریم جب وہ عطا فرمائیں گے تو کتنے بھی گناہ ہوں گے وہ دعائیں اس سارے وزن کو ہلکا کر دیں گی اور اس کی نجات کا سبب بن جائیں گی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے مستجاب الدعوات لوگ اس دن آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کوئی دعا قبول نہ ہوتی اور آج کام آتی۔ بندۂ مومن کی کوئی آرزو ضائع نہیں جاتی لیکن ایمان جب کمزور پڑتا ہے یا ہاتھ سے چلا جاتا ہے تو بے شک اللہ کا بندہ ہونے کا دعویٰ کرتا رہے لیکن امیدیں غیر اللہ سے وابستہ کر لیتا ہے۔ کوئی دولت مندوں سے، کوئی صاحب اقتدار سے، کوئی فرضی طاقتوں سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں یا ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر لیتے ہیں۔ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ ط ہم ایک دوسرے کو اپنا حاجت روا، پروردگار، ضرورتیں پوری کرنے والا نہ مانیں۔

اتحاد بین المذاہب کی بنیادی شرط

اتحاد اور مکالمہ بین المذاہب کہنے کو تو بڑی اچھی بات ہے لیکن جو لوگ مکالمہ بین المذاہب اور اتحاد بین المذاہب کی بات کرتے ہیں تو ان کے گھر میں اتحاد نہیں ہوتا۔ بین المذاہب اتحاد کے یہ سارے کھوکھلے نعرے ہیں۔ حقوق نسواں کا بل پاس کر دو۔ کیا بل پاس کرنے سے حقوق نسواں مل جائیں گے؟ کروڑوں لوگ جن کی بیٹیاں اور بیویاں سارا سارا دن بھٹوں پہ اینٹیں بنا رہی ہیں تو حقوق نسواں نے ان کو کیا دیا؟ یہ روز جو آبروریزی ہوتی ہے، لوگ خواتین کو اٹھا کر لے جاتے ہیں تو حقوق نسواں بل آڑے کیوں نہیں آتا؟ جو قوم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ پڑھتی ہو اور جس کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہو، اسے عمل کرنے کے لئے کسی بل کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کتاب اللہ ہاتھ میں ہو، سنت رسول ﷺ سامنے ہو اور خود میدان عمل میں ہو۔ بندۂ مومن کو کسی بل کی ضرورت نہیں۔ مدینہ منورہ کی اسمبلی میں کونسا بل پیش ہوا تھا؟

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط جہاں اس میں خوشخبری ہے وہاں تنبیہ بھی ہے کہ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ میں نے ساری نعمتیں تم پر مکمل کر دیں۔ اب اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دین سے باہر نکلو گے تو نعمتیں دین میں رہ جائیں گی اور تم اکیلے ہو جاؤ گے۔ قرآن خود قانون ہے۔ سب سے بڑی Legislation تو خود قرآن ہے۔

قرآن نے اس جھمیلے کو بڑی آسانی سے حل فرمایا ہے کہ اگر آپ اتحاد بین المذاہب چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ان مذاہب سے بات کیجئے جن کے پاس کتاب موجود ہے۔ انہیں کہیے کہ آؤ اس ایک نقطے پہ متحد ہو جائیں جو ساری کتابوں میں ہے۔ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اگر وہ

اس پہ ہی نہیں آتے اور کہتے ہیں یسوع مسیح ہمارا رب ہے' ہمارا خدا عزیر علیہ السلام ہے تو پھر آپ کا اتحاد کیسے چل سکے گا! یعنی جو بنیادی بات ہے' اسی پر اتحاد نہیں ہوگا۔ لوگ توحید باری پہ متفق کیوں نہیں ہوتے؟ اس لئے کہ اللہ کی عظمت سے آشنا نہیں ہیں' اپنی امیدیں دوسروں سے وابستہ کر لیتے ہیں اور جس سے امید وابستہ کی جاتی ہے اس کی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا حاجت روا سمجھنا چھوڑ دیں تو بات صاف ہو جاتی ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر پھر بھی بات نہ مانیں تو کیا کریں؟ اللہ اور اس کے حبیب ﷺ نے اتحاد بین المذاہب کا کلیہ تو بتا دیا' خود حضور ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اہل کتاب سے کہہ دیجئے اور اگر وہ آپ ﷺ کی یہ بنیادی بات تسلیم نہیں کرتے تو آپ ﷺ انہیں یہ فرمایئے کہ پھر گواہ رہنا' ہم تو اللہ کو اور اللہ کے حکم کو قبول کرتے ہیں' ہم توحید پہ قائم ہیں۔ تم بھی گواہ رہنا کہ تم میں اور ہم میں اتحاد کیوں نہیں ہوتا' ہم اور تم اکٹھے کیوں نہیں ہوتے؟ اس لئے کہ تم اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے قائل ہو اور ہم توحید باری کے قائل ہیں۔ یہ بات قیامت کو تم بھی بتانا۔ اور اگر اللہ کو چھوڑ کر' دین کو چھوڑ کر' دامن مصطفوی ﷺ کو چھوڑ کر آپ اتحاد چاہتے ہیں تو یہ اتحاد نہیں' یہ گمراہی ہے۔ اتحاد ہدایت' نیکی اور بھلائی پر ہوتا ہے۔ اگر دس بندے ڈاکے مارنے پہ متحد ہو جائیں تو اسے اتحاد اور اتفاق نہیں کہتے' وہ برائی پر جمع ہوئے ہیں۔ اتحاد و اتفاق نیکی پہ ہوتا ہے۔

اگر آپ پوری دنیا میں اتحاد چاہتے ہیں تو پوری دنیا سے کہیں کہ اللہ کی توحید کو مانیں' اس کا اقرار تو کریں۔ جو اللہ ہی کو نہیں مانتا' آپ اس پہ صدقے واری کیوں جا رہے ہیں؟ آپ تو اللہ کو ماننے والے ہیں۔ ان سے کہیے اگر وہ اس بات پہ نہیں آتے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر اس سے روگردانی کرتے ہیں فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ پھر ان سے کہہ دیجئے کہ گواہ رہنا' ہم تو اللہ کو ماننے والے ہیں۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝٦٥ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ
عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝٦٦ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا
مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝٦٧ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ

اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَدَّتْ
طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۗ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ ع ٨ ١٥

اے اہل کتاب! تم ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ اور نہیں نازل کی گئی توریت اور انجیل مگر ان کے بعد، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ہاں! تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اس میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں علم تھا۔ تو اب کیوں جھگڑتے ہو اس میں جس کا تمہیں کچھ علم نہیں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیمؑ نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، (بلکہ) وہ حنیف (سب سے رخ موڑ کر اللہ کے ہو جانے والے) مسلم (فرمانبردار) تھے اور وہ مشرکوں سے نہ تھے۔ بیشک ابراہیمؑ سے سب لوگوں سے زیادہ مناسبت ان لوگوں کو ہے جنہوں نے ان کی پیروی کی، اور یہ نبی، اور وہ جو ایمان لائے، اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔ اہل کتاب کی ایک جماعت چاہتی ہے کاش! وہ تمہیں گمراہ کر دیں۔ اور وہ اپنے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتے اور وہ سمجھتے نہیں۔ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو؟ اے اہل کتاب! تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ کیوں ملاتے ہو؟ اور تم حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں جب اسلام پھیلنا شروع ہوا اور لوگ اسلام کے نور سے بہرہ ور

ہونے لگے تو مشرکین تو خیر مخالفت کرتے ہی تھے لیکن جو اہل کتاب دین کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے، انہوں نے بہت زیادہ مخالفت کی اور خصوصاً یہودیوں نے بے پناہ مخالفت کی۔ قرآن کریم میں یہ بات ملتی ہے کہ نصاریٰ مسلمانوں کے لئے یہودیوں کی نسبت کم ضرررساں تھے۔ ان میں بعض اچھے لوگ بھی تھے لیکن یہودیوں نے تو مخالفت کی انتہا کر دی۔ اس جھگڑے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام نامی کی بہت شہرت تھی اور انساب عرب میں بھی ان کا تذکرہ ملتا تھا۔ ان کے حالات سے عوام الناس واقف تھے اور عوام کے دلوں میں ایک عظمت وعقیدت تھی۔ اہل کتاب نے جھگڑے کی بنیاد یہ بنا لی کہ دین ابراہیمی پر تو صرف ہم ہیں۔ فرمایا:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی ذات کو لے کر کیوں جھگڑا کرتے ہو، تم دین ابراہیمی کے پیروکار کیسے ہو سکتے ہو یا تمہارا دین اس سے کس طرح مشابہت اختیار کر سکتا ہے؟ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہماری طرح عقیدہ رکھتے تھے اور وہ یہودی تھے۔ نصرانیوں کا دعویٰ تھا کہ ان کا عقیدہ ہمارے جیسا تھا اور وہ نصرانی تھے۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ یہ تو بے جا بحث ہے۔ ابراہیم علیہ السلام خود صاحب کتاب نبی تھے، موسیٰ علیہ السلام کم وبیش ایک ہزار سال بعد مبعوث ہوئے اور ان پر تورات نازل ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے بھی غالباً ایک ہزار سال بعد تشریف لائے اور وہ بھی صاحب کتاب تھے اور ان پر انجیل نازل ہوئی۔ اپنے اپنے وقت میں دونوں اللہ کے صاحب کتاب نبی اور رسول تھے۔ ابراہیم علیہ السلام تو ان سے بہت پہلے گزر چکے تھے، بھلا وہ ان کے پیروکار کیسے ہو سکتے ہیں؟ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ تم عجیب بات کرتے ہو! تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ جس بات کا تمہیں کچھ علم تھا یعنی دین موسوی، تو اس کے متعلق تمہارا جھگڑنا ایک الگ بات تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تمہیں علم ہی نہیں، اللہ جانتا ہے کہ وہ سیدھے مسلمان تھے، نہ یہودی تھے نہ عیسائی، ان کے متعلق تم کیوں جھگڑتے ہو؟ پھر دوسری عجیب بات یہ ہے کہ تم یہودیوں سے تو دین موسوی اور تورات کی حفاظت نہ ہو سکی اور تم نے اس میں خرد برد کر کے احکام بدل دیئے بلکہ عقیدہ تبدیل کر دیا۔ بنیادی بات، عقیدہ ہے اور پھر اس کے فروعی احکام ہوتے ہیں۔ فروعات پہ تمہارے ساتھ کس طرح بات کی جائے جب تم اصول سے ہی گمراہ ہو گئے، اصل بات سے ہی بھٹک گئے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔

یہودیوں نے بھی توحید باری سے ہٹ کر حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مان کر الوہیت میں شریک کر لیا تھا۔ اولاد والد کے اوصاف میں پورے طور پر شریک ہوتی ہے جیسے انسان کا بچہ انسان ہونے میں کم نہیں ہوتا۔ علم میں کمی ہو سکتی ہے، قوت و طاقت میں کمی ہو سکتی ہے، شکل و صورت میں، خوبصورتی میں فرق ہو سکتا ہے لیکن انسان کا بیٹا انسان ہو گا۔ اس میں انسانی اوصاف ہوں گے۔ اسی طرح اگر اللہ کی بھی اولاد مانی جائے (نعوذ باللہ) تو اولاد بھی الوہیت میں شریک ہو گی۔ اللہ سے کم تر سہی، کمزور سہی، اوصاف میں اللہ جیسا نہ ہو لیکن ذات میں اور الوہیت میں تو شریک ہو گا۔ اللہ تو ان باتوں سے بالاتر ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں، کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ نہ اس کا کوئی والد ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کی ہمسری کا، برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور نبی کریم ﷺ تک یہ جو ایک عقیدہ توحید آ رہا تھا، جس کی تبلیغ اللہ کے ہر نبی ہر رسول نے کی، جو ہر دین کی بنیاد تھا، تم تو وہ بد بخت ہو جن سے عقیدۂ توحید کی حفاظت نہ ہو سکی۔ جب تم اصل کی حفاظت نہیں کر سکتے تو فروعات پر تمہارے ساتھ بات کرنا ہی فضول ہے۔ اس میں تم نے کس قدر غلطیاں کی ہوں گی، کتنی ٹھوکریں کھائی ہوں گی، کتنے گمراہ ہو گئے ہو گے، اس کی بات کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے، نہ نصرانی تھے۔ وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ بلکہ وہ بالکل سیدھے مسلمان تھے۔ یہ جو تم نے اینچ پیچ لگا لئے ہیں، شرک کے عقیدے وضع کر لیے ہیں، جو بدعات وضع کر لی ہیں، کتابوں کو مسخ کر دیا ہے اور اپنی مرضی کے احکام جاری کر دیئے ہیں، ان سب سے بالکل الگ اللہ کو ماننے والے، اس کی توحید، اس کی ذات، اس کی صفات پر خالص اور ٹھوس ایمان رکھنے والے تھے۔ وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ بالکل سیدھے سیدھے مسلمان تھے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ان کے نام کے ساتھ شرک کو جمع کرنا، کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ان کا شرک کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا اور تم نے تو مشرکانہ عقائد وضع کر لئے ہیں۔ تمہارا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے!

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ہاں ابراہیم علیہ السلام کے اگر کوئی قریب تر ہے، ایمانیات میں، عقائد میں، اللہ کے دین میں، اللہ سے محبت میں، اللہ سے تعلق میں، تو یہ وہ لوگ ہیں جو ان کا اتباع کرتے ہیں وَهٰذَا النَّبِىُّ، یعنی آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے ہیں جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام ہی کی طرح کھرے صاف ستھرے دین کی دعوت دی، خالص توحید

کی دعوت دی اور جس میں شرک کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ تم لوگ جو شرک میں مبتلا ہو چکے ہو، اپنا کون سا رشتہ ابراہیم علیہ السلام سے استوار کرنے کا دعویٰ کر سکتے ہو۔ تمہیں تو یہ دعویٰ زیب ہی نہیں دیتا۔ ابراہیم علیہ السلام کے قریب تر تو نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں یا وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے۔ صحابہ کرام، جنہیں شرف صحبت نصیب ہوا یا وہ جو قیامت تک آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور انہیں اتباع محمد رسول اللہ ﷺ نصیب ہوگا۔

سنن ابراہیمی کا اتباع

دین اسلام میں بعض وہ سنن بھی ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھیں، جیسے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا یا، ناخنوں کا اتروانا یا اس طرح کی بعض باتیں جو دین ابراہیمی میں تھیں۔ وہ سنن محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہیں اور ہم بحیثیت امت محمد رسول اللہ ﷺ نبی کریم ﷺ کے اتباع میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ ہم براہ راست ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہیں کرتے نہ اس کے مکلّف ہیں۔ سنن ابراہیمی اگر اختیار فرمائیں تو حضور ﷺ نے اختیار فرمائیں۔ ان کی عظمت، ان کی نبوت و رسالت پہ ایمان لانا ایمان کا تقاضا ہے۔ ہر نبی کو نبی ماننا ایمان کا تقاضا ہے اور کسی بھی ایک نبی کی نبوت کا انکار ایمان سے خارج کر دیتا ہے لیکن ہم اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کا کرتے ہیں۔ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ہم دس ذوالحج کو قربانی کرتے ہیں لیکن اس لئے کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قربانی کی اور قربانی کرنے کا حکم دیا۔ اگر حضور ﷺ نہ کرتے، حکم نہ دیتے تو امت اس کی مکلّف نہیں تھی۔ اس لئے امت جو بھی کرتی ہے، وہ اپنے نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بعض سنن ابراہیمی پسند فرمائیں اور اللہ کے حکم سے انہیں اختیار فرمایا لیکن آپ ﷺ کے اختیار فرمانے سے وہ سنن محمد رسول اللہ ﷺ بن گئیں اور مومنین ان کا اتباع کرتے ہیں۔

اتباع سنن میں خصوصی برکات

ہر عبادت کی ایک کیفیت ہوتی ہے جو من جانب اللہ وارد ہوتی ہے۔ انوارات و برکات، تجلیات الٰہی ہر رکن دین پر نازل ہوتے ہیں۔ جہاد پہ الگ، تبلیغ پہ الگ، رکوع و سجود پہ الگ، قربانی پہ الگ، طرح طرح کی رحمتیں اور برکات نازل ہوتی ہیں۔ یہ قربانی کی ایک عجیب مثال تھی کہ بڑھاپے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک لخت جگر عطا ہوا اور وہ بھی ایسا درخشاں پیشانی والا جس کی پیشانی سے نور محمد ﷺ شعلہ زن تھا۔ اسے قربان کرنے کا حکم ہوا تو آپ علیہ الصلوٰۃ السلام نے اس کی گردن پہ چھری چلا دی۔ کس طرح کی رحمتیں نازل ہوئی ہوں گی! نبی کریم ﷺ نے بحکم الٰہی اس سنت کو اپنایا۔ قربانی کرنے والا ایک جانور ذبح کرتا ہے، گائے بیل بکرا

دنبہ ذبح کرتا ہے تو اس جانور کی قربانی پر اسے ان رحمتوں سے حصہ نصیب ہوتا ہے جو قربانی کی بنیاد رکھنے والے اللہ کے خلیل علیہ السلام پر اور ذبیح اللہ علیہ السلام پر نازل ہوئیں۔ ان رحمتوں میں وہ شریک ہوتا ہے۔ یہ اللہ کریم کا کتنا بڑا احسان ہے۔

اسی طرح حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیاس سے پریشان ہو کر پانی کی تلاش کے لئے صفاء اور مروہ پہ جو دوڑ لگائی تو وہ اللہ کو ایسی پسند آئی کہ فرمایا' اس انداز سے ان پہاڑوں پہ جہاں وہ دوڑی ہیں وہاں دوڑو' جہاں وہ چلی ہیں وہاں چلو اور جتنے چکر انہوں نے لگائے وہ لگاؤ۔ چنانچہ آقائے نامدار ﷺ نے بھی وہاں سعی فرمائی۔ جو بھی حاجی حج پہ جاتا ہے' اس کا طواف مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ سعی نہیں کر لیتا۔ طواف کے ساتھ سعی کرنا حج کا رکن ہے۔ تو نیک لوگوں نے جو کام عبادت الٰہی میں کئے اور جس انداز سے اور جس خلوص سے انہوں نے وہ کام کئے' اگر وہ کام کئے جائیں تو اس طرح کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

ولایت کیا ہے؟

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ○ اور ایسے ایمان رکھنے والوں کا اللہ ولی ہے' دوست ہے۔ قیامت تک وہ سارے لوگ جن کا عقیدہ اور عمل حضور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے عقیدہ اور آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ہوگا' اللہ ان سب کو دوست رکھتا ہے' وہ سارے ولی اللہ ہیں۔ ہم کیوں سمجھتے ہیں کہ فلاں شخص ولی اللہ ہے۔ بنیادی بات یہ ہے اگر کوئی صاحب علم' صاحب ذوق' صحیح الفطرت کسی کو ولی سمجھتا ہے تو اس لئے کہ اس کا عقیدہ بھی خالص ہے' عمل بھی حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ہے اور اس سے برکات پہنچ رہی ہیں۔ ولایت کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ولی کے پاس بیٹھنے والے' اس سے ملنے والے نیک ہو جاتے ہیں' برائی چھوڑنے لگتے ہیں' عقائد کی اصلاح شروع ہو جاتی ہے' کردار کی اصلاح ہونے لگتی ہے' اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ولی اللہ ہے۔ اگر کسی کے پاس بیٹھ کر لوگ گمراہ ہوں' بدعات کے اسیر ہونے لگیں تو وہ ولی اللہ نہیں ہو سکتا' شیطان کا ولی ہو سکتا ہے۔

اس معاملے میں بڑے غور و فکر کی ضرورت ہے کہ ہر ایرے غیرے کو ولی سمجھ کر اس کے پیچھے نہ لگ جائیں۔ اگر وہ بدکار اور بدعقیدہ ہے تو اپنے عقائد بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھیں کوئی شخص توحید خالص سے ہٹ کر یا سنت آقائے نامدار ﷺ سے ہٹ کر ولی نہیں ہو سکتا۔ پھر جنہیں ہم ولی سمجھتے ہیں یہ ہمارا حسن ظن ہے۔ حقیقی ولی تو وہ ہیں جن کی رسید اللہ دیتا ہے کہ میں ان کا ولی ہوں۔ اللہ کریم اپنی بے پناہ رحمتیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر ہمیشہ نازل فرماتا رہے' ان کے سوال دین کی تفصیلات اور تشریحات کے

بارے میں ہوتے تھے۔ یہ سعادت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حصے میں آئی کہ انہوں نے پوری امت کو ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی میسر فرما دی۔ کسی نے یہ سوال عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم تو آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو جاتے ہیں لیکن جب آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے بعد میں آنے والے لوگ کیا کریں گے جو حضور ﷺ کی محفل نہیں پا سکیں گے، ارشاد عالیہ نہیں سن سکیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد ان لوگوں کے پاس بیٹھنا جن کے پاس بیٹھ کر خدا کی یاد آئے یعنی جب میں دنیا سے پردہ فرما جاؤں تو پھر ایسے لوگوں کے پاس جا کر بیٹھنا جن کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی یاد آئے۔ حضور ﷺ نے تعیین فرما دی کہ ولی اللہ وہ ہے کہ جس کے پاس بیٹھنے والے کو بھی یاد الٰہی آ جائے، عظمت الٰہی کا احساس ہونے لگے، اپنے گناہوں سے شرمندگی ہونے لگے، وہ توبہ کرے اور بہتری کی طرف آئے۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کی ولایت کی رسید ہے۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۝

صحابہ کرام کا اتباع ولایت کا راستہ ہے

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر خیر قرآن میں ہوا۔ هٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْاط یہ نبی کریم ﷺ ابراہیم علیہ السلام کے قریب تر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے یعنی صحابہ کرام میں سے ہر صحابی کی ولایت حقہ میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُوْل۔ سارے صحابہ عادل ہیں اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ. اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ میرے صحابہ نجوم ہدایت ہیں، جس کا دامن پکڑ لو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

چونکہ قرآن کا نزول خاص بھی ہو تو حکم عام ہوتا ہے، قیامت تک کے لئے راہ متعین ہو گئی کہ جو اس عقیدے پہ قائم ہو جو نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا، صحابہ کرام نے اختیار کیا اور حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی، جو عمل نبی کریم ﷺ نے فرمایا، حضور ﷺ نے اس عمل کو پسند فرمایا، یہ دین متعین ہو گیا۔ ہر وہ بندہ جو عقیدتاً عملاً اس پہ قائم ہے، اللہ اسے سند ولایت دیتا ہے۔ فرماتا ہے میں اس کا ولی ہوں۔ ظاہر ہے جب اللہ اس کا ولی ہے تو وہ اللہ کا ولی ہو گیا۔ اس کے ولی اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اولیاء اللہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہدایت کا مینار ہوتے ہیں، لوگوں کے لئے ہدایت کا اور برکات کا سبب بنتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ کلیہ بھی الٹ گیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ولی اللہ ہے جس کے پاس جا کر بیٹھیں تو دولت ملے اور دنیا کے کام بنیں۔ دولت تو کافر کے پاس بھی ہے۔ دولت تو قارون کے پاس بے پناہ تھی۔ آج بھی دولت تو دنیائے کفر کے پاس ہے۔

دولت ہی لینی ہے تو کسی کافر کی مٹھی چاپی کرو' اس سے بھی مل جائے گی۔ جو دولت ولی اللہ سے ملتی ہے وہ غیر ولی کے پاس نہیں ہوتی اور وہ ہے معرفت حق' اتباع سنت پیامبر ﷺ اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ کی طرف سے سند ہے کہ یہ میرے ولی ہیں۔

ولایت کا غلط تصور

ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ ہر پاگل کو ولی اللہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ ولی ہونے کے لئے پاگل پن شرط نہیں ہے۔ پاگل ولی نہیں ہوتے بلکہ ولایت کے لئے پورے خلوص کے ساتھ خالص اور کھرا عقیدہ درکار ہے۔ سب سے بنیادی بات تو یہ ہے کہ جس آدمی کے عقیدے میں خلل ہوگا اور توحید باری میں کوئی نقص آتا ہوگا' وہ ولی نہیں ہوسکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بدعمل ولی نہیں ہوسکتا۔ جو اتباع محمد رسول اللہ ﷺ چھوڑ دیتا ہے یا بدعات و رسومات میں گرفتار ہوجاتا ہے' اس کی ولایت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ ہر بدعت کی عمارت سنت کو گرا کر اس کی جگہ بنائی جاتی ہے۔ جہاں بدعت یا کوئی رسم آتی ہے' وہاں سے کوئی سنت مٹا دی جاتی ہے۔ اب جو بندہ اسلام کے نام پر سنت نبوی ﷺ کو مٹاتا ہے اور اس کی جگہ بدعات کو رواج دیتا ہے وہ ولی اللہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جو بدعمل ہے یا اتباع پیامبر ﷺ نہیں کرتا' اس کی ولایت کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ ہمارا حال آج یہ ہے کہ ہر پاگل کو یا پاگل نہ ہو تو کم از کم رسومات میں گرفتار ہو' ڈھول باجے بج رہے ہوں' قوالیاں ہو رہی ہوں' تماشے ہوں' مرد عورت کا ہجوم ہو' گھمسان مچا ہوا ہو اور شریعت کی کوئی قید نہ ہو' کوئی احترام نہ ہو' اسلام کے حدود قیود کی پروا نہ ہو تو یہ بڑا ولی اللہ ہے۔ یہ سب جہالت کے کرشمے ہیں اور یہ وہی بات ہے کہ اسلام کے بعد کوئی عہد جہالت میں لوٹ جائے۔ یہ سب سے بڑی بدنصیبی ہے کہ نورِ اسلام کے واضح اور روشن ہونے کے بعد کوئی قبل از اسلام کی تاریکیوں میں بھٹک جائے اور اس طرح کی رسومات پر عمل کرنے لگے جو پہلے مشرکین میں تھیں۔

ایک بات خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہے کہ عبادات میں شیطان کا ایک عجیب طریقہ واردات ہے۔ بدکاروں نے برائی کی جو رسومات جاری کیں اور جو کلمات دین کے خلاف کہے' شیطان کوشش کرتا ہے کہ لوگوں کے منہ سے وہ کلمات نکلیں' وہ اعتراضات نکلیں جو مشرکین مکہ کرتے تھے' جو اس عہد کے یہود و نصاریٰ کرتے تھے۔ اگر کوئی جمع کرے تو آج بھی اکثر معترضین وہی اعتراض دہراتے ہیں جو اس عہد کے مشرکین اور یہود اور نصاریٰ نے اسلام پر کئے تھے۔ اسی طرح لوگ جو بدعات جاری کرتے ہیں اور رسومات جاری کرتے ہیں تو شیطان کوشش کرتا ہے کہ اس قسم کی رسومات ان سے جاری کرواؤ جس طرح حضور نبی

کریم ﷺ کے مقابلے میں مشرکین نے کی تھیں تاکہ وہی گناہ اور وہی سزا ان پر بھی وارد ہو جو ان پر وارد ہوئی تھی۔ جیسے نیکوں کے اتباع سے ان کی نیکی کی برکات ملتی ہیں' ایسے ہی بدکاروں کی پیروی سے ان کی برائی کی سزا بھی ملتی ہے۔ شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو بری رسومات اور رواجات زمانہ جاہلیت میں تھے یا جن لوگوں نے حضور ﷺ کی مخالفت کر کے جاری کئے' ویسے ہی بعد کے لوگوں سے کروائے۔ جو لوگ رسومات کے اسیر ہو جاتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ وہ نور اسلام کو چھوڑ کر ظہور اسلام سے پہلے کی جہالت اور اس تاریکی میں خود کو لے جاتے ہیں اور یہ سب سے بڑی بدبختی ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ○ یہ تھے تو اہل کتاب' انہیں حق پہ قائم رہنا چاہیے تھا اور کتاب کا اتباع کرنا چاہیے تھا لیکن یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ خود تو اپنی کتابوں میں تحریف کر دی' عقائد کو مسخ کر دیا اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ناروا باتیں لکھ کر دین کو رسومات کا ایک پلندا بنا دیا۔ **وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** اہل کتاب کا ایک حصہ جو دینی رہنمائی سے تعلق رکھتا ہے علمیت کا دعویٰ رکھتا ہے' یا ان کا رہنما طبقہ' وہ چاہتے ہیں کہ **لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ** تمہیں بھی گمراہ کر دیں۔ کبھی ابراہیم علیہ السلام کی مثال دیتے ہیں' کبھی بزرگان دین کا نام لیتے ہیں' کبھی برکات کی بات کرتے ہیں۔

یہ کوشش تب سے اب تک جاری ہے۔ آج بھی پورا زور لگ رہا ہے۔ عہد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے کر آج تک اہل کتاب کی کوشش یہ رہی ہے کہ **لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ** کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو گمراہ کر دیں۔ جو لوگ حضور ﷺ کا اتباع کرتے ہیں' انہیں بھی گمراہ کریں تاکہ وہ عقائد میں ہماری طرح ہو جائیں' اعمال و کردار یا روزمرہ کے معمول ہماری طرح کے اپنا لیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جو لذت معرفت حق میں ہے جو لذت اتباع محمد رسول اللہ ﷺ میں ہے' جس نے وہ چکھ لی' جسے توحید باری اور اعتماد علی اللہ کا لطف نصیب ہو گیا' جسے دامان محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستگی کی لذت نصیب ہو گئی' وہ تو ان کی بات نہیں مانے گا۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ اسے گمراہ کر کے اپنے جیسا کر لیں کہ وہ حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ بھی ایسے عقائد جوڑ لے جن سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے' دین کے اعمال میں بھی رسومات اور بدعات جاری کر کے دینی احکام کا حلیہ بگاڑ دے اور وہ رسومات کا رسیا ہو جائے۔ فرمایا: یہ اپنی گمراہی میں اور اضافہ کر رہے ہیں۔ گمراہ تو پہلے تھے جس کا جرم الگ ہے اور خالص اور کھرے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کا جرم الگ ہے یعنی یہ اپنی گمراہی میں اور اضافہ کر رہے ہیں۔

ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ یہ تاریکیوں پہ تاریکیاں اپنے دامن پر چڑھائے جا رہے ہیں۔ ان کا یہ

کردار ان کی اپنی گمراہی میں اضافے کا سبب بنتا ہے لیکن یہ ایسے بے شعور ہیں کہ انہیں سمجھ ہی نہیں آ رہی۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ○ پھر اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے انبیاء اور تمہاری کتابوں نے تمہیں نبی کریم ﷺ کی بشارت دی، حضور ﷺ کے حلیہ مبارک، حضور ﷺ کے خاندان عالی، آپ ﷺ کے عقائد ونظریات، آپ ﷺ کی بعثت عالی کی تفصیل تمہارے پاس موجود ہے اور تم اپنی کتاب کا اور اللہ کی آیات کا کفر کر رہے ہو۔ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ اللہ کی آیات سے کفر کیوں کرتے ہو؟ اہل کتاب کیسے کہلا سکتے ہو کہ اپنی کتاب کے احکام کا بھی انکار کر رہے ہو۔ تم اس بات پہ گواہ ہو کہ تمہاری کتابوں میں بعثت آقائے نامدار ﷺ کی بشارت موجود ہے اور یہ حکم بھی موجود ہے کہ جب حضور ﷺ مبعوث ہوں گے تو سب کو آپ ﷺ کی پیروی کرنا لازم ہوگی۔ تم اپنی کتابوں کا انکار کر رہے ہو اور ہمیں دعوت دے رہے ہو کہ ہم بھی تمہارے ساتھ شامل ہو جائیں۔ حضور ﷺ کا انکار، حضور ﷺ کی بعثت کا انکار، قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا انکار، گویا یہود ونصاریٰ اپنی کتابوں کا بھی انکار کر رہے ہیں اور اس بات پہ وہ خود گواہ ہیں۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ اے اہل کتاب! حق اور باطل میں تم کیوں تلبیس کرتے ہو، اسے کیوں ملا دیتے ہو؟ حق کو حق رہنے دو، باطل کو باطل رہنے دو، سچ کو سچ رہنے دو، جھوٹ کو جھوٹ رہنے دو۔ تم سچ اور جھوٹ کو ملا کر ایک نیا آمیزہ تیار کرتے ہو جو گمراہی کا سبب بنتا ہے۔ حق کو چھپاتے ہو۔ جو بشارت تمہاری کتابوں میں موجود ہے اسے چھپاتے ہو۔ خود بھی گمراہ ہوتے ہو، دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہو اور یہ سب کچھ تم نادانی میں نہیں کر رہے، تم بخوبی جانتے ہو۔ یہود ونصاریٰ مسلمانوں کی مخالفت روز اول سے عمداً اور ارادتاً کر رہے ہیں اور یہ کرتے رہیں گے لیکن یاد رکھو! لذت ایمان بھی ایک چیز ہے۔ جنہیں یہ نصیب ہوئی ہے وہ ان کے داؤ میں نہیں آئیں گے اور جو ان کے داؤ میں آ جاتے ہیں، انہیں حقیقتاً لذت اسلام نصیب ہی نہیں ہوتی۔ وہ حقیقی ایمان سے آشنا ہی نہیں ہوئے، اس لئے ان کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر بندہ اپنے گناہوں پر شیطان کو مورد الزام ٹھہراتا ہے۔ ہم اپنی ذات کو مجرم نہیں ٹھہراتے کہ میں شیطان کی بات کیوں مانتا ہوں۔ اگر میں شیطان کی بات مانتا ہوں تو پھر میں شیطان سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اللہ کو اور اپنے حبیب ﷺ کو، نبی کریم ﷺ کے ارشادات عالیہ کو چھوڑ کر شیطان کی بات ماننے چل پڑا ہوں اللہ کریم گمراہی سے پناہ دے اور اتباع رسالت ﷺ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۚۖ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ ۚۙ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے، اسے دن کے اول حصہ میں مان لو اور اس کے آخر حصہ میں (شام کو) منکر ہو جاؤ شاید کہ وہ پھر جائیں۔ اور تم (کسی کی بات) نہ مانو سوائے اس کے جو تمہارے دین کی پیروی کرے، آپ ﷺ کہہ دیں، بیشک ہدایت اللہ کی ہی کتاب ہے، کہ کسی کو دیا گیا جیسا کہ تمہیں دیا گیا، یا وہ تم سے تمہارے رب کے سامنے حجت کریں۔ آپ ﷺ کہہ دیں، بیشک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا، جاننے والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۚۖ اہل کتاب جب دلائل کے میدان میں لاجواب ہو گئے اور انہوں نے دیکھا کہ لوگ شب و روز دین برحق کو قبول کر رہے ہیں تو انہوں نے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت نے یہ طے کر لیا کہ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ

عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ ۔ صبح مسلمانوں سے مل جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا' کلمہ پڑھ لو ان کے ساتھ نماز روزہ سیکھنا شروع کر دو۔ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ اور بالآخر انکار کر دو۔ اس میں تو یہ خامی ہے' یہ کمی ہے۔ اسلام کا یہ حکم درست نہیں' یہ عقیدہ درست نہیں ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ تو تمہارے اس انکار کرنے سے ہوسکتا ہے کچھ مسلمان بھی گمراہ ہو جائیں' مرتد ہو جائیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ اور کبھی اعتبار نہ کرو سوائے اس کے کہ وہ تمہارے دین کے تابع ہو جائیں یعنی' وہ یہودی یا نصاریٰ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ ان پہ اعتبار نہ کرو۔ اس مکر کے جواب میں فرمایا: میرے حبیب ﷺ! قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ ان سے کہہ دیجئے کہ تم سے پہلے شیطان سارے مکر کرتا چلا آرہا ہے اور تمہیں بھی وہی سکھا رہا ہے۔ تم بھی کر کے دیکھ لو لیکن حق یہ ہے کہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کریم نے ارشاد فرمادی' جو اتباع محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے جو بات پہنچادی' ہدایت کی بات وہی ہے اور اس کے خلاف جو بھی کرے گا وہ ہدایت نہیں ہوگی۔

میرے حبیب ﷺ! ان سے کہہ دیجیے قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ ہدایت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے متعین فرمادی ہے۔ اللہ کی دی ہوئی ہدایت اور اللہ کی دی ہوئی سچائی ہی سچائی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے سچائی مقرر کرے اپنی بات کو ہدایت سمجھے تو وہ غلط ہے۔ دین برحق وہی ہے جو اللہ نے عطا فرمایا اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ یقیناً خسارے میں ہوگا۔

مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہود کا طریقۂ واردات

یہ ایک ایسا طریقہ واردات ہے کہ شروع سے لے کر آج تک یہی چل رہا ہے بلکہ آج اس پہ اور بھی زوروں سے کام ہو رہا ہے۔ شروع شروع میں یہود و نصاریٰ نے بھی مشرکین کی مدد کی اور بالخصوص یہود کے علماء اس میں پیش پیش تھے۔ جب غزوات شروع ہوئے اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست وجود پذیر ہوئی تو مشرکین مکہ کو ابھارنے میں بھی یہود مدینہ پیش پیش تھے اور یہ بدر و احد کے واقعات کا بھی سبب بنے۔ غزوہ خندق کا سبب بھی یہود ہی بنے۔ انہوں نے بہت شور مچایا اور عرب کے قبائل کو جمع کر کے کوشش کی یہ چھوٹی سی آبادی یکبارگی ختم کر دی جائے۔ اللہ کریم نے انہیں نامراد کیا' انہیں شکست ہوئی' مدینہ منورہ سے نکالے گئے اور جزیرہ نمائے عرب سے خارج کر دیے گئے لیکن یہ اپنی بدطینتی اور بدنیتی سے باز نہیں آئے۔ جب میدان جنگ میں مار کھا گئے تو انہوں نے منافقانہ سازشیں شروع کیں۔ یہ یہود ہی کی سازش تھی جس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے۔ یہ انہیں کا کیا دھرا تھا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت پہ

منتج ہوا اور یہ بھی یہود ہی کا کیا دھرا تھا جو سانحہ کربلا کا سبب بنا۔ خانوادہ رسالت پناہی کو بے دردی سے تہہ تیغ کرنے والے بھی وہی لوگ تھے جن کو یہود نے گمراہ کر کے ایک نیا فرقہ بنا دیا اور تب سے اب تک یہ اس کام میں پیش پیش رہے ہیں۔ آج بھی دیکھ لیں کہ روئے زمین پر جتنی تباہی آ رہی ہے یا مسلم ممالک پہ جتنی تباہی آ رہی ہے' افغانستان کو تباہ کرنے یا عراق کو اجاڑنے کے پیچھے جو اصل طاقت ہے وہ یہود ہی کی ہے۔ تب سے لے کر اب تک یہ نامراد قوم قدم بقدم شکست بھی کھا رہی ہے اور ان کی تمام سازشوں کے باوجود اللہ کا دین باقی ہے اور باقی رہے گا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں دین قبول کرنے کی توفیق ہے اور دین پر عمل کی استطاعت ہے لیکن یہود کی سازشیں ویسے ہی ہر شعبہ زندگی میں جاری وساری ہیں۔ آپ اپنے ذرائع نشرواشاعت' اخباری مضامین' اپنے ٹیلی ویژن کو دیکھ لیجئے' دنیا کے ٹیلی ویژن کو دیکھ لیجئے' جتنے ذرائع مواصلات ہیں ان کی بھرپور کوشش ہے کہ اگر کوئی مکمل کافر نہیں ہوتا تو کم از کم بدکار تو ہو جائے' نیکی تو چھوڑ دے۔ نئے نئے اعتراضات کئے جاتے ہیں' کبھی عبادت پر' کبھی عقائد پر' کبھی نظریات پر اور عجیب وغریب بے تکی باتیں کی جاتی ہیں جو ایسے لوگوں کیلئے بڑی تباہی کا سبب بن جاتی ہیں جن کا ایمان کامل نہیں ہوتا

ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور ہمارے مابین بہت زیادہ بعد زمانی ہے۔ ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور درمیان میں سوا چودہ سو سال کا فاصلہ ہے۔ ہر لمحہ جو حضور ﷺ کے قریب ہوتا ہے وہ زیادہ برکات حاصل کرتا ہے' تو جوں جوں زمانہ درمیان آیا حصول برکات میں بھی کمی آ گئی۔ یہ مرور زمانہ فاصلے بڑھا دیتا ہے۔ کہاں وہ خوش نصیب تھے کہ گھر سے اٹھتے اور مسجد نبوی ﷺ میں جا کر جمال نبوی ﷺ سے سینے منور کرتے' دلوں کو شاد کرتے' آنکھوں کو روشن کرتے اور کہاں اب یہ زمانہ کہ اگر ہم حضور ﷺ کا نام نامی بھی لیتے ہیں میلاد کے جلسے بھی کرتے ہیں' بڑی خوبصورت نعتیں بھی پڑھتے ہیں لیکن اکثر جلسوں میں بہت سے ایسے کام بھی کیے جائیں گے جو حضور ﷺ کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں۔ کوئی بھی عمل جو خلاف سنت ہو گا' خلاف شریعت ہو گا وہ نبی کریم ﷺ کی ناراضگی کا سبب بنے گا۔ یہودی اور نصرانی قوتیں مل کر اس طرح سے لوگوں کو گمراہ کر رہی ہیں کہ اگر کوئی کافر نہیں ہوتا' دین سے باہر نہیں جاتا تو کم از کم دین پر بھی اس کا مکمل اعتماد نہ رہے یا اگر اس کے اعتماد میں فرق نہیں پڑتا تو دین پر عمل کرنا ہی چھوڑ دے' بے عملی کا شکار ہو جائے۔ جتنا نقصان ہو سکے' وہ کرنا چاہتے ہیں۔

جب تک نبی کریم ﷺ سے رشتہ محبت استوار نہ ہو' ایمان کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ایمان کا معنی ہی یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے قلبی تعلق استوار ہو جائے۔ اللہ سے تعلق کا سبب بھی حضور ﷺ سے تعلق ہے۔ اللہ

کی خبر بھی حضور ﷺ سے ملتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہمیں دعویٰ محبت ہوتا ہے، دعویٰ عشق ہوتا ہے کہ ہمیں آپ ﷺ کی ذات والا سے محبت ہے۔ محبت اور عشق کا تقاضا کیا ہے؟ ایک عربی شاعر نے ایک مصرعہ میں یہ تقاضا بیان کر دیا۔ فَاِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٗ محبت کرنے والا اپنے محبوب کا غلام بن جاتا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرتا۔

محبت کیا ہے تاثیر محبت کس کو کہتے ہیں
تیرا مجبور کر دینا میرا مجبور ہو جانا

یعنی محبت یہ ہے کہ محبوب کی ہر ادا کا غلام ہو جائے۔ آپ ﷺ کی پسند کے تابع ہو جائے اور کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جو حضور ﷺ کی طبع مبارک پہ گراں گزرے۔ لیکن ہم محبت کے دعوے کے ساتھ جب میلاد کے جشن کرتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں تو ہر بندہ اندازہ کر سکتا ہے کہ اس میں کتنی ایسی حرکات کی جاتی ہیں جو بارگاہِ نبوی ﷺ میں بے ادبی شمار ہوتی ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسمان ازعرش نازک تر

یہ بارگاہ تو ایسی عالی ہے کہ زمین پر زیر آسمان ہے لیکن اس کے آداب وقواعد عرش سے بھی نازک تر اور حساس ہیں۔ قرآن کریم کے مخاطب اول صحابہ کرامؓ تھے اور صحابہ کرام میں وہ مہاجرین شامل تھے جنہوں نے تیرہ برس کی زندگی کے دکھ اور تکلیفیں اٹھائیں، گھر بار چھوڑے، حضور ﷺ کے ساتھ ہجرت فرمائی اور آپ ﷺ کی معیت میں بدر و احد اور خندق کے غزوات میں داد شجاعت دی۔ جان نثار کی، اولادیں قربان کیں۔ قرآن کے مخاطب اول وہ انصار مدینہ تھے کہ کہ جب روئے زمین کا سارا کفر حضور اکرم ﷺ کے خلاف تھا اور اسلام کا نام لینا گویا خود کو تلوار کی باڑ پر رکھنے کے برابر تھا، انہوں نے اپنے سینے کھول دیے اور حضور اکرم ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ﷺ ہمارے گھر تشریف لایئے، ہم اپنی جانیں نچھاور کریں گے، اولادیں قربان کر دیں گے اور آپ ﷺ کی خدمت کا حق ادا کریں گے۔ قرآن کے ان مخاطبین اول سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اس بات کا خیال رکھو کہ کہیں تمہاری آواز آقائے نامدار ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو جائے اور اگر بلند ہو گئی تو اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ تمہاری ساری نیکیاں ضبط کر لی جائیں گی، تمہارے جہاد، تمہارے غزوات، تمہاری ہجرتیں، تمہاری قربانیاں، کسی کی کوئی قیمت نہیں ہو گی وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔

بعض علماء نے وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ کا جو عطف ہے وہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ کو قرار دیا ہے کہ غیر شعوری

طور پر بھی اگر آواز بلند ہوگئی تو تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ سورہ الحجرات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایک صحابی اپنا ریوڑ کسی کے پاس چھوڑ کر کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے بارگاہِ نبوی ﷺ میں آئے۔ حضور اکرم ﷺ حجرہ مبارک کے اندر تشریف فرما تھے۔ انہیں واپس جانے کی جلدی تھی تو انہوں نے باہر سے آواز دی: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ باہر تشریف لایئے' میری گزارش سنیے۔ اللہ کریم نے سختی سے منع فرما دیا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ○ یہ ایسے نادان ہیں کہ دیوار کے باہر سے آپ ﷺ کو آواز دیتے ہیں' انہیں چاہیے تھا کہ انتظار کرتے۔ قرآن نے یہ ادب سکھایا کہ حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ کہ حضور ﷺ حجرہ مبارک سے باہر تشریف لاتے۔ کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے تو پھر بھی یہ بات کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ جب آپ ﷺ اپنی مرضی سے ان کی طرف متوجہ ہوتے تو پھر یہ اپنی بات عرض کرتے اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ○ یہ تو بہت بڑی نادانی ہے۔ یہ انہیں ارشاد فرمایا جا رہا ہے جو بہت مخلص صحابی تھے اور دینی مسئلہ پوچھنا چاہتے تھے۔

یعنی وہاں محبت اور عشق بھی ادب کا پابند ہے۔ محبت بھی ہم اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے۔ محبت بھی ویسے ہی کی جائے گی جیسے اس بارگاہ سے' اس دربار سے اجازت ملے۔ ایک شخص دیوار کے باہر سے کہتا ہے' یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ میری گزارش سنیے تو اللہ کریم ناراض ہو جاتے ہیں۔ ایک یہاں سے لاؤڈ سپیکر لگا کر کہتا ہے' کتنا فاصلہ ہے! اور ہماری حماقت کی حد یہ ہے کہ ہم اس پر ثواب کی امید بھی رکھتے ہیں! یہ ساری جہالتیں ہم میں کہاں سے آ گئیں؟ یہ ساری جہالتیں' یہ ساری قباحتیں' یہی یہود و نصاریٰ کے پھیلائے ہوئے پراپیگنڈے کا اثر ہے کہ اگر مسلمان عقیدے سے دور نہیں ہوتا تو اسے ایسے اعمال میں' ایسے کاموں میں پھنسا دو جو بارگاہ رسالت ﷺ کے آداب کے منافی ہوں۔ نعت اظہار محبت کیلئے ہوتی ہے خود بارگاہ رسالت پناہی ﷺ میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعت پیش کی اور صحابہ کرام نے نعت پیش کی۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعت بہت مشہور ہے اور حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور کریم صلی اللہ علیہ ولہ وسلم کے دربار عالی کے شاعر ہیں۔ مشرکین مکہ نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخانہ شعر کہے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مکہ والوں کی ہجو لکھو۔ یہ سب ثابت ہے لیکن آپ کیا سمجھتے ہیں کہ بارگاہ رسالت ﷺ میں اس طرح سے گا گا کر پڑھتے ہونگے جس طرح آج ہم نعت پڑھتے ہیں یا جس طرح آج فلمی دھنوں اور فلمی گیتوں پر نعت لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح کوئی بارگاہ رسالت میں پڑھتا ہوگا! جب اللہ کا حکم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ ولہ وسلم کی آواز سے آواز بلند نہ کرو تو نعت پڑھنے کا بھی ایک ادب ہے' نعت لکھنے کا بھی ایک قرینہ ہے' ایک سلیقہ ہے اور ہر معاملے میں سب

سے مقدم نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کا ادب اور احترام ہے' آپ ﷺ کی عظمت کی اقدار کو مدنظر رکھنا ہے حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی وہی حکم ہے۔ روضہ اطہر پر آواز بلند کرنا بھی وہی جرم ہے جو حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں جرم تھا۔

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد روضہ اطہر ﷺ کے سامنے گلی کے پار گھر تھے۔ اس گھر میں کسی خاتون نے دیوار میں ایک کیل ٹھونکا تو ٹھک ٹھک کی آواز حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں آئی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیغام بھیجا۔ لَا تُوذُوا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ۔ نبی کریم ﷺ کو بے آرام نہ کرو۔ آپ ﷺ کو ایذا نہ دؤ یہ ٹھک ٹھک کیوں کر رہی ہو۔ گلی کے پار گھر تھا لیکن وہاں یہ ٹھک ٹھک کیوں کر رہی ہو۔

ایک اعرابی مسجد نبوی ﷺ میں آیا۔ اس وقت مسجد نبوی ﷺ میں نیچے کنکریاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے کسی سے بات کی تو اس کی آواز بلند ہوگئی۔ سیّدنا فاروق اعظمؓ مسجد میں موجود تھے آپؓ نے نیچے سے کنکری اٹھا کر اسے ماری تو اس نے مڑ کر دیکھا۔ اشارے سے بلایا اور آرام سے پوچھا کہ کون ہو' کہاں سے آئے ہو۔ اس نے عرض کی حضرت میں بدوی ہوں' جنگل سے آیا ہوں اور اس کام سے آیا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو بدوی اور جنگلی نہ ہوتا تو میں تجھے درے مرواتا' تجھے آداب کا پتہ نہیں' اتنی بلند آواز سے بارگاہِ اقدس ﷺ میں بات کر رہے ہو۔

اور بڑی عجیب بات جو معجزہ میں نے دیکھا، مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی کی توسیع مسلسل کئی برس ہوتی رہی اور اس دوران کئی بار حاضری نصیب ہوئی۔ وہاں ادب کے پیرائے میں ایک معجزاتی صورت بھی نظر آئی۔ ان ستونوں کی بنیادیں کھودنے کے لئے ستر پچھتر فٹ لمبے کٹر تھے۔ ستر پچھتر فٹ گہرائی تک بڑے بڑے ان کٹروں پر لوہے کا تقریباً بیس من وزن تھا جسے وہ کرین اٹھاتی اور اس زور سے چھوڑ دیتی کہ وہ زمین میں دھنستا جاتا تھا۔ سینکڑوں کٹر ٹھکا ٹھک اس کام پہ لگے تھے لیکن جب بھی مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ و السلام کے دروازے سے اندر ہو جائیں تو کوئی آواز نہیں۔ میں نے بارہا تجربہ کیا کہ سارے شہر میں ان مشینوں کا شور گونج رہا ہے' لیکن جب مسجد نبوی کے اندر داخل ہوتے ہیں تو کوئی آواز نہیں۔ اللہ کریم نے وہ حد ادب اس طرح سے قائم رکھی ہوئی تھی۔

بارگاہِ اقدس ﷺ کے اس ادب کو دیکھیں اور ہم اپنے کردار کو دیکھیں۔ ہمیں لوگوں نے یہ کیا تماشا بنا دیا! ۔ یہ کون لوگ ہیں جو ہمیں اس طرح کے مشورے دیتے ہیں کہ ہم محبت کرنا چاہتے ہیں تو اس میں بھی گستاخی کا عنصر آ جاتا ہے۔ کسی ایک بندے یا ایک فرقے پہ طنز نہیں کر رہا۔ میں پوری دیانت داری سے' خالص

اللہ کیلئے دعوت دے رہا ہوں کہ ہم سب کو اس پہ غور کرنا چاہیے‘ سوچنا چاہیے‘ سمجھنا چاہیے کہ ہمیں کرنا کیا ہے اور ہم کر کیا رہے ہیں؟

اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚۙ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ یہود اور نصاریٰ کو بڑا اعتراض یہ بھی تھا کہ نبوت ہمیں ملنی چاہیے تھی لیکن ادھر کیسے چل گئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیا آئے وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا تو ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا گیا۔ ان کے بارہ بیٹوں سے بارہ قبائل بنے جو آگے پھیل کر ایک قوم بنی جو بنی اسرائیل کہلائی اور تمام انبیاء انہیں میں آتے رہے۔ آخر میں آقائے نامدار ﷺ امام الانبیاء مبعوث ہوئے آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ جد امجد تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی تھے لیکن آپ ﷺ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بجائے ان کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہود ونصاریٰ کو یہ دکھ تھا کہ آپ ﷺ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اس طرح بنی اسرائیل سے سرداری چلی گئی‘ اب کسی نہ کسی طرح مخالفت کی جائے۔

فرمایا ان سے کہہ دیجئے اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ یہ عظمت تو اللہ کے دست قدرت میں ہے‘ وہ جسے چاہے دے دے۔ تمہارے مشورے کا وہ محتاج نہیں ہے‘ نہ تمہاری رائے پر اس نے کسی کو عطا کرنی ہے‘ نہ تمہارے کہنے پر کسی کو فضیلت مل سکتی ہے۔ یہ تو اس کی عطا ہے کہ اس نے نسل ہا نسل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تم کو نوازا اور تم گستاخیاں کرتے رہے‘ تم پر عذاب آتے رہے‘ تم تباہ ہوتے رہے‘ تمہاری شکلیں مسخ ہوتی رہیں اور تم بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں تبدیل ہوتے رہے لیکن پھر بھی وہ رحم فرماتا رہا اور تمہارے خاندانوں میں نئے نبی مبعوث فرماتا رہا۔ تمہیں توبہ اور اصلاح کی دعوت دیتا رہا۔ یہ اس کا احسان تھا‘ تمہارا کمال نہیں تھا۔ جب اس نے تکمیل نبوت چاہی تو ساری انسانیت کیلئے‘ سارے زمانوں کیلئے اور ہمیشہ کیلئے آخری کتاب اور آخری نبی ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مبارک میں سے بھیج دیا۔ یہ تو اس کے ازل کے فیصلے ہیں۔ جب ارواح پیدا کی گئیں تب انبیاء منتخب کر لیے گئے اور اس وقت ساری مخلوق سے عظمت الٰہی کا عہد لیا گیا تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا۔ یہ تو عہد الست کی باتیں ہیں‘ تم آج اس کی مخالفت کر کے کیا کما لو گے!

یہ یاد رکھو اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ عظمت اللہ کے ہاتھ میں ہے‘ وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ وَاللّٰهُ

ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۝ کہ وہ بہت بڑے فضل کا مالک ہے، بہت بڑے کرم کا مالک ہے۔ یہ اس کی اپنی بارگاہ کے فیصلے ہیں۔ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۝ جسے وہ چاہتا ہے، اپنی رحمت کیلئے مختص کر لیتا ہے۔ گویا عظمت رحمت الٰہی ہے اور رحمت الٰہی ہمیشہ اطاعت الٰہی اور اتباع نبوت میں ہوتی ہے۔

عظمت صرف نبوت کے واسطے سے ملتی ہے

یہ بڑی یاد رکھنے کی بات ہے کہ عظمت نبی ہی کو ملتی ہے اور نبی ہی کے واسطے سے یہ عظمت نبی کے متبعین کو عطا ہوتی ہے۔ جس طرح صحبت پیامبر ﷺ سے صحابی بنتے ہیں، صحبت صحابی سے تابعین اور صحبت تابعین سے تبع تابعین بنتے ہیں، اسی طرح امت میں اللہ کے نیک بندے، ولی اللہ ہوتے ہیں لیکن ولایت کی شرط کیا ہے؟ یہ اللہ کی رحمت ہے اور رحمت ہمیشہ حضور ﷺ کی خالص اور کھری اتباع سے نصیب ہوتی ہے۔ جسے اطاعت نبوی ﷺ نصیب نہیں، جس کا عقیدہ درست نہیں یا عمل درست نہیں وہ ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی ولی اللہ ہے تو اس کے پاس حضور اکرم ﷺ کا دیا ہوا علم ہے، حضور اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے عقائد ہیں، آپ ﷺ کی دی ہوئی سنت ہے۔ اس سے ہدایت لینی ہے۔ ولی سے جو فیض حاصل کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں بھی اتباع سنت نصیب ہو جائے، ہمارا بھی عقیدہ درست ہو جائے، ہمارا بھی عمل صحیح ہو جائے۔

رہا دنیا کا معاملہ تو اس میں کسی ولی کی منت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو کفار کو بھی رزق دے رہا ہے، اولاد بھی دے رہا ہے، کافروں کو حکومتیں بھی دے رکھی ہیں۔ کافروں کی سفارش کون ولی اللہ کر رہا ہے جو انہیں حکومتیں ملی ہوئی ہیں! یہ دنیا کا ایک نظام ہے۔ اس نے رزق، صحت، عمریں بیماری، خوشی یا دکھ ہر چیز بانٹ دی ہے۔ ہر ایک نے اپنے حصے کا لینا ہے اور چلا جانا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ موسم گزر رہے ہیں، کتنی سردیاں آئیں، گرمی آ جائے گی، پھر گرمی چلی جائے گی اور سردی آ جائے گی۔ خشک سالی تھی اور آج جگہ جگہ پہاڑوں میں چشمے جاری ہو گئے ہیں۔ حالات بدلتے رہتے ہیں یہ قدرت کا اپنا نظام ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان تبدیلیوں میں، گرمی ہو یا سردی، رزق زیادہ ہو یا کم، صحت ہو یا بیماری، خوشی ہو یا غم، میں ان میں اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت کر رہا ہوں یا نہیں۔ میرا معاملہ میرے رب کے ساتھ کیسا ہے، میرا معاملہ میرے رسول ﷺ کے ساتھ کیسا ہے؟ اگر حضور ﷺ کا اتباع نصیب ہے، اللہ کی اطاعت نصیب ہے تو گرمی سردی گزر جائے گی، بھوک افلاس، بیماری بھی گزر جائے گی، وقت بدل جائے گا اور اگر حضور ﷺ کی غلامی اور اتباع نصیب نہیں، اللہ کے ساتھ معاملہ درست نہیں تو پھر دنیا کی حکومت بھی مل جائے تو کیا فائدہ! وہ بھی چلی جائے گی، ختم ہو جائے گی۔ دنیا یہیں رہ جائے گی اور بندے کو اللہ کے حضور جواب دینا ہوگا۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ
اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ
فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اور اہل کتاب میں کوئی (ایسا ہے) کہ اگر آپ ﷺ اس کے پاس ڈھیروں مال امانت رکھیں تو وہ آپ ﷺ کو ادا کر دے، اور ان میں کوئی (ایسا ہے) اگر آپ ﷺ اس کے پاس ایک دینار امانت رکھیں تو وہ دینار ادا نہ کرے مگر جب تک آپ ﷺ اس کے سر پر کھڑے رہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے کہا ہم پر امیوں کے (بارے) میں کوئی راہ (الزام) نہیں۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔ کیوں نہیں! جو کوئی اپنا اقرار پورا کرے اور پرہیز گار رہے تو بیشک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔ بیشک جو لوگ اللہ کے اقرار اور اپنی قسموں سے تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور نہ اللہ قیامت کے دن ان سے کلام کرے گا اور نہ انہیں نظر کرے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

دیانت و امانت ایمان کا خاصہ ہے

فرمایا: اہل کتاب میں ابھی بعض لوگ ایسے ہیں جن میں دیانت اور امانت باقی ہے۔ وَمِنْ اَهْلِ

الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وہ ایسے لوگ ہیں کہ آپ ان کے پاس بطور امانت اگر مال کا انبار بھی لگا دیں يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ تو وہ آپ کو لوٹا دیں گے۔ ابھی تک ایسے لوگ ہیں جو امانت و دیانت پر قائم ہیں اور اللہ کا خوف رکھتے ہیں۔ یہ وہی لوگ تھے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے دعوت اسلام دی تو مسلمان ہوئے اور ان کا شمار اکابر صحابہؓ میں ہوا۔ باقی ایسے ہیں کہ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ اگر انہیں ایک دینار بھی دے دو تو یا تو ان کے سر پر کھڑے رہو ورنہ وہ ایک دینار بھی کھا جائیں گے' واپس نہیں کریں گے۔ ان میں دیانت نام کو نہیں ہے۔

امانت و دیانت ایمان کا خاصہ ہے

قرآن حکیم نے ایمان کی یہ بھی ایک خوبی بتائی۔ بات تو اہل کتاب کی ہو رہی تھی لیکن قرآن کریم قصے' کہانیوں یا تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ نوع انسانی کے لئے اور سارے زمانوں کے لئے زندگی کا نظام ہے۔ اہل کتاب میں سے جو پہلی کتابوں پر ایمان رکھتے تھے ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کی دیانت شک و شبہ سے بالاتر ہے یعنی بندۂ مومن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ دیانتدار اور امانتدار ہوتا ہے۔ دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے نہیں کھاتا۔

دنیا اللہ کی بہت خوبصورت' بڑی پرلذت اور پرآسائش تخلیق ہے۔ یہ کہہ دینا کہ دنیا کی کوئی حیثیت نہیں' یہ بات درست نہیں ہے۔ اس میں اتنی لذت و شیرینی ہے کہ لوگ دنیا کے گرویدہ ہو کر اپنے مالک و خالق کو بھول جاتے ہیں۔ اللہ کریم سے روگردانی کا واحد سبب دنیا ہی ہوتی ہے لیکن ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جسے عظمت الٰہی پہ یقین ہو' اسے دنیا ڈگمگا نہیں سکتی' اس کے پاؤں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتی' اس کی دیانت و امانت کو مجروح نہیں کر سکتی۔ بات تو اہل کتاب کی ہو رہی تھی لیکن چونکہ اس میں سبق قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے تھا' ایمان کی ایک بہت بڑی نشانی کے طور پر امانت و دیانت کا ذکر ہوا۔ دنیا میں جتنی نعمتیں ہیں' ان کی اصل یہ ہے کہ ساری کی ساری مال و دولت سے خریدی جا سکتی ہیں لہٰذا رب کریم نے فرمایا کہ جن کا اللہ پہ ایمان ہوتا ہے وہ مال و زر کو دیکھ کر نہیں ڈگمگاتے اور ناجائز طریقے سے کسی کا مال نہیں کھاتے لیکن جن لوگوں میں ایمان نہیں رہتا' وہ دنیا کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ اہل کتاب میں بھی ایسے ہیں کہ انہیں اگر ایک دینار بھی دے دیں' لٹھ لے کر ان کے سر پر کھڑے رہیں تو مجبوراً دے دیں گے ورنہ ان کا لوٹانے کو جی نہیں چاہتا۔

عذر گناہ بدتر از گناہ

دنیادار جب برائی پہ اتر آتا ہے تو اپنی برائی کے لئے جواز پیدا کرتا ہے۔ گناہ بجائے خود جرم ہے لیکن

دوسرا جرم یہ ہوتا ہے کہ گناہ گار اپنے گناہ کو جائز قرار دینے کے لئے مختلف جھوٹ بولتا ہے۔ یہ بھی جب کسی کا مال کھا جاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وہ تمام غیر اہل کتاب کو امی کہتے تھے کہ ہم تو اہل کتاب ہیں اور یہ جاہل لوگ ہیں۔ جب انہوں نے لوگوں کا مال کھانا شروع کر دیا تو یہ دعویٰ کر دیا کہ جو لوگ امی اور جاہل ہیں، اہل کتاب نہیں ہیں، ان کا مال کھانا ہمارے لئے جائز ہے۔ یعنی ایک تو گناہ کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ جو اہل کتاب نہیں ہیں ان کے بارے میں ہم سے نہیں پوچھا جائے گا۔”

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ نے کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے کی اجازت نہیں دی۔ یہ باتیں ہر شریعت میں حرام رہیں۔ جس طرح عقائد کے معاملے میں تمام شریعتیں متفق ہیں اور آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم ﷺ تک تمام انبیاء و رسل نے توحید کی دعوت دی اور بنیادی کلمہ سب کا یہی تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اسی طرح بعض اعمال بھی ایسے ہیں جن میں ساری شریعتوں کا اتفاق ہے۔ جیسے شرک تمام شریعتوں میں حرام تھا اسی طرح کسی کا مال ناجائز کھانا بھی ساری شریعتوں میں حرام تھا۔ یہ اپنے جرم کو چھپانے کے لئے یا اسے جواز مہیا کرنے کے لئے اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ یہ جانتے بھی ہیں کہ یہ حرام ہے، ناجائز ہے۔

اللہ سے بندے کا معاہدہ

اللہ کا فرمان تو یہ ہے۔ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى جس بندے نے بھی اپنا عہد نبھایا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ برائی کے کام پر کوئی عہد کرنا یا معاہدہ کرنا ہی جرم ہے، اس کے نبھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اصول یہ ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کرو اور برائی اور گناہ کے کاموں میں تعاون نہ کرو یعنی برائی پر کسی سے عہد کرنا یا معاہدہ کرنا جو شرعاً ویسے ہی جرم ہے تو اس کا نبھانا کیسا ہے! معاہدہ ہوتا ہی بھلائی، نیکی اور اچھائی پر ہے۔

ایمان بجائے خود ایک عہد ہے، ایک معاہدہ ہے۔ جب بندہ کہتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو اس نے ایک عہد کر لیا کہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں کسی کو شریک نہیں کروں گا اور نہ کوئی ایسا عمل کروں گا جو مشرکانہ ہو۔ اللہ کی عبادت کروں گا، اسی سے مدد چاہوں گا، اسی سے راہنمائی چاہوں گا۔ جب بندہ کہتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تو اس بندے نے ایک عہد کر لیا کہ آج سے میری مرضی، پسند ناپسند ختم ہو گئی۔ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو اللہ کا رسول مان لیا۔ اب جو وہ کہیں گے، وہ میری مرضی کے مطابق ہو تو بھی کروں گا، میری مرضی کے مطابق نہ ہو تو بھی ویسا ہی کروں گا۔ جب اللہ کا رسول مان لیا تو اپنی پسند اپنی مرضی اپنی رائے ختم ہو گئی۔ پھر صرف یہ

جاننا باقی رہ گیا کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا ہے۔ سر تسلیم خم ہے جو حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ تو سب سے پہلا عہد جو اللہ نے ہمیں نصیب فرمایا وہ کلمہ طیبہ ہے۔ یہ سب سے پہلا اور اہم معاہدہ ہے۔

تقویٰ اللہ سے کئے ہوئے عہد کے مطابق زندگی گزارنا ہے

اللہ کریم فرماتے ہیں: فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ○ مجھے وہ لوگ پسند ہیں جو اپنا کیا ہوا وعدہ نبھاتے ہیں، اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی زندگی اس پر بسر کر جاتے ہیں وَاتَّقٰی کلمہ طیبہ اللہ کے ساتھ عہد ہے۔ اسی طرح دوسرے امور دنیا میں جب ہم کسی کے ساتھ عہد کرتے ہیں یا کسی سے امانتاً اس کا مال لیتے ہیں یا ادھار لیتے ہیں تو جو معاہدہ کرتے ہیں اسے پورا کرنا چاہیے۔ یہ معاہدہ ایمان بڑا عجیب عہد ہے۔ یہ بندے کا تعلق رب العالمین سے براہ راست قائم کرتا ہے۔ ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے۔ آپ ﷺ کا کمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عام آدمی کو جس کی گلی محلے میں کوئی نہیں سنتا، ایک ایسا بندہ جس کی گھر میں کوئی نہیں سنتا، جسے دوسرا کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں ہے، آپ ﷺ نے اسے بھی اللہ کے حضور کھڑا کر کے اللہ کریم سے گفتگو کرنے کی سعادت عطا کر دی اور ایسی عظیم سعادت بخشی کہ شب و روز میں پانچ ملاقاتیں فرض ہو گئیں۔ اس سے زیادہ جتنا چاہے حضور حق میں بیٹھے، اللہ کا ذکر کرے، تسبیحات پڑھے، قرآن پڑھے، نبی ﷺ کی حدیث پڑھے، درود پاک پڑھے۔ اللہ کے حضور میں ہر لمحہ بسر کرے، اپنے دل میں اللہ کو بسا لے، دل ایک بار دھڑکے اور اس سے اللہ کا نام کروڑوں بار نکلے۔ وجود انسانی کھربوں ایٹمز، کھربوں اجزا کا مجموعہ ہے جن کی تعداد گنی نہیں جا سکتی۔ اگر ہر ذرہ ذاکر ہو جائے تو ایک دھڑکن میں کھربوں بار اللہ کا نام نکلے گا۔ یہ سعادت اللہ کے رسول ﷺ نے بخشی۔

تقویٰ اور تزکیہ

اور جب بندے کو ذات باری سے اتنا قرب حاصل ہو تو اس کا ایک رشتہ اور تعلق بن جاتا ہے جو اللہ کو بہت پیارا ہے۔ جس کے لئے نبی مبعوث کئے گئے کہ میرا بندہ براہ راست مجھ سے بات کرے، میری پسند مجھ سے پوچھے، میری پسند کے مطابق عمل کرے۔ اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں تقویٰ کا ترجمہ ڈر کر دیا جاتا ہے، وَاتَّقٰی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ ڈر یہ مفہوم ادا نہیں کرتا۔ ڈر تو دشمن کا بھی ہوتا ہے، کسی ایذا دینے والے جانور کا بھی ہوتا ہے، بیماری سے بھی ڈر لگتا ہے، ڈر تو اندھیرے سے بھی آتا ہے، چور ڈاکو سے بھی ڈر لگتا ہے۔ تقویٰ ایسا ڈر نہیں ہے۔ ہمارے تعلقات، دوستیاں یا رشتے ہیں۔ جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو ہم یہ سوچتے ہیں کہ اس سے ہمارے بزرگ، والد، دوست یا برادری کے لوگ ناراض تو نہیں ہوں گے۔ اگر ان کی

پسند کے خلاف ہو تو ہم وہ کام نہیں کرتے۔ جب بندے کا رب العالمین سے تعلق قائم ہو جائے، اسے اللہ پر اعتبار آ جائے کہ میرا رب ہے، میرا مالک ہے، میرا اس کے ساتھ تعلق ہے تو ہر کام کرتے وقت اسے یہ خیال آتا ہے کہ اس سے اللہ کریم ناراض تو نہیں ہوں گے۔ اگر ہو جائے تو اس پہ بڑی دیر تک افسوس کرتا ہے، توبہ کرتا ہے، اللہ سے معافی چاہتا ہے کہ میں انسان ہوں، مجھ سے خطا ہو گئی، اللہ کریم معاف کر دے۔ گناہ مزا نہیں دیتا بلکہ گناہ کڑوا لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ تقویٰ یہ احساس ہے کہ میرا اللہ کے ساتھ تعلق ہے اور میں وہ کام نہ کروں جس سے اس تعلق میں فرق آئے۔

دین کی بات ہو تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مولوی صاحب کے لئے ہے۔ عبادات اور ذکر اذکار کی بات ہو تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ پیروں فقیروں کا کام ہے، ہمارا نہیں۔ پیروں فقیروں کا اللہ بھی وہی ہے جو مولوی اور عام آدمی کا ہے۔ مولوی صاحب نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی باتیں سیکھیں جو ہم نہیں سیکھ سکے۔ وہ لائق احترام ہیں کہ ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات بتاتے ہیں اور اگر مولوی صاحب بھی اپنی بات درمیان میں داخل کر دیں تو پھر ایسے مولوی سے تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں۔ پیر صاحب نے اگر اللہ کی عبادت کی، قرب الٰہی حاصل کیا تو ہم ان کے پاس اس لئے جاتے ہیں کہ جو کیفیات ان کے دل میں ہیں، ان کا کوئی ذرہ ہمارے دل میں بھی آ جائے۔ اگر ان کے دل میں محبت الٰہی ہے، اگر ان کے دل میں عشق رسول ﷺ ہے تو اس کا کوئی شمہ، کوئی ایک کرن ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔ اگر واقعی پیر صاحب ایسے ہیں تو لائق احترام ہیں۔ اگر پیر صاحب خود اس سے محروم ہیں تو ہمیں کوئی احتیاج نہیں۔ اللہ، ہمیں بھی جانتا ہے، وہ ہمارا بھی رب ہے۔ ہم براہ راست اس سے مانگ لیں گے۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے ہر امتی کو یہ نعمت عطا کی کہ دن میں پانچ مرتبہ حضور حق حاضر ہو اور اپنا درد دل بیان کرے، اپنا دکھ سکھ بیان کرے، اس کی عظمت کا اقرار کرے اس کی بارگاہ میں سربسجود ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا، نمازی کے آگے سے مت گزرو۔ فَاِنَّهٗ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ اپنے رب سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔ جس نے اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر ہاتھ باندھ لئے اور بات شروع کی، اس نے تو دونوں جہان سے ہاتھ اٹھا لئے۔ فَاِنَّهٗ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ رب العٰلمین سے سرگوشیوں میں اپنا درد دل کہہ رہا ہے۔ جو رب بھی ہو، مالک بھی ہو، کریم بھی ہو اور دن میں پانچ مرتبہ اس کی بارگاہ میں حاضری بھی دی جائے، اس کے سامنے سربسجود بھی ہوا جائے، رکوع اور قیام بھی کیا جائے تو ایک تعلق بن جاتا ہے۔ اگر پھر بھی تعلق نہ بنے تو بندے کو سوچنا یہ ہوگا کہ میری یہ عبادت ہے بھی یا نہیں؟ کیا میرا یقین عظمت الٰہی پہ ہے یا میرا طریقہ وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ان میں سے کوئی

بھی بات حضور ﷺ کے طریقے کے مطابق نہیں ہوگی تو اثر نہیں کرے گی۔ دل ساتھ نہیں ہوگا' دل میں وہ درد نہیں ہوگا تو اثر نہیں کرے گی۔ آخرت پر' عظمت الٰہی پر' رسالت پر یقین محکم نہیں ہوگا' تو اثر نہیں ہوگا۔ اگر ہم نماز بھی پنجگانہ پڑھتے ہیں اور پھر جھوٹ بولتے ہیں' لین دین میں بددیانتی کرتے ہیں' لوگوں کا مال کھا جاتے ہیں' عزتیں لوٹتے ہیں' قتل کرتے ہیں' خونریزیاں کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ عبادت نہیں ہے۔ اس میں کہیں ایمان میں یا خلوص میں یا اتباع سنت میں کمی ہے۔ یہ تینوں چیزیں ضروری ہیں۔

محبت کے رشتے

ایمان و یقین بھی ہو' خلوص دل بھی ہو اور اتباع سنت بھی ہو۔ وَاتَّقٰى تو ایک ڈر پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں میں نے یہ بات کہی یا یہ کام کیا تو میرا محبوب ناراض نہ ہو جائے۔ اللہ کو محبوب بنا لینا اور پھر اس کی ناراضی سے ڈرنا ہی تقویٰ ہے۔ تعلق قائم ہو جائے اور پھر اس کے ٹوٹنے کا ڈر ہو کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو اس میں بال آ جائے گا' ٹوٹ جائے گا تو یہی تقویٰ ہے۔ خدا کرے محبتوں کے یہ رشتے کبھی نہ ٹوٹیں۔ یہ اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ دو جہان بھی ایک پلڑے میں رکھ دو تو خرید نہیں سکتے لیکن یہ اتنے نازک ہوتے ہیں کہ ان میں بال آ جائے تو پھر جوڑنا مشکل ہوتا ہے۔

محبت کے رشتے کو توڑا نہیں کرتے' نباہا کرتے ہیں۔ یہاں رب العٰلمین یہی بات فرما رہا ہے' وَاتَّقٰى جو توڑنے سے ڈرے' توڑے نہیں' تکلیف میں' آرام میں' دولت و سلطنت ہو تو بھی نبا ہے۔ حکمران بن جائے تو بھی اسے یاد ہو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ میرا محبوب ہے' مجھے اس کی مرضی کے مطابق حکمرانی کرنا ہے۔ جیل کی کوٹھڑی میں موت کا قیدی ہو تو بھی اسے پتہ ہو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور مجھے اس کے ساتھ عہد نباہنا ہے۔ وَاتَّقٰى جس نے اللہ سے تعلق قائم کر لیا اور اس تعلق کو توڑنے سے ڈرتا ہو۔ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ○ ایسے لوگوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ وہ اللہ کے محبوب ہوتے ہیں۔

اللہ کے تعلق کو بیچ کھانا ناقابل معافی جرم ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے نام کو' اس کی دوستی کو' اس کے تعلق کو بیچ کھاتے ہیں' دنیا کی دولت کے عوض اور اسے اللہ نے 'ثَمَنًا قَلِيْلًا' کہا ہے۔ دنیا کی ساری دولت بھی مل جائے تو پھر بھی قلیل ہے۔ نہ دنیا نے اور نہ انسان نے باقی رہنا ہے۔ جو چیز اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتی' اس میں کثرت کہاں ہوگی' وہ تو ہے ہی قلیل' تھوڑی مدت کے لئے ہے۔ زیادہ بھی ہے تو عارضی ہے۔ ایسے لوگ جو اللہ کے عہد کو اور اپنے ایمان کو دنیا کی دولت کے لئے بیچ دیتے ہیں اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی

الْاٰخِرَةِ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ جو دنیا لی تھی وہ دنیا میں رہ گئی اور موت نے وہ رشتے توڑ دیئے۔ میدان آخرت میں جائیں گے تو ایسے محروم ہوں گے کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہوگا۔

ان کی بدقسمتی کا یہ عالم ہوگا وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ اللہ ان سے بات کرنا گوارا نہیں فرمائے گا' اللہ ان کی طرف نظر کرنا پسند نہیں فرمائے گا۔ نہ انہیں مکالمہ الٰہی نصیب ہوگا' نہ اللہ کی نظر کرم نصیب ہوگی' نہ ان کے گناہ معاف کرے گا۔ یہ ایسا جرم ہے کہ اگر کسی نے اللہ کے تعلق کو بیچ کھایا تو فرمایا' میں اسے پاک نہیں کروں گا' اس جرم کو دھو کر صاف نہیں کروں گا لَا يُزَكِّيْهِمْ پھر اسے پاکیزگی اور تزکیہ نصیب نہیں ہوگا۔

تزکیہ دین کی بنیاد ہے اور اللہ سے تعلق' دل کے اندر کی سوچ اور آرزوؤں کی پاکیزگی کا نام تزکیہ ہے۔ بندے سے بڑی خطائیں ہوں گی' بحیثیت انسان بڑے گناہ ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ بارگاہ الوہیت میں ایک بندہ ایسا پیش ہوگا جس کے گناہوں نے زمین اور آسمانوں کو بھر دیا ہوگا لیکن اس کا کوئی ایک کلمہ خیر اللہ کو مقبول ہوگا تو اللہ ایک کلمے کے صدقے اس کے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ فرماتے ہیں جس کی ایک تسبیح قبول ہوگئی' اَللّٰهُ اَكْبَرُ بھی تسبیح ہے' سُبْحَانَ اللّٰهِ بھی تسبیح ہے' سُبْحَانَ رَبِّىَ الْعَظِيْم بھی تسبیح ہے' سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلٰى بھی تسبیح ہے' بِسْمِ اللّٰهِ بھی تسبیح ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ زندگی میں جس کی ایک تسبیح قبول ہوگئی تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے' دوزخ میں نہیں جائے گا لیکن یہ گناہ نہ ہو کہ اللہ کے رشتے کو بیچ کھایا اور اللہ کے ساتھ شرک کیا ہو۔ یہ اتنا عظیم جرم ہے۔ فرمایا: ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے عہد کو دنیا کی دولت کے لالچ میں بیچ کھاتے ہیں۔ اگر کوئی یہ جرم کرے گا تو سن لے! آخرت میں' ابدی زندگی میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا' نہ ہی اللہ اس سے کلام فرمائے گا' نہ ہی اللہ اس پر رحم و کرم کی نظر فرمائے گا' نہ اسے اس جرم سے پاکیزگی عطا ہوگی بلکہ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ اسے صرف عذاب نہیں ہوگا' اسے دردناک عذاب ہوگا۔ اللہ کریم معاف فرمائے' اللہ کریم اپنی نافرمانی سے' گناہوں سے محفوظ رکھے' نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی ذات اور اپنے حبیب ﷺ کے ساتھ رشتہ محبت استوار فرمائے۔ آمین!

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ

اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَدْرُسُوْنَ ۙ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ
اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۧ﴿٨٠﴾ ع ۸ ۹ ۱۲

اور بے شک ان میں ایک فریق ہے جو کتاب (پڑھتے وقت) اپنی زبانیں مروڑتے ہیں تا کہ تم سمجھو کہ وہ کتاب سے ہے، حالانکہ وہ کتاب سے نہیں (ہوتا)، اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، اور وہ جانتے ہیں۔ کسی آدمی کے لئے (یہ شایان) نہیں کہ اللہ اسے کتاب، اور حکمت، اور نبوت عطا کرے، پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ کی بجائے میرے بندے ہو جاؤ، لیکن (چاہیے کہ کہے) تم اللہ والے ہو جاؤ، اس لئے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور تم خود (بھی) پڑھتے ہو۔ اور نہ وہ تمہیں حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو پروردگار ٹھہراؤ، کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا، اس کے بعد کہ تم مسلمان (فرمانبردار) ہو چکے؟

خلاصۂ تفسیر ومعارف

یہود ونصاریٰ کے علماء کی عمومی روش

یہود ونصاریٰ کے ایسے علماء کی بات چل رہی تھی جو یہ جانتے ہوئے کہ حق کیا ہے، دین میں تحریف کرتے ہیں۔ دنیا کا مال حاصل کرنے کے لئے یا لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کے لئے غلط فتوے دیتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ یہی اللہ کا حکم ہے یعنی اللہ کریم پر جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ ان کے لئے بہت بڑی وعید تھی کہ اللہ کریم ان پر نہ نظر کرم فرمائے گا، نہ ان کی بات سنے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اب ان میں سے کچھ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو کلام الٰہی کو ہی بدل دیتے تھے۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ یعنی اہل کتاب میں کچھ ایسے بھی تھے جو تورات کی عبارت پڑھتے تھے تو الفاظ کو ایسے چبا کر بولتے تھے یا زبان کو اس طرح بدل کر بولتے تھے کہ کتاب کے مندرجات کو اور الفاظ کو بدل دیتے تھے۔ سننے والا یہ سمجھتا تھا کہ کتاب میں سے پڑھ رہے ہیں حالانکہ کتاب میں وہ لکھا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ اصل عبارت اور ہوتی تھی اور وہ اس کی ادائیگی میں اس طرح سے عبارت کو چبا کر یا زبان کو بدل کر پڑھتے کہ سننے والا یہ سمجھتا کہ کتاب میں ایسے ہی لکھا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور وہ یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ اللہ کا یہی حکم ہے اور یہی اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ **وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ** حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا تھا۔ **وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○** اور وہ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہوتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء میں یہود پیش پیش تھے جو نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرتے تھے اور جہلاء کو ورغلانے کے لئے اپنی کتاب کے الفاظ بدل دیتے تھے۔ چونکہ تورات، انجیل اور تمام پہلی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر آیا ہے۔ تمام انبیاء سے اللہ کریم نے یہ عہد لیا تھا اور ہر نبی کی تبلیغ میں یہ بات موجود ہے کہ نبی آخرالزمان مبعوث ہوں گے اور اگر تم سے کوئی ان کا زمانہ پائے تو ان پر ایمان لائے اور ان کی اطاعت اختیار کرے۔ ان باتوں کو وہ اس طرح سے پڑھتے، اس طرح سے لب ولہجہ بدلتے، زبان کو اس طرح سے لوچ دیتے اور الفاظ کو اس طرح سے بدل دیتے کہ کتاب میں اصل الفاظ اور ہوتے تھے اور سننے والا کچھ اور سمجھتا۔ وہ کہتے تھے کہ جو ہم نے پڑھا ہے اور جو تم نے سمجھا ہے، یہی اللہ کا حکم ہے۔ وہ یہ جانتے بھی تھے کہ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں۔

فتویٰ فروشی

آج ہمارے معاشرے میں بھی بعض ایسے بدنصیب لوگ ہیں جن کو پتہ ہوتا ہے کہ حقیقت کیا ہے اور اس کا شرعی فیصلہ کیا ہے لیکن وہ پیسے لے کر یا لالچ میں واقعہ کو بدل دیتے ہیں یا فتویٰ بدل دیتے ہیں۔ شرعی اعتبار سے جب فتویٰ دیا جاتا ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ اگر وہ شریعت کے مطابق نہ ہو اور آدمی دنیا کے لالچ میں آ کر یا کسی اور وجہ سے اس طرح کا فتویٰ دے تو اس میں دو جرم بن جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ کے حکم کو، اللہ کے نبی ﷺ کے حکم کو بدل دیا اور دوسرا یہ دعویٰ ضرور کرنا پڑتا ہے اور سمجھنے والا سمجھ رہا ہوتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے، حالانکہ وہ اللہ کا حکم نہیں ہوتا، جان بوجھ کر جھوٹ بولا جاتا ہے۔

بات اب کچھ اس سے بھی آگے بڑھ گئی ہے۔ ایک یہ بات تھی کہ نہ جاننے والے لوگ جب اہل

کتاب کے علماء سے پوچھتے تو وہ جو کچھ کتاب اللہ میں ہے اسے بدل دیتے۔ وہ لوگ کتاب سے واقف نہیں ہوتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی کتاب میں ہے حالانکہ وہ کتاب میں نہیں ہوتا تھا۔ اب ایک مصیبت یہ ہے کہ لوگ جان بوجھ کر فتویٰ خریدنے جاتے ہیں یعنی جو فتویٰ خریدنا چاہتے ہوتے ہیں وہ بھی جان رہے ہوتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ غصے میں آ کر طلاق دے دیتے ہیں لیکن بعد میں سمجھ آتی ہے کہ یہ تو غلط ہو گیا۔ اہل حق کے پاس جاتے ہیں تو وہ بتا دیتے ہیں کہ طلاق ہو چکی' اب اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر وہ ایسے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں جو انہیں لکھ کر دے دیں کہ طلاق نہیں ہوئی۔ فتویٰ بیچنے والے خود انہیں سمجھاتے ہیں کہ تم اس طرح نہ کہو کہ میں نے ایسے کہا ہے بلکہ تم یوں کہو میں نے یہ کہا ہے۔ فتوے سے مراد ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کے دین کے حکم کا پتہ چل جائے۔ بندہ اس کے مطابق عمل کرے تا کہ اس کی آخرت تباہ نہ ہو' اخروی عذاب سے بچ جائے اور اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ فتویٰ اگر دنیا کے لئے لیا جائے کہ اللہ ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے' اللہ کا حکم بدلتا ہے تو بدل جائے لیکن فتویٰ لے کر دنیا کے لوگوں کے سامنے سرخرو ہو جاؤ۔ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے یا لوگوں کی لعن طعن سے بچنے کے لئے اللہ کریم پر جھوٹ بولا جائے تو یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ پہلی امتیں تو کسی ایک گناہ کے سبب ہلاک ہوئیں یا ان کا کوئی ایک جرم مشہور تھا لیکن آخری امت کے لوگ ہر گناہ میں ملوث ہوں گے' حتیٰ کہ اگر پہلی امتوں کا کوئی شخص کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تو یہ بھی وہاں سر ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ یعنی جب ایمان کمزور پڑیں گے' وہ لوگ صراط مستقیم سے بھٹکیں گے تو پھر انہیں گناہوں میں مبتلا ہو جائیں گے جو پہلی امتوں میں تھے۔

کسی نبی نے اپنی بندگی کی دعوت نہیں دی

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ اللہ کے کسی رسول' کسی نبی نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کی جگہ میری پوجا شروع کر دو۔ کبھی کسی نبی کی تعلیمات میں نہیں ہے حالانکہ بعد میں قوموں نے ایسا کیا: موسیٰ علیہ السلام نے توحید باری کی تعلیم دی۔ ان کی قوم نبی اسرائیل نے جو ایک بچھڑا سا بنایا تھا اسے جلا کر دریا میں پھینک دیا اور لوگوں کو شرک سے منع کیا۔ لوگ تائب ہوئے بلکہ اللہ کا حکم یہ تھا کہ جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا ہے وہ اپنی گردن جھکا دیں اور جنہوں نے سجدہ نہیں کیا وہ ان کی گردن ماریں تو کتنے دن قتل عام جاری رہا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے گلوخلاصی ہوئی اور اللہ کریم نے انہیں معاف فرمایا۔ اسی قوم نے پھر عزیر

علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا کہتے ہیں کہ یہ ہماری کتاب میں ہے اور ہمارے نبی علیہ السلام کی تعلیمات یہی ہیں۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے توحید خالص کی تعلیم دی لیکن ان بدنصیبوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ذمے یہ الزام لگا دیا کہ انہوں نے خود اعلان کیا تھا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں، مجھے باپ نے بھیجا ہے اور تمہارے گناہوں کے بدلے میں صلیب پر چڑھ گیا۔ اب جو گناہ تم کرتے ہو، وہ معاف ہو گئے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ جس ہستی کو اللہ کریم کتاب عطا کرے، کتاب کا فہم اور دانش عطا کرے اور نبوت سے سرفراز فرمائے، یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ کا وہ مقرب کہہ دے: كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ کہ اللہ کو چھوڑ کر میری پوجا شروع کر دو، یہ ممکن ہی نہیں۔

انبیاء کے معجزات دعوت توحید ہیں

انبیاء کو عموماً جو معجزات دیئے جاتے ہیں وہ ان کی بعثت کے وقت جو کمالات پائے جاتے ہیں ان کے مطابق ہوتے ہیں تاکہ وہ صاحب کمال لوگوں کو عاجز کر سکیں اور انہیں منوا سکیں کہ اس بندے کے ساتھ اللہ کی قوت ہے، یہ اللہ کا نبی اور اللہ کا رسول ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو زوروں پر تھا تو انہیں جو معجزات عطا کئے گئے ان کے مقابلے میں جادوگر عاجز آ گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اطباء بہت معروف تھے۔ انہیں ایسے معجزات دیئے گئے جہاں طب عاجز آ گئی۔ جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے۔ عرب اس وقت اپنی زبان دانی کی معراج پر تھے یعنی اس قدر زبان دانی، ادب، شعر و سخن، فلسفہ اور اس قدر ادبی تحقیقات تھیں کہ اہل عرب دوسری دنیا کو عجم کہتے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب سب سے اعلیٰ معجزہ دیا گیا وہ یہ اللہ کی کتاب ہے جو آج بھی حضور ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔ جس نے اس وقت بھی اعلان کیا کہ کسی میں جرأت ہے تو اس جیسی ایک آیت، ایک جملہ بنا کر لے آئے اور آج تک یہ کتاب وہ اعلان بار بار دہرا رہی ہے۔ اس کے ساتھ یہ اعلان بھی قرآن نے کر دیا کہ تم ایسا کبھی نہیں کر سکو گے اور ایسا نہ ہو سکا۔ آپ ﷺ نے اپنے فضائل میں ارشاد فرمایا وَاُوْتِيْتُ جَوَامِعُ الْكَلِمِ۔ مجھے اللہ نے جامع کلمات عطا فرمائے یعنی جملہ بہت چھوٹا سا ہوتا ہے لیکن اس میں معانی و مفاہیم کا ایک سمندر موجزن ہوتا ہے تو حضور ﷺ کا ہر جملہ ایک معجزہ تھا۔ پھر معراج شریف آپ ﷺ کا زندہ معجزہ تھا۔ چاند کا شق ہو جانا آپ ﷺ کا زندہ معجزہ تھا اور اس طرح سے بے شمار معجزات تھے جو اس وقت کے لوگوں نے دیکھے۔

اب جس بندے کو اللہ کریم اتنی برکات عطا فرماتا ہے معجزات عطا فرماتا ہے تو وہ اس لئے عطا فرماتا ہے کہ وہ توحید باری کا پرچار کرے عظمت الٰہی کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کرے اور لوگوں کو اللہ سے آشنا

کرے۔ حضور ﷺ کے اتنے معجزات ظاہرہ و باہرہ دیکھنے کے بعد اگر حضور ﷺ عربوں کو فرماتے کہ مجھے سجدہ کرو تو عربوں کے بڑے بڑے پیشوا' دانشور اور اہل سخن بھی سجدہ کرنا فخر محسوس کرتے چونکہ اس چیز کے وہ عادی تھے انہیں کوئی نہ کوئی مجسم رب چاہئے تھا۔ وہ جادوگروں کو سجدے کرتے' نجومیوں کو سجدے کرتے' عاملوں کو سجدے کرتے' جن کی زندگیاں ہی بڑی قبیح ہوتی ہیں۔ بتوں کو سجدے کرتے' وہ حضور ﷺ کو سجدے کیوں نہ کرتے؟ بہت سے لوگ' دانشور' شاعر' ادیب جو اپنے آپ کو اہل علم سمجھتے تھے وہ حضور ﷺ کے درِ اقدس پہ جمع ہو جاتے لیکن آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کی یہ دلیل کافی ہے کہ ہر آنے والے کو حضور ﷺ نے فرمایا' میں بھی اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہوں اور تم بھی میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور براہ راست اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاؤ۔

غیر نبی سوچ نہیں سکتا کہ جسے نبوت ملتی ہے' اللہ کی طرف سے حکمت و دانائی ملتی ہے' کتاب ملتی ہے' وہ قربِ الٰہی کی کن منازل پر کھڑا ہوتا ہے۔ نبی تو کجا ایک صحیح العقیدہ مسلمان پر ساری دنیا زور لگا لے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرو تو اس کا سر نہیں جھکتا۔ اس کی گردن کٹ سکتی ہے' جھک نہیں سکتی۔ تیرہ سال مکی حیات مبارکہ اس پہ گواہ ہے کہ ایسے لوگوں نے بھی کلمہ طیبہ پڑھا جن کی نسلیں غلام در غلام چلی آ رہی تھیں لیکن انہوں نے کلمہ حق پڑھا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں اللہ کے سوا دوسرے در پہ جھکا نہ سکی۔ ایسے لوگ بھی تھے جو رؤساء مکہ میں سے تھے۔ انہوں نے جائیدادیں چھوڑ دیں' جاگیریں چھوڑ دیں' کوڑے کھائے' گرم لوہے سے داغے گئے' گرم ریت پہ لٹا کر سینے پہ پتھر رکھے گئے' انہی تپتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا حتیٰ کہ بعض صحابہؓ کی پیٹھ کی چربیاں پگھل کر ان انگاروں کو بجھا دیتی تھیں لیکن کسی نے توحید باری سے پھرنے کا کوئی اشارہ نہیں دیا۔

کیوں؟ نورِ نبوت نے انہیں لذتِ توحید سے آشنا کر دیا۔ نبی ﷺ کی نظر کرم نے ان کے وجود میں' نس نس میں' توحید باری کا نور روشن کر دیا۔ اگر خود نبی ﷺ کی تعلیمات سے ایسے ایسے سرفروش پیدا ہوتے ہیں تو نبی کو کب زیب دیتا ہے کہ وہ توحید کے خلاف کبھی سبق دے! فرمایا: یہ جو کہتے ہیں عزیر علیہ السلام نے کہا ہے میں اللہ کا بیٹا ہوں' یہ جو عیسائی کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے میں اللہ کا بیٹا ہوں' یہ اللہ پر بھی جھوٹ بولتے ہیں' اللہ کے نبی پر بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ یہ بات کسی انسان کو زیب ہی نہیں دیتی کہ اسے جب اللہ کتاب بھی دے' کتاب کی دانش و حکمت بھی دے' نبوت سے سرفراز فرمائے تو وہ اللہ سے ایسی باتیں منسوب کرے۔

انبیاء کے پاس تو وہ دولت ہوتی ہے کہ اللہ کو روبرو پاتے ہیں اور اپنا سارا دکھ سکھ اللہ سے کرتے

ہیں۔ وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ تَكْلِيمًا۔ بعض ایسے ہیں جنہیں اللہ سے براہ راست خطاب حاصل ہے۔ ایسے بھی ہیں جس کو رب کریم نے معراج پہ بلایا اور جہاں فرشتوں کے پر جلتے تھے' وہاں نبی کریم ﷺ کا وجود اطہر تشریف لے گیا۔ نبی کے پاس اللہ کی دی ہوئی کتاب ہو' دانش ہو' کتاب کے مفاہیم ہوں اور نورِ نبوت ہو تو وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری پوجا شروع کر دو۔ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وہ کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری پوجا شروع کر دو؟ یہی تو اس کی نبوت کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ کھڑا کر کے بندے کو اللہ سے آشنا کرتا ہے۔

علمائے ربانی کون ہوتے ہیں

وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ۙ اللہ کا نبی تو یہ کہتا ہے رَبَّانِيِّينَ بن جاؤ۔ رَبَّانِيِّينَ سے کیا مراد ہے؟ آج بھی ہم سنتے ہیں علمائے ربانی ہوتے ہیں۔ ایک عالم اور عالم ربانی میں کیا فرق ہے؟ نبی کریم ﷺ کی برکات دو طرح سے ہیں۔ ایک تعلیمات نبوت ہیں۔ تعلیمات نبوت میں سب سے بڑی تعلیم جو حضور ﷺ نے دی' وہ قرآن ہے جو آپ ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔ ساری انسانیت نے قرآن نبی کریم ﷺ سے لیا چونکہ وحی الٰہی صرف حضور ﷺ نے وصول کی۔ کوئی دوسرا انسان اس پہ گواہ نہیں ہے کہ میں بھی سن رہا تھا' یہ وہی وحی تھی۔ یہ صرف حضور ﷺ کی صداقت ہے کہ ساری کائنات کو اللہ کی کتاب دی۔ پھر کتاب کی تشریح اور وضاحت میں حضور ﷺ نے جو فرمایا وہ بھی اللہ کی دی ہوئی وحی تھی جس میں مفاہیم اللہ کے اور الفاظ آقائے نامدار ﷺ کے تھے۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات ہیں جنہیں حاصل کرنا بہت بڑی دولت ہے لیکن اگر ان تعلیمات کے ساتھ کیفیات نہ ہوں تو وہ محض عالم ہو گا۔ علم بھی ہو' عمل بھی نصیب ہو تو یہ بہت بڑی بات ہے' لیکن صرف عالم کہلائے گا۔ علم ہے' عمل نصیب نہیں تو قرآن اسے جاہل کہتا ہے۔ اگر ایک آدمی نے قرآن کا ترجمہ یاد کر رکھا ہے' بہت سی احادیث مبارکہ یاد کر رکھی ہیں لیکن اسے نیکی کی توفیق نہیں' عمل نہیں کرتا تو وہ جاہل ہے۔ جو جانتا بھی ہے اور عمل بھی کرتا ہے وہ عالم ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ علم کے ساتھ برکات نبوت بھی نصیب ہوں۔ نبی کریم ﷺ جو فرماتے تھے اس کے ساتھ وہ کیفیت بھی نصیب ہوتی تھی۔ اگر حضور ﷺ نے کہا اللہ واحد ہے تو سننے والے نے یہ کلمہ سنا' یاد کر لیا لیکن اس کے دل میں ایک کیفیت کا جھونکا بھی گزر گیا جو توحید باری رقم کر گیا اور اس کا دل اس پر جم گیا کہ واقعی اللہ واحد ہے۔ اس کے دل میں اللہ کی تجلیات آ گئیں' انوارات آ گئے' برکات نبوت انہیں کہتے ہیں۔ تو جس شخص کے پاس علم بھی ہو' عمل بھی ہو اور وہ کیفیات بھی ہوں' محسوسات بھی ہوں' اس کا قلب' اس کا باطن'

اس کی روح، اس کا دل ان کیفیات کو محسوس بھی کرتا ہو، اسے عالم ربانی کہتے ہیں۔

انبیاء کی تعلیم تو یہ ہوتی ہے كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ کہ عالم ربانی بن جاؤ۔ جو عالم ربانی نہیں بنتا اس نے بھی نبی کی دعوت کا حق ادا نہیں کیا۔ اگر دینی علوم بھی حاصل کر لئے، ان پر عمل بھی نصیب ہے تو اللہ کا شکر ہے لیکن کیفیات نہیں ہیں تو اس نے بھی نبی کی اطاعت کا حق ادا نہیں کیا۔ نبی کا حکم تو ہوتا ہے كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ عالم ربانی بن جاؤ۔ اللہ کے دین کو سیکھو اور اس پر عمل بھی کرو، اسے دل میں بساؤ اور ان کیفیات کو محسوس بھی کرو۔ یہ ساری برکات نور نبوت ہی سے نصیب ہوتی ہیں۔ تو انبیا یہ نہیں کہتے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہماری پوجا شروع کر دو بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ عالم ربانی بن جاؤ۔ جن کے پاس علم ہو گا وہ دوسروں کو کتاب سکھائیں لیکن جب کتاب سکھاؤ تو انہیں یہ کیفیات بھی عطا کرو۔ جب کتاب پڑھتے ہو تو ان کیفیات کو بھی محسوس کرو۔

انبیاء علیہ السلام اپنی پرستش کی دعوت نہیں دیتے بلکہ علمائے ربانی بن جانے کی تلقین کرتے ہیں، انہیں بھلا یہ زیب دیتا ہے کہ شرک کی طرف بلائیں اور کفر کی دعوت دیں۔ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ اللہ کا نبی تمہیں یہ حکم نہیں دے سکتا کہ فرشتوں اور نبیوں کو اپنے رب بنا لو۔ بھلا اسے یہ زیب دیتا ہے کہ جب تم مسلمان ہو چکے تو تمہیں کفر کی طرف دعوت دے۔ انبیاء کی تعلیم کا محور ہی توحید ہے، بھلا اس میں شرک کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے کہ فرشتوں اور نبیوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا جائے اور انہیں اللہ کی اولاد کہا جائے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ
رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ
وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا
مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس رسول آئے، اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ اس نے

فرمایا، کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے اس پر میرا عہد قبول کیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ اس نے فرمایا پس تم گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر جو اس کے بعد پھر جائے تو وہی نافرمان ہیں۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

نبی آخری الزمان ﷺ کی نبوت پر بطور دلیل اہل کتاب سے یہ خطاب گزرا کہ تمہاری اپنی کتابوں میں حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت، آپ ﷺ کے اوصاف، آپ ﷺ پر ایمان لانے کی اور آپ ﷺ کا اتباع کرنے کی تاکید موجود ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام سے حضور ﷺ کی نصرت کا عہد

یہاں اس واقعہ کی طرف توجہ دلائی گئی کہ اللہ کریم نے انبیاء عَلَیۡهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے بھی عہد لیا تھا۔ یوم الست اللہ کریم نے تمام ارواح پر یہ سوال کیا: اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى ۚ تمہیں پیدا کرنے والا، تمہیں پالنے والا، تمہاری ساری حاجات کو پورا کرنے والا کیا میں تمہارا پروردگار، تمہارا رب نہیں ہوں اور سب نے کہا تھا یقیناً تو ہی ہمارا رب ہے۔ سب ارواح سے عہد لیا اور فرمایا کہ پھر دنیا میں جا کر بھول نہ جانا اور دنیا میں کھو نہ جا، اس بات کو یاد رکھنا۔ انبیاء عَلَیۡهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اسی عہد کو یاد کرانے کیلئے مخلوق کی طرف مبعوث ہوتے رہے۔

پھر فرمایا: نہ صرف سب ارواح سے بلکہ انبیاء عَلَیۡهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی ارواح سے الگ عہد لیا گیا وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ اللہ کریم نے تمام انبیاء عَلَیۡهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے الگ عہد لیا تو یہ عہد کیا تھا؟۔ لَمَاۤ اٰتَيۡتُكُمۡ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں گا۔ یہ بات بڑی توجہ کے قابل ہے کہ کتاب صرف انبیاء عَلَیۡهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر نازل ہوتی ہے اور امت کتاب انبیاء سے پاتی ہے۔ حکمت بھی اللہ کریم کی طرف سے وہبی طور پر انبیاء کو عطا ہوتی ہے اور انبیاء کرام اس حکمت کے امین ہوتے ہیں۔ حکمت کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ جان لے کہ ارشادات باری سے مراد کیا ہے؟ کتاب میں جو کچھ نازل کیا گیا اس کا مفہوم کیا ہے اللہ کریم کے ارشاد کا مطلب اور معنٰی کیا ہے؟

مختلف کتابیں مختلف زبانوں میں نازل ہوئیں۔ جس قوم کی طرف نبی مبعوث ہوا، جو زبان نبی اور

اس کی قوم کی تھی اسی زبان میں وہ کتاب بھی نازل ہوئی۔ سب سے آخر میں قرآن حکیم آقائے نامدار ﷺ پر نازل ہوا اور آپ کی زبان عربی میں نازل ہوا۔ تو اللہ کریم نے تمام انبیاء سے یہ وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب عطا کروں اور حکمت عطا کروں۔ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ اور تم سب کے بعد جب میرے آخری رسول حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوں تو مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ جو کچھ تمہارے پاس ہے، اس کی تصدیق فرمائیں گے۔ جتنے انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مبعوث ہوئے، وہ دو قسم کی چیزیں لائے۔ ایک کا تعلق خبر سے تھا، جیسے اللہ کی ذات اور صفات کے بارے خبر دی کہ وہ واحد ہے، لاشریک ہے، کوئی اس کا ثانی و ہمسر نہیں۔ اسی طرح انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نے آخرت کے بارے، فرشتوں کے بارے، حساب کتاب اور جنت و دوزخ کے بارے خبر دی۔ تو خبر ہمیشہ ایک ہی رہی۔ اللہ کی ذات صفات کے بارے یا آخرت کے بارے یا ان حقائق کے بارے جو خبر آدم عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نے دی، حضرت عیسیٰ عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تک جتنے نبی مبعوث ہوئے سب نے اسی خبر کی تصدیق فرمائی۔ سچی خبر ہمیشہ ایک ہوتی ہے۔ اگر ایک بات کے متعلق دو خبریں آئیں تو دونوں میں سے ایک سچی ہوگی، دونوں سچ نہیں ہوسکتیں۔ اگر ان میں اختلاف ہوگا تو ایک خبر سچی ہوگی، دوسری سچی نہیں ہوگی۔

یعنی ہر نبی کے کلمے کا پہلا جزو ایک ہی تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللہ کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں جس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے، جس کی عبادت کی جائے۔ جس سے امید وابستہ کی جائے اور تمام انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نے اسی خبر کی تصدیق فرمائی۔ حتیٰ کہ جب آقائے نامدار ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی اور کلمہ اسلام کا پہلا جزو بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی ٹھہرا۔

تمام انبیاء سے یہ وعدہ لیا گیا کہ جب تمہارے پاس اللہ کا آخری نبی دنیا میں تشریف لائے تو لتومنن تم سب کو اس پر ایمان بھی لانا ہے۔ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ اور اس کی مدد بھی کرنا ہے۔ انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تو روزِ الست سے ایمان لے آئے اور جب ہر نبی مبعوث ہوا اور اس کے پاس صحیفے آئے، آسمانی کتاب آئی یا وحی الٰہی سے احکام نازل ہوئے تو ہر کتاب، ہر صحیفے میں بھی حضور ﷺ کا ذکر خیر تھا اور ہر امت کیلئے آپ ﷺ پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری تھا جیسا آج ضروری ہے۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ اس پر ایمان بھی لانا ہے۔

انبیاء تو اپنے وقت میں آئے اور تلقین کر کے تشریف لے گئے لیکن امتیں چلتی رہیں، لہٰذا ہر امت پر یہ لازم تھا کہ جو بھی حضور ﷺ کا زمانہ پائے، آپ ﷺ پر ایمان بھی لائے اور آپ ﷺ کی کامل اطاعت اختیار کر کے آپ ﷺ کے مشن میں شریک ہو کر آپ ﷺ کی معاونت کرے یعنی جو نغمہ توحید حضور ﷺ سنا رہے ہیں، اسے خود

بھی قبول کرے اور دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کرے۔ سب انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ پر یہ سوال کیا گیا قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ کیا تم نے اس بات کا اقرار کرلیا وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ اور اس پر تم نے اللہ کا یعنی میرا عہد قبول کرلیا۔ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ سب نے کہا اقرار کرتے ہیں، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جو بھی ہماری بات سنے گا ہم تلقین کر کے جائیں گے کہ جو بھی نبی کریم ﷺ کا زمانہ پائے آپ ﷺ کا اتباع بھی کرے۔

خطاب اہل کتاب سے ہو رہا ہے، فرمایا: کہ تمہارے انبیاء بھی حضور ﷺ پر ایمان لائے، تمہاری کتابوں میں حضور ﷺ کے اوصاف بیان ہوئے اور تم سب پر ضروری ٹھہرا کہ جب حضور ﷺ مبعوث ہوں تو آپ ﷺ پر ایمان لاؤ۔ حضور ﷺ پر ایمان نہ لانے والے اہل کتاب اپنی کتابوں کے بھی منکر ہو گئے۔ ان کی اپنی کتابوں میں بھی یہ حکم موجود تھا، ان کے اپنے انبیاء نے بھی یہ حکم دیا تھا اور جب انہوں نے اس حکم کی تعمیل نہ کی تو گویا وہ اپنے دین سے پھر گئے اور اپنے نبی کی اطاعت سے بھی نکل گئے۔

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۝ تو اللہ کریم نے تمام انبیاء کی ارواح مبارکہ سے فرمایا کہ اس بات کے گواہ رہیے اور میں بھی اس بات پر گواہ ہوں۔ چنانچہ شب معراج حضور نبی کریم ﷺ جب بیت المقدس تشریف لے گئے تو اللہ کریم نے تمام انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کو وہاں جمع فرمایا اور حضور ﷺ کی اقتداء میں سب انبیاء نے دوگانہ ادا کیا یعنی آپ ﷺ پر ایمان کی تکمیل بھی ہو گئی اور آپ ﷺ کے اتباع کی تکمیل بھی ہو گئی۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ فرمایا: ایک بات یاد رکھو! اس کے بعد بھی جو میرے نبی ﷺ کی اطاعت سے پھر جائے گا، وہ سخت نافرمانوں میں شامل کیا جائے گا۔ یہ یاد رکھ لو! جو بھی اتباع رسالت چھوڑ دے گا، وہ اس بات کو معمولی نہ سمجھے۔ وہ نافرمان شمار ہوگا، بغاوت کرنے والا شمار ہوگا۔

سابقہ امم سے بھی قبر میں حضور ﷺ کی بابت سوال ہوگا

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ روز اول سے لے کر آج تک جتنی مخلوق بھی گزری، قبر میں اللہ کے بارے، نبی کے بارے، دین کے بارے سوال ہوا تو ہر امتی نے اپنے نبی کی نبوت کی تصدیق کی، اپنے دین کی تصدیق کی، اللہ کی توحید کی تصدیق کی لیکن سب پر یہ سوال بھی ہوتا تھا مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ برزخ میں حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات اور مرنے والے کے درمیان حجاب ہٹا دیے جاتے اور یہ سوال ہوتا تھا کہ اس ہستی کے بارے تم کیا کہتے ہو؟ جنہوں نے اللہ اور اپنے نبی کی اطاعت کی ہوتی، دین پر کاربند رہتے انہیں حضور ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہو جاتی۔ چونکہ ان

کے نبی نے، ان کی کتاب نے انہیں حضور ﷺ کے بارے میں بتایا ہوتا تھا، لہٰذا وہ تصدیق کرتے کہ یہ اللہ کے آخری رسول ﷺ ہیں اور ہمارا ان پر ایمان ہے۔

حضور ﷺ کی بعثت عالی کے بعد قیامت تک آنے والی مخلوق میں سے جب کوئی برزخ میں داخل ہوتا ہے تو یہ سوال دہرایا جاتا ہے اور جو لوگ زندگی میں اطاعت الٰہی کرتے ہیں اور حضور ﷺ کا اتباع کرتے ہیں، ان کو حضور ﷺ کی زیارت بھی نصیب ہوتی ہے اور وہ تصدیق بھی کرتے ہیں لیکن جو بندہ اتباع نہیں کرتا یا جس کا عقیدہ خراب ہو جاتا ہے تو اس کے اپنے اعمال کی سیاہی حجاب بن جاتی ہے۔ باقی حجاب تو ہٹا دیے جاتے ہیں لیکن اس کے کردار کا حجاب درمیان میں آ جاتا ہے اور وہ کہتا ہے **هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لَا اَدْرِیْ** کیا پوچھ رہے ہو، مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا، کچھ بھائی نہیں دے رہا، کس کے بارے پوچھ رہے ہو؟ وہ زیارت سے بھی محروم رہتا ہے، پہچان اور جواب سے بھی محروم رہتا ہے۔

مسجد اقصیٰ

جب بھی بیت المقدس کی بات ہوتی ہے، ہمیں ایک ہشت پہلو عمارت دکھائی جاتی ہے جس پر سبز رنگ کا گنبد ہے۔ یہ مسجد بیت المقدس نہیں ہے۔ اس مسجد کے باہر ایک چٹان تھی جسے آج بھی گنبد صخریٰ یا انگریزی میں Dome of the Rock کہتے ہیں یعنی چٹان پر بنا ہوا گنبد اور **قبة الصغراء** کا بھی یہی مطلب ہے۔ یہاں وہ چٹان ہے جس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے براق کو باندھا گیا تھا۔ یہاں ایک بڑا سا پتھر ہے جس کے اوپر یہ سبز گنبد بنا ہوا ہے اور اس کے گرد ہشت پہلو عمارت ہے۔ آپ ﷺ براق سے نیچے تشریف لائے تو اس کی لگام ایک سوراخ سے گزار کر براق کو وہاں باندھ دیا اور خود مسجد تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمائی۔ اس پتھر کے ساتھ ہی تھوڑے فاصلے پر وہ مسجد الگ ہے۔

اب بڑے عرصے سے اصل مسجد اقصیٰ مسجد دکھائی نہیں جاتی بلکہ میرے خیال میں تو عام مسلمان کو یہ علم ہی نہیں ہے۔ سب اسی ہشت پہلو گنبد کو بیت المقدس سمجھتے ہیں اور شائد یہ جان بوجھ کر کیا جا رہا ہے کہ لوگوں کے ذہن سے اصل مسجد محو ہو جائے اور کبھی وہ گرا بھی دی جائے تو شور بپا نہ ہو اور لوگوں کو پتہ ہی نہ چلے کیونکہ یہ مسجد الگ ہے۔ وہ مسجد اسی گنبد صخریٰ یا **قبة الصخریٰ** کے ساتھ قریباً سو گز کے فاصلے پر ہے۔ قدیم مسجد بہت خوبصورت اور بہت وسیع ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعداد کم و بیش سوا لاکھ بتائی جاتی ہے جو حتمی نہیں ہے۔ اس سے کم ہیں یا زیادہ ہیں لیکن جہاں حضور ﷺ نے سوا لاکھ انبیاء کی امامت فرمائی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ

اتنی عمارت ہے کہ اس میں اتنے لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ تمام انبیاء وہاں تشریف لائے اور ان کے ساتھ جو عہد الٰہی تھا وہ مکمل ہوا۔

عملاً اپنی زندگی میں ہر نبی نے یہ تلقین کی کہ جو بھی میری امت میں سے حضور ﷺ کا زمانہ پائے آپ ﷺ پر ایمان بھی لائے اور آپ ﷺ کا اتباع بھی کرے لیکن چونکہ آپ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے سارے انبیاء گزر چکے تھے اور آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام تھے جو حضور ﷺ کی بعثت سے تقریباً پانچ سو سال پہلے دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے تو سب انبیاء کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ بیت المقدس میں جمع ہوئے، حضور نبی کریم ﷺ نے امامت فرمائی اور سب نے دوگانہ ادا فرمایا۔ اس طرح ظاہراً ایمان کی تکمیل بھی ہوگئی اور اتباع کی تکمیل بھی ہوگئی اور جو عہد انہوں نے اللہ کریم سے کیا تھا اس کی تکمیل بھی ہوگئی۔

حصول رحمت کا واحد دروازہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے

اللہ سے برکت لینے کا واحد دروازہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات ﷺ ہے۔ تمام پہلی امتوں کو جتنا فیضان، جتنی برکات، جتنا نور اور جتنی رحمت الٰہی نصیب ہوئی، اس کا واسطہ حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ حضور ﷺ چونکہ رحمۃ للعالمین ہیں اور عالمین میں اگلے پچھلے سب شامل ہیں، عالمین میں ایک اللہ کی ذات کو چھوڑ کر باقی ساری مخلوق شامل ہے، تو جہاں جہاں جس مخلوق کو رحمت کا جو ذرہ نصیب ہوتا ہے، وہ نبی اکرم ﷺ کی ذات سے نصیب ہوتا ہے۔ زندگی بھی اللہ کی رحمت ہے، صحت بھی اللہ کی رحمت ہے، رزق بھی اللہ کی رحمت ہے، ایمان اللہ کی رحمت کا خزانہ ہے، توفیق عمل بھی اللہ کی رحمت ہے اور اگر پہلوں کو یہ ساری برکات نصیب ہوئیں تو انہیں بھی حضور نبی کریم ﷺ کی ذات سے نصیب ہوئیں۔ انہیں براہ راست نصیب نہیں ہوئیں بلکہ اپنے انبیاء کے حوالے سے ملیں۔ ان کے نبیوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات سے اکتساب فیض کیا اور ان امتوں نے اپنے انبیاء کا اتباع کر کے ان برکات کو وصول کیا لیکن یہ آخری امت ایسی خوش نصیب ہے کہ اسے براہ راست آقائے نامدار ﷺ سے برکات نصیب ہو رہی ہیں۔

اس امت کی شان میں فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ تمام امتوں میں سے تم بہترین امت ہو۔ سب امتوں نے برکات آقائے نامدار ﷺ سے وصول کیں لیکن بالواسطہ اور یہ امت براہ راست حضور نبی کریم ﷺ سے مستفید ہو رہی ہے۔ اس امت میں جسے بھی نور ایمان نصیب ہوتا ہے، براہ راست اس کے قلب کا تعلق قلب

اطہر رسول ﷺ سے قائم ہو جاتا ہے۔ پھر جتنا اتباع کرتا ہے، جتنا ذکر اذکار کرتا ہے، جتنا اطاعت الٰہی کرتا ہے، جتنا رزق حلال کماتا ہے۔ جتنا جائز امور پہ خرچ کرتا ہے اس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

یاد رکھیں دین صرف عبادت کا نام نہیں ہے۔ نماز روزے حج زکوٰۃ پہ دین ختم نہیں ہو جاتا۔ یہ دین کا اہم اور ضروری حصہ ہیں جن کے سوا دین کا تحفظ ممکن نہیں۔ اگر کوئی شخص عبادات کو یا فرائض کو چھوڑ بیٹھتا ہے تو اس کا دین خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی بھی وقت ایمان سلب ہو جائے اور وہ گمراہ ہو کر کسی دور گھاٹی میں جا گرے، کسی اور فرقے میں چلا جائے اور اس کے دونوں عالم تباہ ہو جائیں۔ لہٰذا فرائض پر عمل کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ یہ عبادات تعلق قائم رکھنے کا ذریعہ ہیں لیکن اصل دین عملی زندگی میں ہے۔ آپ جب میدان عمل میں جاتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں، لین دین کرتے ہیں، دوستی دشمنی کرتے ہیں، شادی بیاہ کرتے ہیں، گھر بناتے ہیں، بچے پالتے ہیں، صلح و جنگ کرتے ہیں، ایک ریاست بناتے ہیں، اس میں عدالتیں بناتے ہیں، فوج بناتے ہیں، مخلوق کی حق رسی کے مختلف شعبے بناتے ہیں تو کیا وہ سارا اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق ہو رہا ہے؟

آپ کی جو ذاتی زندگی ہے وہ ذاتی نہیں رہی۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ اللہ نے ہر مومن سے اس کی زندگی خرید لی۔ عطا مفت میں کی ہے، بغیر مطالبے کے عطا کی ہے۔ جب ہم تھے ہی نہیں تو ہم مانگتے کیسے! ہمارا وجود ہی نہیں تھا اس نے ہمیں وجود بخشا، اس نے ہمیں حیات بخشی، اس نے ہمیں طاقت بخشی، اس نے ہمیں علم دیا، شعور دیا، رزق دیا، دولت دی، اولاد دی، گھر دیا جو کچھ بھی دیا اس نے اپنی طرف سے مفت دیا لیکن مفت میں لیا نہیں، خرید لیا اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ایمان لانے والوں سے اللہ نے ان کی زندگی خرید لی۔ ان کی جانیں بھی خرید لیں، ان کے اموال بھی خرید لیے، ان کے اوقات بھی خرید لیے، اب مومن کے پاس اپنا کچھ نہیں۔ کلمہ پڑھنے کے بعد اس نے جو سانس لینی ہے وہ اس کی اپنی نہیں ہے۔ اس کی سوچ اپنی نہیں ہے۔ اس نے جو کام کرنا ہے اس میں اس کی اپنی پسند نہیں ہے۔ اس کی ہر سانس اللہ کے نام سے ذاکر ہونی چاہیے، اس کا ہر قدم اطاعت پیغمبر ﷺ میں اٹھنا چاہیے، اس کا جینا مرنا اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت پہ ہونا چاہیے، یہ اسلام ہے۔ میدان عمل میں، بازار میں، کاروبار میں، لین دین میں زندگی کے امور میں پتہ چلے کہ یہ بندہ مسلمان ہے اور یہ وہ کام کرتا ہے جس کا اللہ حکم دیتا ہے، اللہ کا نبی ﷺ جس کا حکم دیتا ہے۔ جس سے اللہ کریم روک دیتے ہیں یا اللہ کا نبی ﷺ منع کر دیتا ہے، وہ کام یہ بندہ نہیں کرتا کہ یہ مسلمان ہے۔

عبادات کا بھی نقد اجر ملتا ہے۔ اس بات کو بھول جائیے کہ اللہ کی عبادت تو ادھاری مزدوری ہے

اور اس کا اجر آخرت میں ملے گا۔ اللہ کریم ادھار نہیں فرماتے۔ اللہ کریم ہمیشہ نقد ہی نہیں دیتے بلکہ بندہ کام تھوڑا کرتا ہے اور اللہ کریم اس پر اجرت بہت زیادہ دیتے ہیں۔ بندہ کام اپنی حیثیت کے مطابق کرتا ہے اور اللہ کریم جب عطا کرتا ہے تو اپنی شان کے مطابق عطا کرتا ہے۔ ہر جملے، ہر تسبیح، ہر قیام ہر رکوع، ہر سجدے کا اجر فوراً اور نقد دیتا ہے اور وہ اجر کیا ہوتا ہے؟ قرآن کریم فرماتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ جو اللہ کی عبادت کرتا ہے' عبادت اسے توفیق عمل عطا کر دیتی ہے اور میدان عمل میں جا کر وہ بے حیائی اور برائی سے رک جاتا ہے' نیکی کرتا ہے' بھلائی کے کام کرتا ہے' برائی سے رک جاتا ہے تو عبادات کا یہ اجر ہے جو فوری ملتا ہے۔ جو آخرت میں ملے گا وہ اللہ کی رضا ہوگی' اللہ کی رحمت ہوگی' وہ اس کی بخشش ہوگی۔ وہ الگ اجر ہے جو مفت میں ملے گا' اس طرف سے عطا ہوگا لیکن دنیا میں جو نقد ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر سجدہ، ہر رکوع، ہر عبادت حج کے طواف اور حج کے ارکان' روزہ یا تلاوت نماز ہر چیز کا اجر نقد ملتا ہے اور وہ توفیق عمل ہے یعنی جتنا کوئی عبادت کرتا ہے' اللہ اسے اتنی ہی اپنے نبی کی اتباع کی توفیق دیتا جاتا ہے۔

اسلام کیا ہے؟ اتباع سنت رسول ﷺ میں ڈھل جانا اسلام ہے۔ بندے کا اپنا کچھ نہ رہے' اس کی سوچ اپنی نہ رہے' اس کی فکر اپنی نہ رہے' اس کا کاروبار اپنا نہ رہے' اسکی صلح' اس کی دوستی اپنی نہ رہے، اس کی دشمنی اپنی نہ رہے، سب کچھ محمد رسول اللہ ﷺ کا ہو جائے۔ سب کچھ اللہ کو بیچ دیا تو اب اللہ نے حکم دے دیا کہ میرے ساتھ وفا کرنی ہے' اگر میری محبت چاہتے ہو اگر میرے ساتھ تمہارا دل لگ گیا ہے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ اگر تمہارا دل میری ذات میں اٹک گیا ہے تو فَاتَّبِعُوْنِيْ تو محمد رسول اللہ کا اتباع کر لو' اپنے آپ کو میرے رنگ میں رنگ لو۔ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ تم اللہ کے محبوب مقبول بن جاؤ گے' اللہ تم سے پیار کرنے لگے گا۔ جتنا تم حضور ﷺ کی اتباع میں ڈوب جاؤ گے' اتنا ہی اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا' یہ اصول پہلی امتوں میں بھی رہا اور سب نے محمد رسول اللہ ﷺ کے دامان رحمت سے خوشہ چینی کی۔

اللہ نے روزِ ازل انبیاء علیہم السلام سے حضور ﷺ کی اطاعت' حضور ﷺ پر ایمان لانے اور حضور ﷺ کی مدد کرنے کا عہد لیا اور دنیا میں انہوں نے اس کا اعلان فرمایا۔ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کے اوصاف بیان ہوئے۔ انہوں نے اپنی امتوں کو تلقین کی کہ کوئی بھی تم میں سے اگر حضور ﷺ کا زمانہ پائے تو ایمان لائے اور اتباع کرے۔ ان کا ایمان حضور ﷺ کے ساتھ اتنا پختہ تھا کہ اللہ کریم نے برزخ میں تمام انبیاء کو بیت المقدس میں جمع فرما کر حضور ﷺ کے پیچھے دو رکعت پڑھنے کی سعادت عطا فرمائی۔ اللہ کا تمام انبیاء کیلئے یہ اتنا بڑا انعام تھا کہ انہیں حضور ﷺ کی اطاعت سے بہرہ ور فرمایا۔

کتنی خوش نصیب ہے یہ امت کہ جس پہ دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور ہر نماز اتباع رسالت پناہی ﷺ میں ہے۔ اس کا ایک ایک رکن محمد ﷺ رسول اللہ کی اداؤں پہ مشتمل ہے حضور ﷺ نے جس طرح وضو کیا اس طرح وضو کرتا ہے، حضور ﷺ نے ہاتھ مبارک جس طرح دھوئے، اس طرح ہاتھ دھوتا ہے، حضور ﷺ نے جس طرح کلی فرمائی جس طرح سے چہرہ اقدس دھویا جس طرح سے پائے مبارک دھوئے، سارا کام حضور ﷺ کے اتباع میں اور حضور ﷺ کی نقل کر کے کرتا ہے۔ حضور ﷺ کس طرح قیام فرماتے تھے، حضور ﷺ کونسی آیات تلاوت فرماتے تھے، رکوع کس طرح فرماتے تھے، رکوع میں کیا تسبیح پڑھتے تھے، سجود کس طرح کرتے تھے، اس میں کیا تسبیح پڑھتے تھے یہ ساری عبادت حضور ﷺ کی ایک ایک ادا کی نقل ہے اور یہ رحمت باری کو متوجہ کرنے کا سبب ہے۔ اس کا اجر یہ ہے کہ جب یہ قبول ہوتی ہے تو توفیق عمل ارزاں ہو جاتی ہے اور عملی زندگی سدھر جاتی ہے۔

ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، بعض احباب داڑھی بھی سنت کے مطابق رکھ لیتے ہیں، لباس بھی بنا لیتے ہیں لیکن جب میدان عمل میں جاتے ہیں تو صورت مختلف ہوتی ہے۔ وہاں ہم حضور ﷺ کا اتباع کیوں نہیں کرتے، وہاں ہمیں توفیق عمل کیوں نہیں ملتی؟ حج کر کے آتے ہیں لیکن کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آتی۔ روزے رکھتے ہیں لیکن رمضان شریف گزرتا ہے تو ہم پھر ویسے کے ویسے ہو جاتے ہیں۔ ہمارے کردار کیوں نہیں بدلتے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو ہمارے خلوص میں کوئی کمی ہے کہ ہم نے خلوص نیت کے ساتھ آپ ﷺ کا اتباع نہیں کیا یا حضور ﷺ کے نام پر ایسے کام کرتے ہیں جو حضور ﷺ نے نہیں فرمائے یا اتباع کا طریقہ وہ نہیں ہے جو حضور ﷺ نے بتایا یا حضور ﷺ کے اتباع کی بجائے غیر اقوام کے طرز حیات کی نقالی کو پسند کرتے ہیں۔

مشکوۃ شریف میں ایک حدیث ہے مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کہ جو شخص اپنے اعمال و کردار میں، اپنے بیٹھنے اٹھنے، بول چال، حلیے لباس میں کسی قوم کی مشابہت اختیار کر لیتا ہے، اس طرح کا ہو جاتا ہے کہ یہ تمیز کرنا مشکل ہو جائے کہ یہ اس قوم کا فرد ہے یا کوئی الگ فرد ہے تو قیامت کو اسے اسی قوم میں اٹھایا جائے گا۔

امت میں فروعی اختلافات اللہ کی رحمت ہیں

اسلام ایک سیدھا سادین ہے۔ اللہ واحد لاشریک ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے برحق اور آخری نبی ہیں۔ قرآن اللہ کی برحق کتاب ہے۔ آخرت برحق ہے۔ برزخ برحق ہے۔ عذاب و ثواب برحق ہے۔ اصول سارے ایک ہیں تو اس میں فرقہ بندی کیوں ہے! جو اصول سے اختلاف کرے گا وہ مسلمان نہیں رہے گا۔ اس سے

آگے فروعات آتی ہیں۔ فروعات میں اختلاف کسی فرقے کا سبب نہیں بنتا۔ حضور ﷺ کا ایک حکم ہے جس کے دو یا تین معنی نکلتے ہیں تو ایک بندہ ایک معنی پہ عمل کرتا ہے، دوسرا دوسرے پہ کرتا ہے، تیسرا تیسرے پہ کرتا ہے۔ یہ تین فرقے تو نہ ہوئے، تینوں نے محمد رسول اللہ کا اتباع کیا، پھر اس میں جھگڑنے کی کیا بات ہے۔ اب نماز میں کچھ لوگ رفع یدین کرتے ہیں، ہر تکبیر پہ ہاتھ اٹھاتے ہیں، کچھ ہر تکبیر پہ نہیں اٹھاتے۔ جو اٹھاتے ہیں وہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا تکبیر پر ہاتھ اٹھاؤ، لہٰذا ہر تکبیر پر اٹھانے چاہئے۔ وہ حضور ﷺ کے حکم کا اتباع کرتے ہیں۔ جو ہر تکبیر پہ نہیں اٹھاتے وہ بھی تکبیر اولیٰ پہ تو اٹھاتے ہیں۔ حضور ﷺ کا حکم ہے کہ تکبیر پر ہاتھ اٹھاؤ۔ وہ کہتے ہیں یہ حکم پہلی تکبیر کیلئے ہے، پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھانا کافی ہے۔ اب یہ اختلاف اصول کا نہیں فروعات کا ہے۔ اصول ہے کہ تکبیر پر ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں اور اصول پہ سب متفق ہیں لیکن اس کی تشریح میں اختلاف ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ میری امت کا اختلاف اللہ کی رحمت ہے یعنی بات کے اگر دو پہلو ہیں تو دونوں پر عمل ہو گیا اور رحمت الٰہی کے دونوں پہلو اس میں آ گئے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں اور آمین دل میں کہتے ہیں۔ امام جب قرأت کرتا ہے تو ہم سنتے رہتے ہیں۔ وہ سورۃ فاتحہ ختم کرتا ہے تو سارے نمازی آمین کہتے ہیں لیکن دل میں کہتے ہیں۔ ہمارے شافعی، مالکی اور غیر مقلد بھائی آمین زور سے کہتے ہیں۔ بیت اللہ شریف میں، مسجد نبوی میں زور سے کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے آمین کہنے کا حکم دیا ہے۔ قرأت جب بلند ہو رہی ہے تو آمین بھی بلند ہو۔ اصول تو یہ ہے کہ جب سورۃ فاتحہ کی تلاوت ختم ہو تو آمین کہی جائے۔ یہ اس کی تشریح ہے جو ایک طبقہ کہتا ہے خاموشی سے دل میں کہی جائے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ جس طرح امام نے تلاوت بلند آواز میں کی، اس طرح بلند آواز میں کہیں گے اور جب امام خاموشی سے تلاوت کرے گا تو ہم بھی خاموشی سے کہہ دیں گے۔ اگر کسی نے ایک پہلو کو اپنایا تو اچھا کیا اور کسی نے دوسرا اپنا لیا تو بھی اچھا کیا، اطاعت تو محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے جو سراپا رحمت ہیں۔ کسی نے رحمت کے ایک پہلو کو پا لیا، کسی نے دوسرے کو پا لیا۔ سب نے اپنے اپنے نصیب کے مطابق رحمت کو وصول کیا۔

ایک شخص درود شریف آرام سے بیٹھا دل میں سکون سے پڑھ رہا ہے۔ اس کا رب جانے، اس کا رسول ﷺ جانے۔ وہ اپنے مزے میں ہے، اس کا اپنا حال، اپنی کیفیت ہے۔ دوسرا کہتا ہے میں تو بلند آواز میں پڑھوں گا، مجھے بلند پڑھنے دو۔ درود ہی پڑھ رہا ہے تو پڑھتا رہے۔ دونوں نبی پاک ﷺ پر درود پڑھ رہے ہیں۔ اب دونوں میں کافر کون ہو گیا، کس نے بنا دیا؟ یہ تو تشریحات کا اختلاف ہے۔ ہاں کوئی بندہ ایسا کام کر رہا ہے جس کا حضور ﷺ سے حکم ہی ثابت نہیں تو اس کیلئے دعا کی جا سکتی ہے اور دعا ہی کرنی چاہیے۔ یا اللہ! یہ بیچارہ کلمہ پڑھتا

ہے، تیری نماز ادا کرتا ہے، سجدے کرتا ہے، اگر کسی غلطی میں پھنس گیا ہے تو اسے ہدایت دے دے۔ اس پر طعن و تشنیع کرو گے، کفر کا فتویٰ لگاؤ گے تو وہ کہے گا کہ تم کافر ہو۔ وہ اپنی جگہ ڈٹ جائے گا آپ اپنی جگہ ڈٹ جائیں گے۔ اس سختی اور شدت نے ہمیں فرقوں میں بانٹ رکھا ہے۔

سارے مسلمان ہیں، اللہ سب پر رحم فرمائے۔ سب کو خلوص دل سے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ میں جو کام بھی کرتا ہوں، مجھے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ کسی نے کہہ دیا تو وہ قابل عمل نہیں۔ نہ پیر صاحب واجب الاتباع ہیں نہ مولوی صاحب، اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کا ہوگا۔ مولوی صاحب کا ہم پہ احسان ہے کہ وہ اپنی عمر لگا کر علم حاصل کرتے ہیں اور اللہ کی بات ہمیں پہنچاتے ہیں، حضور ﷺ کی بات ہمیں پہنچاتے ہیں، اتباع حضور ﷺ کا ہوگا۔ پیر صاحب کی ہم پر شفقت ہے کہ ساری عمر محنت کر کے برکاتِ نبوت حاصل کرتے ہیں اور جب ہم جاتے ہیں تو ہمارے قلوب میں نورِ نبوت اُنڈیل دیتے ہیں، ہمیں وہ کیفیات محسوس ہوتی ہیں، ہمیں اسلام پر عمل کرنے میں لطف آتا ہے اور گناہ سے نفرت ہو جاتی ہے۔ ان کا احسان ہے کہ زندگی بھر محنت کی اور جو کچھ حاصل ہوا اسے ہم پر بانٹ رہے ہیں۔ ہم پر مشائخ کا احسان علماء سے بھی زیادہ ہے۔ ان کا احترام بھی زیادہ ہے اور مقام بھی زیادہ ہے۔ اس میں جھگڑنے کی تو کوئی بات نظر نہیں آتی۔ اسلام تفرقوں، فرقہ بندیوں اور غیروں کی غلامی کو چھوڑ کر ایک اللہ کی غلامی پہ جمع ہونے کا نام ہے۔

دنیا میں بیشمار خدا تھے اور آج بھی ہیں۔ ہر بندہ چاہتا ہے کہ دوسرا میری بات مانے۔ یہ خدائی وصف ہے۔ ہر بندے کے اندر ایک فرعون بیٹھا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے دوسرے وہی کریں جیسا میں کہتا ہوں۔ کیوں ویسا کریں، تم کون ہو، تمہاری حیثیت کیا ہے؟ سب ویسا کیوں نہ کریں جیسا اللہ کہتا ہے۔ سب ویسا کیوں نہ کریں جیسا محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

واجب الاتباع نبی ﷺ کی ذات ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کی ہر ادا اللہ کو محبوب ہے۔ اللہ انہیں کا بھلا کرتا ہے جو خلوص دل سے حضور ﷺ کا اتباع کرتے ہیں۔ تمام انبیاء عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے آپ ﷺ کے اتباع کا عہد کیا۔ اللہ نے اس کا انعام یہ دیا کہ جب حضور ﷺ معراج پہ روانہ ہوئے تو تمام انبیاء کو برزخ سے لا کر بیت المقدس میں جمع فرما دیا اور حضور ﷺ کی امامت میں دو رکعت ادا کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ یہ اس کا کتنا احسان تھا کہ کہاں سے واپس لایا اور ان نبیوں کو حضور ﷺ کے اتباع کی سعادت نصیب فرمائی۔

ہمیں براہ راست ساری زندگی حضور ﷺ کا اتباع کرنے کی دعوت دے دی اور ہم کتنے بدنصیب ہیں کہ اس ہستی کا اتباع چھوڑ دیتے ہیں جس کی ایک ایک ادا پر کائنات قربان کی جاسکتی ہے۔ ہمارے پاس تو ہر لمحہ رحمت الٰہی لوٹنے کا ہے، ہمارے پاس ہر لمحہ مغفرت اور بخشش پانے کا ہے، ہم تو اللہ کی محبت جیت سکتے ہیں۔ بخشش وعطا اور کرم تو اور بات ہے لیکن محبت کچھ اور چیز ہوتی ہے۔ بہت بڑی بات ہے کہ اللہ بندے کو اپنا محبوب بنالے۔ فرمایا: میرا اتباع کرو، تم محبوب کبریا بن جاؤ گے۔ اب اگر اس اعلان کے بعد بھی ہمیں توفیق نہیں ہوتی تو یہ بہت بڑی بدنصیبی ہے کہ جس دروازے سے اللہ کی رحمت لٹائی جارہی ہے، اس پر حاضری سے محروم رہے اور تہی داماں، نامراد واپس لوٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے دامان رحمت سے وابستہ رکھے اور آپ ﷺ کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا
وَّكَرْهًا وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝٨٣ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ
عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى
وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ ۝٨٤ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي
الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٨٥ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ
وَشَهِدُوْٓا أَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝٨٦ أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ
أَجْمَعِيْنَ ۝٨٧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
يُنْظَرُوْنَ ۝٨٨ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوْا ۟ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝٨٩ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ
تَوْبَتُهُمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝٩٠ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۧ﴿۹۱﴾ ع ۱۱ ۱۷

کیا وہ اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) ڈھونڈتے ہیں؟ اور اسی کا فرمانبردار ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، خوشی سے اور ناخوشی سے، اور اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔ کہہ دیں ہم ایمان لائے اللہ پر، اور جو ہم پر نازل کیا گیا، اور جو نازل کیا گیا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ پر اور ان کی اولاد پر، اور جو ان کے رب کی طرف سے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور نبیوں کو، ہم فرق نہیں کرتے ان میں سے کسی ایک کے درمیان، اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ اور جو کوئی چاہے گا اسلام کے سوا کوئی اور دین، تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔ اللہ ایسے لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے گا جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے، اور گواہی دے چکے کہ یہ رسول سچے ہیں اور ان کے پاس کھلی نشانیاں آ گئیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کی سزا ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کی، تو بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ بیشک جو لوگ اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے گئے، ان کی توبہ ہرگز نہ قبول کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالت کفر میں مر گئے، تو ہرگز نہ قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا بھی اگرچہ وہ اس کو بدلہ میں دے۔ یہی لوگ ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

خلاصۂ تفسیر ومعارف

دین وہ طرزِ حیات‘ زندگی کا سلیقہ اور شعار ہے جو اللہ کریم کی طرف سے مقرر کر دیا گیا اور اس طرح سے زندگی گزارنا ہی دینداری ہے۔ ہمارے ہاں یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ صرف عبادات ہی دین ہیں‘ ایسی بات نہیں ہے۔ عبادات دین کا بہت اہم حصہ ہیں لیکن صرف عبادات ہی دین نہیں ہیں۔ دین پوری زندگی کو محیط ہے۔ اگر کوئی اسے قبول نہیں کرتا اور زندگی اپنی پسند سے جینا چاہتا ہے‘ کاروبار میں‘ تعلقات میں‘ سیاسیات میں اپنی پسند کے مطابق عمل کرنا چاہتا ہے‘ ملکی و بین الاقوامی تعلقات اور امور میں اپنی پسند کو دخل دیتا ہے تو اس کا مطلب ہے **اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ** کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کر لیں‘ یعنی اللہ کا مقرر کردہ دین تو صرف ایک ہے اور اس کے علاوہ جتنے طریقے ہونگے‘ وہ دین نہیں ہونگے **اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ** اور یہ لوگ جو آپ ﷺ کی بات نہیں ماننا چاہتے ان کے اعمال عنداللہ دین کے طور پر قبول نہیں ہونگے بلکہ دین کی مخالفت ہوگی‘ اللہ کریم پر جھوٹا الزام ہوگا اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔

کفار عبادات کے نہیں طرزِ حیات کے مخالف ہیں

بڑی عجیب بات ہے کہ مشرکین و کفار کو عبادات پہ اعتراض نہ اس وقت تھا‘ نہ اب ہے۔ دنیا کے بے شمار ممالک جہاں مسلمان حکومت میں نہیں بلکہ اقلیت میں ہیں‘ ملازمت پیشہ لوگ ہیں یا کاروبار کے لئے گئے ہیں‘ وہاں عبادات پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاتی۔ کوئی نماز سے منع نہیں کرتا۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ روزہ نہ رکھو۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ آپ حج پر نہیں جا سکتے۔ کوئی ملک یہ نہیں کہتا کہ زکوۃ ادا نہ کرو۔ عبادات پر کسی غیر اسلامی ملک میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ پابندی طرزِ حیات پر ہے۔ جہاں آپ کو رہنا ہے‘ ان کے معاشرے کے اندر جو اصول ہیں‘ ان کو توڑیں گے تو آپ پر گرفت ہوگی۔ اس کا مطلب ہے کہ جو حصہ زیادہ متاثر کرتا ہے وہ دین ہے اور اسی پر جھگڑا ہوتا ہے۔

اہل مکہ حضور ﷺ کو صادق مانتے تھے‘ امین مانتے تھے اور بعثت سے پہلے بھی آپ ﷺ سے اپنے فیصلے کرواتے تھے۔ آپ ﷺ پر اعتماد کرتے تھے‘ امانتیں رکھتے تھے تو انہیں کیا تکلیف تھی کہ اگر حضور ﷺ کا طریقہ عبادت ان سے مختلف تھا۔ مکہ مکرمہ میں کوئی ایک طریقہ عبادت تو نہیں تھا۔ بے شمار مذاہب اور فرقوں کے لوگ تھے جو اپنی اپنی عبادت کرتے تھے۔ اگر ایک اتنا نفیس آدمی، صادق و امین، اتنا شیریں گفتار‘

خوبصورت چہرے والا' اخلاق کریمانہ والا' اتنا امانت دار کہ دشمنوں کیساتھ بھی انصاف کرتا اور ان کے باہمی جھگڑے بھی انصاف سے چکاتا' اگر وہ شخص کسی اور طریقے سے عبادت کرتا ہے تو انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا! جھگڑا اس بات پہ تھا کہ جو کافرانہ معاشرہ تھا' ان کے جو کافرانہ قانون تھے اور انہوں نے جو ذاتی عدالتیں بنا رکھی تھیں' اسلام ان کو قبول نہیں کرتا تھا بلکہ انہیں چیلنج کرتا تھا اور سب سے یہ امید کرتا تھا کہ وہ اپنی خواہشات کو چھوڑ کر' اپنی ذاتیات کو چھوڑ کر' اللہ کے بنائے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق زندگی بسر کریں۔

ہمیں بھی یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ میں پانچ نمازیں پڑھتا ہوں' حج بھی کر لیا ہے' روزے بھی رکھتا ہوں' زکوٰۃ بھی دیتا ہوں تو اب کیا فرق ہے اگر دوکانداری اپنی مرضی سے کر لیتا ہوں یا لوگوں کے ساتھ تعلقات میری اپنی مرضی کے مطابق ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ پوری زندگی دین کے تابع ہو اور اپنی مرضی ختم کر دی جائے؟ ہاں' ہر جگہ یہی تو ضروری ہے۔ اس دنیا میں نماز روزے اور عبادت کا پھل اور ثواب یہ ہے کہ عملی زندگی دین کے مطابق بسر کی جائے اور اگر کسی کی عملی زندگی دین کے مطابق نہیں ہے تو اس کی عبادات اور نماز روزہ سے کیا فرق پڑا۔

کفار بھی تو اس بات پہ بضد ہیں کہ زندگی ہماری ہے' ہم جس طرح چاہیں بسر کریں۔ اللہ کریم نے فرمایا یہ اللہ کے دین کو چھوڑ کر کوئی اور دین چاہتے ہیں! یعنی جس بات کو اللہ دین کہتا ہے' وہ تو دین برحق ہے۔ اب کسی دوسری بات کو یہ بحیثیت دین اپنانا چاہتے ہیں تو اس میں دو جرم ہیں۔ ایک تو اللہ کی نافرمانی ہے کہ اس کے دین کو نہ مانا' دوسرا جرم یہ ہے کہ نافرمانی بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ بھی دین ہے یعنی یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ پر جھوٹ بھی بولتے ہیں۔

کائنات میں ہر چیز اللہ کی اطاعت کرتی ہے

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا اللہ کی عظمت و جلالت یہ ہے کہ کائنات بسیط میں' وہ آسمان ہوں' زمین ہو' یا جہاں تک علم انسانی کی رسائی ہے' کوئی شے' کوئی وجود' کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جو اپنی پسند سے یا مجبوری سے اللہ کی اطاعت نہ کر رہی ہو۔ سب کو کرنا پڑتی ہے۔ سورج' چاند' ستارے' ہوا' فضا' ذرات' ایٹم' جراثیم' بحری یا بری جانور' ہر چیز اس کے نظام میں اس طرح پروئی ہوئی ہے چل رہی ہے کہ کسی کو مجال دم زدن نہیں ہے۔ سارا نظام اس کے حکم کے تابع چل رہا ہے خواہ وہ مرضی سے اس کے حکم کے تابع ہیں یا کوئی نہ چاہے تو بھی اس کی پسند کے خلاف نہیں کر سکتا۔

وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ○ اور ہر چیز نے واپس پلٹ کر اسی کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا ہے انسان ساری زندگی اسی کے حکم کے تابع ہے۔ پیدا اس کے حکم سے ہوتا ہے' شکلیں وہ بناتا ہے' عقل وہ تقسیم کرتا ہے' عمریں

وہ تقسیم کرتا ہے، صحت و بیماری وہ دیتا ہے، انسان چاہے یا نہ چاہے اسی نظام میں اس کو یہ زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ وہ نہ چاہے تو بھی بوڑھا ہو جاتا ہے، چاہے تو بھی بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس کی خواہش ہو یا نہ ہو لیکن موت آئے تو اسے مرنا پڑتا ہے، بیماری آئے تو اسے بھگتنا پڑتی ہے، صحت ہو تو اسے انجوائے کرتا ہے۔ صرف ایک بات کا اس کے پاس اختیار ہے کہ وہ عظمت الٰہی کو پہچان کر یہ اقرار کر لے کہ اللہ ہی اس قابل ہے کہ اس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے، یہ ایمان ہے۔ اگر اپنی شرائط لگاتا ہے کہ فلاں عبادت تو کریں گے لیکن کام اپنی مرضی سے کریں گے تو فرمایا یہ دین نہیں ہے۔ تم یہ دیکھ لو یہ کتنی جرأت کر رہے ہو صرف اس بات پر کہ تمہیں دو راستوں میں سے ایک راستہ چننے کا اختیار دیا گیا! اگر کوئی نیکی کا راستہ چنتا ہے تو اس پہ بھی وسائل عام کر دیتا ہے اور وہ نیکی کرتا چلا جاتا ہے اور اگر کوئی برائی کا راستہ چنتا ہے تو اس کے وسائل چھینتا نہیں، اسے بھی دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تجھے جینے کا موقع دیا تھا لہٰذا تو جہاں تک جانا چاہتا ہے جا۔ آخر واپس تو میرے پاس آنا ہے، وہاں حساب ہو جائے گا۔

معیت رسول ﷺ کی سعادت ہر بندے کو نصیب ہے

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ آپ ﷺ فرما دیجئے تا کہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے کہ ہم سب اللہ کریم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ فرما دیجئے: اٰمَنَّا ہم، اور اس ''ہم'' میں اتنی رحمتیں شامل ہیں کہ اس ''ہم'' نے ہر اس بندے کو لپیٹ لیا جو دل سے محمد ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ قیامت تک آئے گا یا پہلے گزر گیا، اس ''ہم'' میں وہ سارے شامل ہیں جنہیں محمد رسول اللہ ﷺ سے نسبت نصیب ہوئی، جنہیں برکات نبوت نصیب ہیں۔ یہ ایک لفظ ''ہم'' کہہ کر اس نے خاک نشینوں کو بھی اس دائرے میں داخل کر دیا جو دائرہ نور نبوت سے منور اور روشن ہے، انہیں آپ ﷺ کے خادموں میں شامل کر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہم سب'' تو کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص جو خلوص دل سے عقیدہ بھی وہی رکھتا ہے جو حضور اکرم ﷺ کا ہے، عبادت بھی اسی طرح کرتا ہے جس طرح حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا اور معاملات زندگی میں بھی پورے خلوص سے کوشش کرتا ہے کہ اس طرح کروں جس طرح حضور ﷺ نے حکم دیا تو اس کا اعزاز یہ ہے کہ جب حضور ﷺ فرماتے ہیں ''ہم'' تو وہ اس ''ہم'' میں داخل ہو جاتا ہے، اسے معیت رسول اللہ ﷺ نصیب ہو جاتی ہے۔

ایک دفعہ کچھ لوگوں نے پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قتل کی سازش کی۔ ایک شخص چاقو یا چھرے سمیت پکڑا بھی گیا۔ کسی نے انہیں مشورہ دیا کہ حضرت آپ احتیاط کیا کریں، ہر بندے سے نہ ملا کریں تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کریم کا ارشاد ہے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط اے نبی ﷺ! اللہ آپ کو لوگوں کی ایذاء

سے محفوظ رکھے گا، آپ ﷺ کی حفاظت فرمائے گا۔ اس نے کہا، ''ک'' سے مراد تو آقائے نامدار ﷺ ہیں، آپ یہ آیت کریمہ کس طرح پڑھ رہے ہیں! انہوں نے فرمایا میرے بھائی! ہم اسی ''ک'' میں سے ہیں، ہم اس ''ک'' سے الگ نہیں ہیں۔ یہ کتنی مزے کی بات ہے کہ بندے کو یہ یقین ہو کہ میں بھی اس ''ہم'' میں داخل ہوں۔ یہ سارا دین ہے۔ اسلام یہ ہے کہ یہ جو حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، تو جو بندہ اس ''ہم'' میں شامل ہے، حقیقتاً وہی مسلمان ہے۔ اس ''ہم'' میں شامل ہونے کیلئے ساری زندگی داؤ پہ لگانا پڑتی ہے، زندگی اپنی نہیں رہتی، غلاموں کی سی بن جاتی ہے۔ آقا جو حکم دے، غلام بجا لائے۔

فرما دیجئے: وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ اور جو ہم پر اللہ کا حکم نازل ہوا، اس پہ ایمان رکھتے ہیں اور ہم ایمان رکھتے ہیں جو نازل ہوا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر کہ وہ بھی حق تھا، وہ اللہ کے برحق نبی اور رسول تھے۔ جو احکام شریعت اور جو عقائد آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے لے کر حضور ﷺ تک نازل ہوئے برحق ہیں۔ احکام شریعت میں فرق تھا، بعض احکام جدا تھے لیکن اس وقت وہ برحق تھے۔ کوئی حکم شریعت اپنے وقت میں غلط نہیں تھا۔ ایک وقت میں ایک حکم درست ہوتا ہے، دوسرے وقت صورت حال بدل جاتی ہے اور دوسرا حکم درست ہوتا ہے۔ تو ہم ایمان رکھتے ہیں کہ جو نازل ہوا ابراہیم عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر، اسماعیل عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر، اسحاق عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر، یعقوب عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر اور ان کی اولاد میں جو نبی ہوئے ان پہ نازل ہوا اور جو عطا ہوا موسیٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو، عیسیٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو اور تمام نبیوں کو، ہم سب نبیوں کو برحق مانتے ہیں اور جو کچھ ان پہ نازل ہوا اسے کلام الٰہی مانتے ہیں اور اس پہ یقین رکھتے ہیں۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ ہم کسی نبی میں تفریق نہیں کرتے۔ یہود و نصاریٰ جس طرح اہل کتاب ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں لیکن عیسیٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے قتل کی سازش کی، ان کی نبوت کا انکار کیا۔ اسی طرح نصاریٰ موسیٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے خلاف کرتے۔ یہود نے عزیز عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو اللہ کا بیٹا بنا لیا۔ بعض نبیوں کی نبوت کا انکار کر دیا اور دوسرے نبیوں کو اللہ کا شریک بنا دیا۔ جس کو اللہ کا شریک بنایا حقیقتاً اس کی نبوت کا بھی انکار ہو گیا کہ اس ہستی کا دعویٰ تو نبوت کا تھا لیکن انہوں نے اسے اللہ بنا لیا تو نبوت کا انکار ہو گیا۔ اسی طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہ کر ان کی نبوت کا انکار کر دیا کہ وہ دعویٰ نبوت کا کر رہے ہیں اور یہ انہیں خدا مانے بیٹھے ہیں۔ فرما دیجئے ہم تمہاری طرح

نہیں ہیں، ہم انبیاء میں تفریق نہیں کرتے، سب نبیوں کو نبی ہی مانتے ہیں۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ○ اس لیے مانتے ہیں کہ ہم اللہ کی بات کو قبول کرنے والے ہیں۔ جنہیں اللہ نے نبوت دی انہیں ہم اس لیے نبی مانتے ہیں کہ اللہ نے انہیں نبوت دی۔ جن پر اللہ نے کتابیں نازل فرمائیں ہم ان پر اس لیے ایمان رکھتے ہیں کہ ہم اللہ کو ماننے والے ہیں اور جو کچھ اس نے جس نبی پہ نازل فرمایا، اس پر ایمان رکھتے ہیں، جس کو نبوت دی، وہ نبی برحق ہے جو کچھ اس پہ نازل فرمایا وہ برحق ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ اور یہ طے شدہ بات ہے کہ اسلام سے باہر کسی بات کو کوئی شخص دین کہے گا تو اس کی طرف سے اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ ذات باری نے یہ بڑی نازک سی بات ارشاد فرمادی اور قرآن نے اور نبی کریم ﷺ نے ہم تک پہنچادی۔ ہم اس پہ خوش ہو جاتے ہیں کہ یہ یہود اور نصاریٰ کے بارے ہے، یہ درست ہے لیکن یہ بدھ مت کے بارے بھی ہے، جین مت کے بارے بھی ہے، سوشلسٹوں اور اللہ کے منکروں کے بارے بھی ہے۔ اسلام کے علاوہ کسی دوسری بات کو اگر کسی نے اپنا شعار بنایا اور اسے کہا کہ یہ دین ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہے لیکن اس میں سب سے زیادہ تنبیہ ہمیں ہے جو مسلمان اور اسلام کے دعوے دار ہیں۔ کیا ہمارے کردار میں ایسی باتیں نہیں آ گئیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جن کا حکم نہیں دیا اور ہم کرتے ہیں!

مثلاً اس ایک بات کو ہی لے لیجئے کہ جب تک یہ لاؤڈ سپیکر نہیں تھا، اذان وہی ہوتی تھی جو حضور ﷺ کے زمانے میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیتے تھے۔ وہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ سے شروع ہوتی تھی اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پہ ختم ہو جاتی۔ ہم نے بھی ساری عمر وہی اذان سنی لیکن اب ایسی اذان دی جاتی ہے کہ اس میں یہ تلاش کرنا ممکن نہیں رہا کہ اذان کون سی ہے۔ اس سے پہلے اور بعد بھی اتنا کچھ پڑھا جاتا ہے کہ صرف اہل علم ہی جان سکتے ہیں کہ اس میں کتنا حصہ اذان ہے۔ بڑے ادب سے پڑھتے ہیں، تعوذ پڑھیں گے، تسمیہ پڑھیں گے۔ کیا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے تھے۔ جنہیں محمد رسول اللہ نے اذان دینے کا حکم دیا تھا، وہ الله اکبر سے شروع فرماتے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر ختم فرماتے تھے۔ اذان کے بعد کتنا کچھ پڑھا جاتا ہے! کیا متقدمین یہ سارا پڑھتے تھے، خلفائے راشدین پڑھتے تھے، مسلمان حکومتوں نے آج تک چودہ صدیوں میں کہیں آگے پیچھے پڑھا تھا! اگر نہیں پڑھا تھا تو آج جو پڑھتا ہے، کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں سنت میں تبدیلی کے گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوں۔ فجر کے دو فرض ہیں۔ ایک آدمی کہتا ہے میرا تو کوئی اور کام ہی نہیں، دو نہیں میں تو چار پڑھوں گا، تو کیا چار پڑھنے سے اس کی نماز ہو جائے گی؟ نماز تو ادا نہیں ہوگی لیکن کیا وہ جرم نہیں ہوگا کہ دین کے حکم میں اضافہ کر رہا ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ جب اذان کے آگے پیچھے اتنا پڑھتے ہیں تو امید یہ رکھتے ہیں کہ اس پر ثواب ملے گا' گویا اسے دین سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ جب اس قسم کی آیات آتی ہیں تو ہم جان چھڑا لیتے ہیں کہ یہ تو یہود و نصاریٰ کے بارے میں ہے لیکن اسلام پر عمل کرنے والے اگر احکام اسلامی میں افراط و تفریط کرتے ہیں تو وہ بھی اس میں شامل ہیں جو اسلام کے علاوہ دین مانتا ہے فرمایا: فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ اسلام کے علاوہ کسی نے کوئی بات گھڑ لی اور کہا یہ دین ہے تو اللہ ہرگز اسے قبول نہیں کرے گا اور فرمایا وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ یہ پتہ اس کو آخرت میں چلے گا کہ اس نے اپنا کتنا نقصان کر لیا۔

رسومات کو جب ثواب بھی سمجھا جاتا ہے تو جرم بن جاتا ہے۔ جو بے دینی دین کے نام پہ کرتے ہو' اس کا مزا تب آئے گا جب تم میدان حشر میں پہنچو گے یا قبر میں پہنچو گے۔ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ وہ بڑے خسارے میں رہیں گے یعنی خسارہ تو بڑا ہو گیا کہ ایک آدمی دین سمجھ کر محنت کرتا رہے لیکن قبر میں پہنچے' اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو پتہ چلے کہ یہ قبول نہیں بلکہ الٹا جرم قرار پائے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ فرمایا: اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت کیوں دے' کیسے دے جو ایمان لانے کے باوجود کام کافروں جیسے ہی کریں۔ وہ گمراہ ہونگے یا کفر اختیار کر لیں گے كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ یعنی یہ عجیب بات ہے کہ یہ بھی کہیں کہ اللہ کا رسول برحق ہے اور جو کچھ لایا ہے وہ حق ہے اور اس بات کا بھی اقرار کریں کہ نبی کریم ﷺ کے معجزات ظاہرہ و باہرہ آپ ﷺ کی حقانیت کی دلیل ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کا قرآن لائے' یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔ آپ ﷺ کا ایک ایک عمل معجزہ ہے۔ آپ ﷺ نے انسانیت میں اللہ کا پیغام عام کیا اور آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ﷺ ہیں لیکن اس اقرار کے بعد کام کریں تو کافروں جیسا۔ دعویٰ حضور ﷺ کی نبوت کی حقانیت کا اور قرآن کی حقانیت کا ہو۔ دعویٰ سنت کی حقانیت کا ہو اور کردار سارا خلاف سنت ہو' خلاف قرآن ہو۔ فرمایا ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت نصیب نہیں کرتا۔ یہ گمراہی میں بھٹکتے ہوئے تباہ ہو جائیں گے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ بندہ ایجاد تو بات اپنی مرضی سے کرے اور اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ذمے لگا دے کہ یہ اللہ کا حکم ہے' یہ حضور اکرم ﷺ کا حکم ہے تو یہ بہت بڑی زیادتی کی بات ہے اور بہت بڑا ظلم ہے۔ اب ہر بندے کو خود اپنے بارے سوچنا چاہیے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝ اور اللہ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا' ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت نصیب نہیں فرماتا جو اللہ پر جھوٹ بولتے ہوں' اللہ کے نبی ﷺ کو سچا مان کر ان پر جھوٹ بولیں' بات خود

ایجاد کی اور حضور ﷺ کے ذمے لگا دی اور اس پہ ثواب کے دعوے دار بن بیٹھے۔

أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۙ اہل کتاب اس حکم میں شامل ہیں اور ہر وہ بندہ اس میں شامل ہے جو حضور ﷺ کو برحق نبی تو مانتا ہے لیکن کام خلاف سنت کرتا ہے یا بدعات ایجاد کر لیتا ہے اور کام اس کے مطابق کرتا ہے لیکن کہتا ہے یہ ثواب ہے۔ فرمایا ایسے لوگوں کی اتنی بڑی سزا ہے کہ **أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ** ان پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ لعنت ہوتی ہے رحمت سے محرومی' کرم سے محرومی اور اللہ کی بارگاہ سے دوری۔ ان پر صرف اللہ کی لعنت نہیں ہوتی بلکہ ان پر فرشتے بھی لعنت کرتے ہیں اور ان پر نسل انسانی لعنت کرتی ہے کہ وہ بدعت جہاں تک جائے گی' جب تک لوگ اس میں گمراہ ہوتے رہیں گے' وہ بھی ان پر لعنت کریں گے۔ پھر گمراہی کا ایک اثر ہوتا ہے جو پورے عالم تخلیق کو متاثر کرتا ہے۔ جب کوئی ایک بندہ جرم کرتا ہے' اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے جو ساری مخلوق کو متاثر کرتی ہے۔ گویا ایک وقت آئے گا جب ساری مخلوق ان پر لعنت کر رہی ہوگی۔ ادھر حساب ہو رہا ہوگا' ادھر مواخذہ ہو رہا ہوگا' ادھر باز پرس ہو رہی ہوگی اور ادھر ساری مخلوق کہہ رہی ہوگی کہ یا اللہ اسے اپنی رحمت سے محروم رکھ' اس نے ہمیں بھی گمراہ کر دیا' ہمیں بھی بدعات میں مبتلا کر دیا۔ دوسرے لوگ بھی کہیں گے جو ایمان نہیں لائے کہ اس کے کردار سے اتنی تاریکی پھیلی تھی کہ ہم بھی ایمان نہ لا سکے۔ یعنی فرشتے بھی ان پہ لعنت کر رہے ہونگے' اللہ کی طرف سے بھی لعنت ہوگی اور اللہ کی ساری پیدا کردہ انسانیت بھی ان پہ لعنت بھیج رہی ہوگی۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ ہمیشہ ہمیشہ اس محرومی اور لعنت کے اسیر رہیں گے۔ **لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۙ** دین کے نام پر ایسی باتیں رواج دینا جن کا حکم اللہ و اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں دیا' اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پر **خُلُوْد فِي الْعُنَةِ** ہے۔ ہمیشہ کی لعنت' ہمیشہ کی محرومی کا حکم دیا گیا ہے اور ہمیشہ کی سزا کا فرکیلئے ہے۔

قرآن آدمی کو فکر کرنے کی' غور کرنے کی' تدبر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ **اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ** کیا وہ نہیں سوچتے کہ قرآن نے کیا حکم دیا ہے؟ تفکر کرو، سوچو' یہ کتنی آسان سی بات ہے۔ مؤذن حضرات کو یہ سوچنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کس طرح سے اذان کہنے کا حکم دیا۔ حضرت بلالؓ حضور ﷺ کے خادم اور محبوب بھی تھے اور اتنے محبوب تھے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ جب حضرت بلالؓ کی بات کرتے تو فرماتے سیدنا بلالؓ۔

کون موذن ایسا ہے جسے نہیں پتہ کہ اذان کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے اور کتنے کم خوش نصیب ہیں جو آج وہی اذان کہتے ہیں جو سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے۔ اور کتنی بدبختی ہے کہ نہ صرف اذان بگاڑتے ہیں بلکہ حضور ﷺ کے نام نامی کا تلفظ صحیح نہیں ہوتا حالانکہ حضور ﷺ کا نام نامی

بگاڑ کر لینا تو کفار کی عادت ہے لیکن بے وقوفی اور جہالت کا کیا علاج ہے! یہ عام سی بات ہے لیکن سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔

اس کے باوجود رحمت الٰہی یہ ہے کہ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا یہ جرم کرنے کے بعد بھی اگر کوئی توبہ کرتا ہے اور اپنی اصلاح کر لیتا ہے، توبہ کا مطلب یہ ہے کہ اس جرم کو جرم مانے اور آئندہ ایسا کرنے سے باز رہے اور اپنی اصلاح کر لے فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ تو اللہ بڑا بخشنے والا ہے، رحم کرنے والا بھی ہے۔ جرم کی اس حد پر پہنچ گیا کہ اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت، انسانوں کی لعنت کا مستحق بن گیا لیکن اگر مرنے سے پہلے توبہ کرتا ہے، سوچ سمجھ کر حق قبول کرتا ہے اور ناحق کو چھوڑ دیتا ہے اور آئندہ اپنی اصلاح کر لیتا ہے تو رحمت الٰہیہ اسے اپنے دامن میں پناہ دیتی ہے۔ اس کے گناہ معاف کر دیتی ہے اور اسے بخش دیتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ اور جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد بھی کفر اختیار کیا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا پھر وہ اسی کفر میں بڑھتے چلے گئے، کہ ہم یہ رواج چھوڑ دیں تو ہماری بے عزتی ہوتی ہے۔ اب ہم جو کر رہے ہیں، اسے جاری رکھیں گے تو لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ایسا موقعہ بھی آ جاتا ہے کہ کہ پھر ان پر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ نبی عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کی خدمت میں یہ سوال عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! جب قرآن نے کہہ دیا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی، ان کے کانوں اور آنکھوں پہ پردے ڈال دیے اور ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے تو پھر ان بندوں کا کیا قصور ہے؟ جن کے دلوں کو اللہ نے تالے لگائے اور سمجھ ہی مفقود کر دی تو وہ بیچارے کیا سمجھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک زبردستی کسی کے دل پر مہر نہیں کرتے۔ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پہ سیاہی پیدا ہوتی ہے۔ توبہ کرتا ہے اور اپنی اصلاح کرتا ہے تو اللہ کی رحمت اسے دھو دیتی ہے۔ دل روشن ہو جاتا ہے لیکن اگر توبہ نہیں کرتا، گناہ پہ گناہ کئے چلے جاتا ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سارا دل تاریک اور سیاہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کی ناراضگی اس پہ مہر کر دیتی ہے کہ تم اتنے دور نکل گئے ہو کہ اب میں تمہیں واپسی کی اجازت نہیں دیتا، اب ادھر ہی رہو۔ وہی بات یہاں بھی ہے۔ ایک بندہ ایمان لاتا ہے لیکن پھر کفر کرتا ہے اور اس کفر میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ واپسی کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتا۔ لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ اللہ پھر اس کی توبہ بھی قبول نہیں کرتا، پھر اسے توبہ کی توفیق نہیں دیتا۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ○ ایسے لوگ پکے گمراہ ہیں۔

جرائم دو طرح کے ہیں۔ ایک جرم ہے کہ شرعی حکم کا پتہ ہے، جیسے سود ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے رہے ہیں لیکن اسے گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی جرم ہے لیکن کفر نہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو سود کھا رہے ہیں اور اس کا نام بدل کر اسے منافع یا مارک اپ (markup) قرار دے کر کہتے ہیں یہ حلال ہے۔ اب حرام کو حلال

کہنا کفر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ اب زندگی بھر سود کھائے جا رہے ہیں، باز نہیں آتے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ واپس آنے کے دروازے ہی بند ہو جاتے ہیں۔ اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بیشمار معاملات اور رسومات ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ جو بدعت کا اسیر ہوتا ہے، وہ دین سمجھ کر اس پر عمل کیے جا رہا ہوتا ہے لہٰذا یہ اتنا بڑا جرم ہے اور اپنے ساتھ اتنی زیادتی ہے کہ آخر دل ایسے سیاہ ہو جاتے ہیں کہ توبہ کی توفیق نہیں ملتی اور آدمی ہمیشہ کیلئے راہ گم کر بیٹھتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ جو کفر میں رہے اور موت آ گئی تو اسی کفر میں مر گئے۔ وہ دولت دنیا جمع کرتے رہے، حکومت لے لی، رشوت لیتے رہے، چوری ڈاکے سے دولت جمع کرتے رہے اور دین ضائع کرتے رہے تو آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ہماری ساری دولت لے لی جائے اور ہمیں جہنم سے بچا لیا جائے۔ فرمایا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ط اگر زمین کے برابر بھی ان کے پاس سونا ہو اور اللہ کی راہ میں دینا چاہیں تو اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ جن کا خاتمہ کفر پر ہوگا ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا اور کوئی ان کی مدد کرنے کو بھی نہیں آئے گا۔

مسلمان گناہ گار کو تو نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی، صحابہ کی، اولیاء اللہ کی، چھوٹے بچوں کی شفاعت ہوگی اور اس کی بخشش کے بیشمار ذرائع ہوں گے لیکن جس کا خاتمہ کفر پر ہوگا کوئی اس کے کسی کام نہیں آ سکے گا۔ کفار کے لئے مکمل محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ کریم ﷺ ہدایت پہ قائم رکھے اور اپنی نافرمانی سے پناہ دے۔ آمین

اسلام میں ارتداد کی سزا

اکثر مستشرقین کی طرف یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اسلام میں داخلے میں تو کوئی زبردستی نہیں ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ اگر کوئی چاہے تو ایمان قبول کر لے، نہ چاہے تو نہ کرے، اس کے انسانی حقوق محفوظ رہیں گے اور کوئی زبردستی نہیں کی جائے گی لیکن اگر کوئی اسلام قبول کرنے کے بعد چھوڑنا چاہے تو اسلام نے مرتد کی سزا قتل رکھی ہے، ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ زیادتی ہے کہ لوگ دوسرے مذاہب چھوڑ کر اسلام قبول کرتے ہیں تو کوئی بات نہیں اور اگر کوئی اسلام چھوڑ دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ جو دوسرے مذاہب ترک کر کے آتے ہیں، وہ مذاہب باطلہ ہیں، وہ حق نہیں ہیں اور انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اللہ کریم نے

اپنا نبی ﷺ بھیج کر، اپنی کتاب بھیج کر حق کو واضح کر دیا اور بندے کو اختیار دیا کہ کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کی جائے گی۔ اسلام تدبر و تفکر کی اور سوچ بچار کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اکیلے سوچو، دو دو ہو کر مشورہ کرو، تین تین، چار چار ہو کر آپس میں بات کرو، بحث کرو، سوچو، اندازہ کرو کہ یہ کائنات کیا ہے، یہ دن رات کیسے ہیں، یہ تغیر و تبدل کیا ہے، کس طرح چیزیں پیدا ہو رہی ہیں، کس طرف جا رہی ہیں؟ کوئی ہے جو ان کا خالق ہے۔ وہ کون ہے؟ اس کے متعلق کون بتائے؟ اگر تمہارا تجزیہ، تدبر و تفکر اور تمہارا دل اس بات پر اطمینان پکڑے کہ تمہیں اللہ پر ایمان لانا ہے اور اللہ کے رسول کی صداقت پر تمہیں یقین ہو جائے تو پھر کلمہ پڑھو۔

ایک آدمی اپنے پورے اختیار کے ساتھ، اپنے پورے تدبر و تفکر کے ساتھ کلمہ حق قبول کرتا ہے، نبی کریم ﷺ کی صداقت کو قبول کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سارے تجزیے کے بعد جب وہ قبول کرتا ہے اور پھر انکار کر دیتا ہے یا کفر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اسلام کے خلاف سازش کی ہے، بغاوت کی ہے۔ اس نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے اسے دیا تھا کہ سوچ بچار کر کے تدبر و تفکر کر کے حق سمجھو تو قبول کرو اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ حق نہیں ہے تو قبول نہ کرو۔ تمہارے انسانی حقوق محفوظ رہیں گے لیکن جب آخرت میں جاؤ گے تو جواب طلبی ہو گی۔ وہاں اپنا جواب داخل کرنا، اللہ جانے اور تم جانو۔ اگر کوئی اس سارے پراسس سے گزر کر، سارا تجزیہ کر کے کہتا ہے، میں نے سوچا میں نے سمجھا، میں جان گیا ہوں کہ یہ حق ہے اور قبول کرتا ہے لیکن اس کے بعد پھر کفر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی سازش کی ہے اور کسی بھی ریاست کے خلاف سازش کی جائے تو اس کی سزا قتل ہوتی ہے۔ باغی کی سزا بھی قتل ہوتی ہے لیکن جو سازش کرتا ہے اس کی سزا اس سے بھی سخت ہوتی ہے۔ جس طرح ہر حکومت کے خلاف بغاوت کی سزا قتل ہے، اس طرح سازش کی سزا اس سے بھی زیادہ سخت ہے، چونکہ سازش کرنا نہ صرف بغاوت ہے بلکہ نقصان پہنچانے کی ایک کوشش بھی ہے۔ اللہ کریم نے پوری اجازت دی کہ غور و فکر کرو، جس مذہب میں بھی تم ہو اس کا بھی تجزیہ کرو اور اسلام کا بھی تجزیہ کرو، موازنہ کرو اور دیکھو کہ حق کس طرف ہے۔ اگر تمہارا دل مانے کہ حق اسلام کی طرف ہے اور اسلام جو کہتا ہے وہ حق ہے اور اللہ کا رسول ﷺ برحق نبی ہے تو اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

اسلام محض ایک فلسفہ نہیں ہے بلکہ اسلام ایک مکمل ریاست ہے۔ اگر فرد مسلمان ہے تو اس کے وجود میں بھی، اس کے اندر بھی اللہ کی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور اس کے اعضاء و جوارح اللہ کی حکومت کے تابع ہو جاتے ہیں۔ ایک قوم مسلمان ہو جاتی ہے تو اس قوم کی اپنی پسند و ناپسند ختم ہو جاتی ہے اور وہ اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کے تابع ہو جاتی ہے۔ اسلام ہمیشہ حاکم ہو کر رہتا ہے' محکوم ہو کر نہیں رہتا۔ چونکہ اللہ کا دین ہے' حکم دیتا ہے اور جو حکم کو مانتا ہے اسے سرفراز فرماتا ہے اور جو سرکشی کرتا ہے اسے وہ عزت نصیب نہیں ہوتی۔

اہل کتاب نے یہ باقائدہ کوشش کی اور لوگوں سے کہا کہ تم مسلمانوں میں شامل ہو جاؤ' اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دو لیکن بعد میں اپنی بیزاری کا اعلان کر کے کافر ہو جانا' یہ دوسرے مسلمانوں کو بہکانے کا سبب بنے گا۔ یہ عملاً سازش کی گئی اور قرآن نے بھی اس سازش کی شہادت دی۔ مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر جو اسلام قبول کرتے ہیں وہ سازش نہیں کرتے۔ وہ اس یقین اور اعتماد کے ساتھ اسلام قبول کرتے ہیں کہ میں پہلے غلطی پر تھا' غلط راستے پر تھا' غلط عقیدے پر تھا اور اب میں صحیح عقیدہ قبول کر رہا ہوں لیکن جو اسلام کو حق ماننے کے بعد اور یہ شہادت دینے کے بعد کہ اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ اللہ کا رسول برحق ہے' پھر کفر اختیار کرتا ہے تو اس نے بغاوت کی اور اس نے بغاوت ہی نہیں کی بلکہ اسلام کے خلاف سازش کی۔ چنانچہ جو بھی سازش کرے گا اس کی سزا عرفاً بھی پوری دنیا میں اور ہر ریاستی قانون میں موجود ہے۔ جو بھی ریاست کے خلاف بغاوت کرے گا وہ قتل کیا جائے گا۔ جو بھی سازش کرے گا' اسے سزائے موت دی جائے گی۔ لہٰذا مرتد کی سزا موت ہے جو اللہ کریم نے قرآن حکیم میں مقرر کر دی۔

پھر کچھ لوگ ایسے ہیں جو مرتد نہیں ہوتے' کفر کا اعلان نہیں کرتے لیکن وہ مومن بھی نہیں ہوتے۔ بظاہر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کا کردار کافروں جیسا رہتا ہے۔ انہیں منافق کہا جاتا ہے۔ ان پر سزا نہیں۔ چونکہ وہ ظاہراً کافر نہیں ہوتے تو انہیں دنیاوی سزا یا سزائے موت نہیں دی جاتی لیکن اللہ کریم نے ان پر یہ سزا رکھ دی کہ ایسے لوگوں کو پھر ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ جو رسول ﷺ کے برحق ہونے کی شہادت دے چکے اور واضح دلائل دیکھ چکے' اس کے بعد وہ غلط کاری کرتے ہیں اور اسلام کے خلاف درپردہ سازشوں میں مصروف رہتے ہیں یا ان کا کردار اسلام کی نفی کرتا ہے تو انہیں توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہاں بات بڑی نازک ہو جاتی ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے دل سے اسلام کو مانا ہی نہیں اور محض دکھاوے کیلئے مسلمان ہوئے اور ان کا کردار کافروں جیسا رہا۔ انہوں نے نمازیں بھی مسجد نبوی میں ادا کیں' حضور ﷺ کی محفل میں بھی بیٹھے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کیا لیکن جب اپنی ذاتی زندگی میں جاتے تو سارا کردار کافروں ہی کا ہوتا۔ نہ صرف یہ بلکہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے' خرابی سوچتے لیکن اپنے کافر ہونے کا زبانی اعلان نہیں کرتے' تو ان کے منافق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

ہمارے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جنہیں حضور ﷺ کی صداقت کا' اسلام کی حقانیت کا یقین بھی ہے اور عملاً بھی وہ کوشش کرتے ہیں۔ ان کے دل میں بھی ہے کہ یہ بات سچ ہے لیکن جب کام

کرتے ہیں تو ان کا عمل کافروں جیسا ہوتا ہے۔ جیسے نبی ﷺ کا ایک ارشاد عالی ہے: مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ ۔ جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی تو کافر ہو گیا۔ نماز کا قائل ہے کہ فرض ہے لیکن پڑھتا نہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: فَقَدْ كَفَرَ فقہاء کہتے ہیں کہ آدمی فاسق اور گناہ گار تو ہوتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا۔ حدیث میں تو ارشاد ہے اس نے کفر کیا' تو شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے ایسا کام کیا جو کافر کیا کرتے ہیں یعنی اس نے کافروں جیسا کام کیا۔ تو یہ جو کافروں جیسا کردار ہے جیسے کلمہ پڑھتا ہے' مسلمان ہے لیکن سود کھاتا ہے۔ کلمہ پڑھتا ہے' مسلمان ہے لیکن نماز ادا نہیں کرتا۔ کلمہ پڑھتا ہے' مسلمان ہے لیکن جھوٹ بولتا ہے۔ کاروبار کرتا ہے اس میں لوگوں کو دھوکا دیتا ہے یا چوری کرتا ہے۔ رشوت کھاتا ہے یا اللہ نے اسے جو اختیارات دیے ہیں' اس کے پاس جو طاقت ہے' اسے ناجائز استعمال کرتا ہے' ظلم کرتا ہے تو یہ سارا کیا ہے؟ یہ کردار تو کافرانہ ہے اور دعویٰ ایمان کا ہے تو ان لوگوں کا معاملہ اللہ رب العالمین کے ساتھ ہے اور عمومی قاعدہ یہ ہے کہ وہ غلط کاروں کو توبہ کی توفیق نہیں دیتا۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ اِصْرَارٌ عَلَى الذَّنْبِ یعنی گناہ کو مسلسل کرنا مُفْضِي اِلَى الْكُفْرِ ہوتا ہے' کفر کی طرف کھینچ کے لے جاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ آدمی ترک صلوٰۃ کرتا ہے' پھر معاملات بگڑتے ہیں اور جوں جوں گناہ بڑھتے جاتے ہیں تو دین کی عظمت دل سے مٹتی چلی جاتی ہے' اللہ کی محبت ختم ہوتی جاتی ہے رسول اللہ ﷺ کی محبت ختم ہوتی جاتی ہے اور بالآخر ہوتا یہ ہے کہ ایک مقام پر آ کر ایمان سلب ہو جاتا ہے اور وہ کٹی ہوئی پتنگ ہو جاتا ہے کہ کسی خاردار جھاڑی' کسی چیز سے اٹک جائے۔ اسی لیے کتنے نئے نئے فرقے پیدا ہو گئے جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کوئی اساس نہیں ہے۔ ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو علماء اور اہل حق کے گھروں میں پیدا ہوئے' جن کے والدین نیک بھی تھے اور صاحب علم بھی تھے لیکن وہ اپنے کردار کی وجہ سے اور برائی کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ لہٰذا ہر گناہ سے اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ وہ کہیں گمراہی کی طرف نہ لے جائے چونکہ اللہ نے ایک قانون ارشاد فرما دیا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝ غلط کاروں کو' غلط کرنے والوں کو' برائی کرنے والوں کو اللہ کریم بعض اوقات توبہ کی توفیق بھی نہیں دیتے۔ واپسی کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

اللہ کریم معاف فرمائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامانِ رحمت سے وابستہ رکھے، آپ ﷺ کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے، امان کے ساتھ خاتمہ اور آخرت میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین!

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقہِ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔